محرم کیلئے ۱۲ وعظوں کا مستند مجموعہ

خطباتِ محرم

تصنیف:
فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

محرّم کیلئے
۱۲ وعظوں کا مستند مجموعہ

تصنیف: فقیہ ملّت مفتی جلال الدین احمد امجدی

اکبر بک سیلرز اردو بازار، لاہور
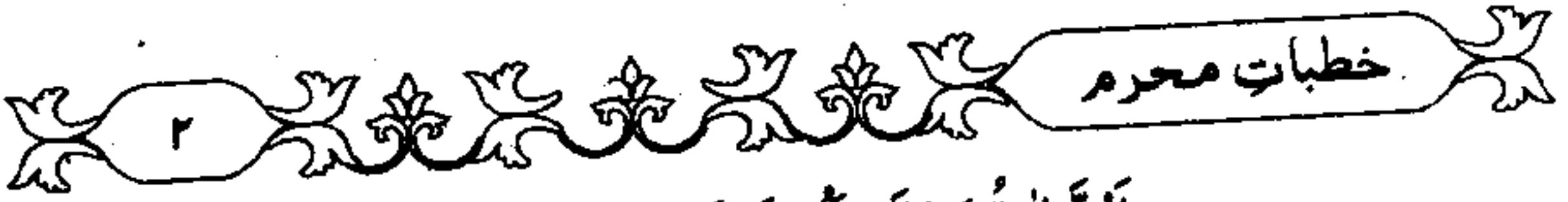
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللہ

نام کتاب	——	خطباتِ محرم
مصنف	——	علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی
تصحیح	——	محمد شکیل مصطفیٰ اعوان صابری چشتی
تاریخ اشاعت	——	اکتوبر ۲۰۰۳ء
کمپوزنگ	——	عبدالسلام/قمر الزمان، رائل پارک لاہور
تعداد	——	۶۰۰
صفحات	——	۴۹۶
ناشر	——	محمد اکبر قادری
قیمت	——	350 روپے

شرفِ انتساب

فرزند رسول جگر گوشۂ بتول سیّد الشہداء حضرت

امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان تمام مسلمانوں

کے نام

جنہوں نے دین کی حفاظت کے لئے خلوص کے ساتھ

اپنا خون یا پسینہ بہایا

اور

برادرِ گرامی جناب نظام الدین احمد مرحوم

کے نام

جو میری دستار بندی سے آٹھ سال قبل مجھے عالم دین بنانے

کی تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے

خداوند قدوس ان کی قبر کو انوار و تجلیات سے معمور فرمائے' آمین

جلال الدین احمد امجدی

فہرست مضامین

حضرت علی مرتضیٰ

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

نگاہِ اوّلیں

محرم شریف کی مجالس کا سلسلہ سال بسال بڑھتا ہی جا رہا ہے کہ اب شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی اس طرح کے پروگرام عام ہوتے جا رہے ہیں جن میں بارہ روز مسلسل ایک ہی اسٹیج پر بیان کرنے کے لئے نئے مقررین کو سخت دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔

اس لئے عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو مستند روایات پر مشتمل ہونے کے ساتھ بارہ وعظوں کا مجموعہ ہو تا کہ مقررین غیر معتبر روایات بیان کرنے سے بچیں اور بارہ روز مسلسل وعظ کہنے پر آسانی کے ساتھ قادر ہوسکیں۔

اور ساتھ ہی سرکارِ اقدس ﷺ، خلفائے اربعہ، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسن اور سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین پر بدمذہبوں کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات بھی ہوں تا کہ عوام اور بعض خواص بھی جو ان حضرات کی جانب سے غلط فہمی میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں وہ گمراہ ہونے سے بچیں اور اپنی عاقبت کو برباد ہونے سے بچائیں۔

ان ضرورتوں کے پیش نظر ہم نے قلم اٹھایا درس و تدریس اور دیگر ضروری کاموں سے وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا لکھا یہاں تک کہ الحمدللہ کتاب مکمل ہوگئی اور کتابت وغیرہ کی بڑی بڑی پریشانیوں سے گزرنے کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچی۔

اگرچہ میں اس طرح کی کتاب لکھنے کا اہل نہیں تھا اس لئے کہ تقریری کتاب لکھنے کے لئے مصنف کو ادیب ہونا چاہئے اور مفتی عموماً ادیب نہیں ہوتے۔ فتویٰ نویسی میں ادبی الفاظ سے احتراز

کرتے ہیں۔اس طرح مافی الضمیر کو مختصر اور جامع الفاظ میں ادا کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں۔

لیکن جو لوگ کہ اس کے اہل ہیں جب انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی تو ہمیں مجبوراً اس کے لئے قلم اٹھانا پڑا اور کسی طرح کتاب مکمل کر کے ہم نے قوم کے سامنے پیش کر دی لہٰذا جو لوگ ادبی الفاظ یا بازاری باتوں کے شائق ہیں ان کی تشنگی اس کتاب سے دور نہ ہوگی۔صرف ٹھوس مضامین اور مستند روایات و واقعات تلاش کرنے والوں کے لئے بے انتہا مفید ثابت ہوگی اور حتی الامکان مشکل الفاظ لکھنے سے بھی بچنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عورتیں اور کم لکھے پڑھے لوگ بھی زیادہ سے زیادہ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکیں۔

کتاب کے آخر میں ہم نے اپنے حالات بھی درج کر دیئے ہیں جو بہت سی مفید مذہبی اور دینی معلومات پر مشتمل ہیں۔ان کا بھی ضرور مطالعہ کریں۔

نبی کے علاوہ دنیا میں کوئی بڑا سے بڑا علم والا ایسا نہیں ہوا ہے کہ جس سے بولنے یا لکھنے میں کہیں لغزش نہ ہوئی ہو تو بہت ممکن ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں کہیں ہمارا قلم بھی بہک گیا ہو۔اس لئے اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر اس میں کوئی غلط بات نظر آئے تو لوگوں میں اس کتاب کی اہمیت نہ گھٹائیں بلکہ بذریعہ تحریر ہم کو مطلع کریں تاکہ نئے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی جائے۔

عزیز گرامی حضرت مولانا غلام عبدالقادر صاحب علوی' صاحبزادہ شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کتاب کا اکثر حصہ پڑھا اور مفید مشورہ دیا اور جناب مولانا قاضی عطاء الحق صاحب عثمانی گونڈوی کی یاددہانی سے کتاب میں بعض اہم مضامین کا اضافہ ہوا۔

اور مولوی محمد شمیم بڑھیاوی فاضل فیض الرسول نے بعض کتابیں فراہم کیں جو اس مجموعہ کی تصنیف میں بہت معاون ثابت ہوئیں۔

خدائے عزوجل ان سب کے علم و عمل میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور خلوص کے ساتھ دین متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق بخشے۔

اور دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب سے اہلسنت و جماعت کو تقویت بخشے، آخری دم تک خلوص کے ساتھ دین کی خدمتیں لیتا رہے، ہماری اولاد کو بھی اسلام وسنیت کی نشرواشاعت کا صحیح جذبہ عطا فرمائے، ایمان پر ہمارا خاتمہ ہو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھے اور حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے، آمین۔

بحرمة النبی الکریم الامین علیه وعلی اٰله افضل الصلوات و اکمل التسلیم۔

جلال الدین احمد امجدی

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ

۱۴ فروری ۱۹۸۸ء

مرتبۂ شہادت

الحمدلله الذی اکرام الشهداء بالحیاة ۔بقوله وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۔ وَالصَّلٰوة والسلام علٰی صاحب الشفاعات وعلٰی اله واصحابه الذين فازوا بالشهادات ۔ امابعد فاعوذبالله من الشيطٰن الرجيم ۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَرَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (پ۴ع۸)

صدق الله العلی العظيم وصدق رسوله النبی الكريم ونحن علٰی ذٰلك لمن الشّٰهدين والشاكرين والحمدلِلّٰه رب العٰلمين ۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ دُرر بار میں بلند آواز سے درود وسلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی
وہ خوش قسمت ہیں مل جائے جنہیں دولت شہادت کی
شہادت پا کے ہستی زندۂ جاوید ہوتی ہے
یہ رنگیں شام صبح عید کی تمہید ہوتی ہے

برادرانِ اسلام! دنیا کے لحاظ سے انسان کے مختلف درجے ہیں۔کوئی چوکیدار تو

کوئی کانسٹیبل' کوئی سب انسپکٹر ہے تو کوئی ایس پی۔ یہاں تک کہ کوئی وزیراعظم ہے تو کوئی صدر جمہوریہ اور بعض انتہائی ذلت و پستی میں ہیں جیسے کوڑھی وغیرہ کہ ان کے گھر والے بھی ان سے نفرت اور گھن کرتے ہیں۔

اسی طرح اسلامی اعتبار سے بھی انسان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مسلم، دوسرے کافر۔ کافروں میں بھی مختلف درجے ہیں ان میں مرتد سب سے بدتر کافر ہے کہ اسے جینے کا بھی حق نہیں ہے اور مسلمانوں میں سب سے اونچا درجہ سیدالرسل نبی الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔ پھر رسل عظام کا پھر دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا پھر صدیقین پھر شہداء اور پھر صالحین یعنی اولیائے کرام کا۔ رضی اللہ عنہم۔

پھر اولیائے کرام میں بھی غوث، قطب اور ابدال و اوتاد وغیرہ مختلف درجات ہیں اور پھر علمائے اسلام ہیں وہ بھی مختلف درجے والے ہیں۔ پھر مومن متقی ہیں پھر فاسق اور مسلمانوں میں سب سے کم درجہ گمراہ و بدمذہب کا ہے جس کی بدمذہبی حد کفر کو نہیں پہنچی ہے۔

نبی اس محترم ہستی کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل کی گئی ہو۔ عبادت وریاضت سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ مگر ہمارے نبی اکرم ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوسکتا کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور صدیق یا ولی بننا بھی بڑا مشکل کام ہے اور شہید بننا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ مشکل تو اس لحاظ سے ہے کہ انسان کو اپنی جان بہت زیادہ پیاری ہوتی ہے اور آسان اس اعتبار سے ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں درجہ شہادت حاصل ہوجاتا ہے یعنی شہید ایک ہی جست میں زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔

عبدالقیوم کا واقعہ:

۱۹۳۴ء کا واقعہ عبدالقیوم کا مشہور ہے جو وکٹوریا گاڑی چلایا کرتا تھا۔ جو کوچوانی کر کے اپنی اور اپنے گھر والوں کی روزی حاصل کرتا تھا' اس کی رات جھونپڑے میں بسر ہوتی تھی اور دن وکٹوریا چلانے میں۔ گھوڑے کی لگام پکڑے پکڑے اس کی ہتھیلیوں کا چمڑہ موٹا اور کھردرا

ہوگیا تھا۔ پورے شہر کراچی میں جہاں وہ رہتا تھا کوئی اس کا ہمدرد و غمگسار نہیں تھا۔ اگر کوئی اس کا دوست اور شناسا تھا تو اس کا پیارا گھوڑا موتی تھا۔

عبدالقیوم کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی کتاب میں سرکارِ اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی ہے جس پر مقدمہ چل رہا ہے اور آج اس کی تاریخ ہے وہ فوراً وکٹوریا لے کر کچہری کی طرف چل پڑا۔ ایک کنارے اپنی گاڑی کھڑی کی اور فاتحانہ شان سے چل کر جج کے کمرہ میں پہنچ گیا جو آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دو انگریز جج ابھی قانونی دفعات کا چہرہ دیکھنے میں لگے ہوئے تھے کہ اس نے مجرم کو اس طرح چاقو مارا جو اس کی گردن میں اترتا چلا گیا۔ لاش تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئی اور عبدالقیوم نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

عبدالقیوم جو اپنے ہی شہر میں اجنبی تھا اور کوئی اسے جانتا پہچانتا نہ تھا تھوڑی ہی دیر میں صرف کراچی نہیں بلکہ پورا ہندوستان اسے جان گیا اور سارے مسلمانوں کی محبتوں کا مرکز بن گیا۔ اسے ضمانت پر چھڑایا گیا اور مقدمہ شروع ہوا۔ وقت کے ماہر قانون دانوں، بڑے بڑے وکیلوں اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے بیرسٹروں نے عبدالقیوم کے مقدمہ کی پیروی کرنا چاہی اور اس سے کہا بس اپنا بیان ذرا بدل دو ہم تمہیں بچالیں گے۔ کہنے والوں نے بہت کہا، منت سماجت کرنے والوں نے بہت منت سماجت کی مگر عبدالقیوم کے پاس ہر شخص کے لئے صرف ایک جواب تھا کہ میں نے جان بوجھ کر مرتبہ شہادت خریدا ہے۔ آپ اس نعمت سے مجھ کو محروم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ میں اقبالِ بیان بدل کر اپنی عاقبت نہیں خراب کروں گا۔

عبدالقیوم کی رہائی کے لئے مسجدوں میں دعائیں کی گئیں۔ عورتوں نے منتیں مانیں اور بوڑھوں کے لرزتے ہاتھ، نوجوانوں کے دل اور بچوں کی اداسیوں نے مالک حقیقی سے اس کی زندگی کی بھیک مانگی مگر عبدالقیوم ہی کی تمنا پوری ہوئی۔ قانون کے محافظوں نے اس کی موت کا حکم سنادیا۔ وہ موت کہ جس پر ہر دل غمزدہ اور ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا جیسے کہ یہ اسی کے گھر کا المیہ ہو۔

پھر جب عبدالقیوم کا جنازہ اٹھا تو اس میں ۲۵ لاکھ سے زیادہ آدمی شریک ہوئے۔ چھتوں اور بالا خانوں سے عورتیں آنچلوں سے آنسو پونچھتی جاتی تھیں اور پھول نچھاور کرتی جاتی تھیں۔ کراچی کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کے پہلے کسی بھی شخص کے جنازے میں اتنے انسان نہیں شریک ہوئے۔ پھر یہ تو انسانوں کی تعداد تھی جو ۲۵ لاکھ سے زائد تھی اور فرشتے کتنے کروڑ تھے پھر محبوب کائنات ﷺ نے کس پیار و محبت سے عبدالقیوم کو خوش آمدید کہا ہوگا، اسے کون جان سکتا ہے؟ رحمۃ اللہ علیہ

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے وہ عبدالقیوم کہ جو کٹوریہ چلاتا تھا، کوچوان تھا، پورے شہر میں کوئی اسے جانتا پہچانتا نہیں تھا، لوگوں کے لئے اجنبی تھا، سماج اور معاشرے کے پست طبقہ کا ایک ناقابل توجہ آدمی تھا مگر ایک ہی جست میں رفعتوں کی ساری منزلوں کو طے کرلیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس مقام رفیع کو پالیا کہ جہاں برسہا برس کے مجاہدوں اور زندگی بھر کی ریاضتوں کے بعد بھی ہر انسان نہیں پہنچ پاتا۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر شخص کے نصیب میں دار و رسن کہاں

اور جب عبدالقیوم جیسا ایک معمولی انسان راہ حق میں شہید ہوکر لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا تو سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جو محبوب خدا سید الانبیاء ﷺ کے نواسے ہیں، علی مرتضٰی کے لختِ جگر ہیں اور فاطمہ زہراء کے نور نظر ہیں اور جو تمام عزیز و اقارب یہاں تک کہ جوان بیٹے علی اکبر اور شیر خوار صاحبزادہ علی اصغر کی دردناک شہادت کے باوجود ہمت نہیں ہارے اور راہ حق میں قربان ہوگئے وہ شہید ہوکر ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئے اور ان کی محبتوں کے مرکز ہوگئے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر سال جب ان کی تاریخ شہادت قریب آتی ہے اور محرم کا چاند نمودار ہوتا ہے تو پورا ماحول سوگوار ہو جاتا ہے، ان کی یاد لوگوں کے دلوں کو تڑپا دیتی ہے۔ جگہ جگہ ان کے ذکر کی مجلسیں قائم ہوتی ہیں، کھانے کھلائے جاتے ہیں، کھچڑے پکائے جاتے ہیں، سبیلیں قائم کی جاتی ہیں اور طرح طرح سے ان کی بارگاہ میں نذر و نیاز پیش کی جاتی ہیں اور

ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ قیامت تک ایسے ہی جاری رہے گا۔ یزیدیوں کی ہزار مخالفت کے باوجود کبھی نہیں مٹے گا۔

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

شہید کی قسمیں:

شہید کی تین قسمیں ہیں شہید حقیقی، شہید فقہی اور شہید حکمی۔ جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید حقیقی ہے اور شہید فقہی اسے کہتے ہیں کہ عاقل بالغ مسلمان جس پر غسل فرض نہ ہو وہ تلوار و بندوق وغیرہ آلہ جارحہ سے ظلماً قتل کیا جائے اور قتل کے سبب مال نہ واجب ہوا ہو اور نہ زخمی ہونے کے بعد کوئی فائدہ دنیا سے حاصل کیا ہو۔ اور نہ زندوں کے احکام میں سے کوئی حکم اس پر ثابت ہوا ہو۔

یعنی اگر پاگل، نابالغ یا حیض ونفاس والی عورتیں اور جب شہید کیے جائیں تو وہ شہید فقہی نہیں۔ اور اگر قتل سے مال واجب ہوا ہو جیسے کہ لاٹھی سے مارا گیا یا قتل خطا کہ مار رہا تھا شکار کو اور لگ گیا کسی مسلمان کو۔ یا زخمی ہونے کے بعد کھایا، پیا، علاج کیا، نماز کا پورا وقت ہوش میں گزارا اور نماز پر قادر تھا یا کسی بات کی وصیت کی تو وہ شہید فقہی نہیں۔

مگر شہید فقہی نہ ہونے کا یہ معنی نہیں کہ وہ شہید ہونے کا ثواب بھی نہیں پائے گا بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا اور شہید فقہی کی نماز جنازہ تو پڑھی جائے گی مگر اسے غسل نہیں دیا جائے گا ویسے ہی خون کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا اور جو چیزیں کہ از قسم کفن نہیں ہوں گی انہیں اتار لیا جائے گا جیسے زرہ، ٹوپی اور ہتھیار وغیرہ۔ اور کفن مسنون میں اگر کمی ہو گی تو اسے پورا کیا جائے گا۔ پاجامہ نہیں اتارا جائے گا اور سارے کپڑے اتار کر نئے کپڑے نہیں دیئے جائیں گے کہ مکروہ ہے۔

اور شہید حکمی وہ ہے جو ظلماً نہیں قتل کیا گیا مگر قیامت کے دن وہ شہیدوں کے گروہ

میں اٹھایا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکارِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں شہید کیے جانے کے علاوہ سات شہادتیں اور ہیں۔ جو طاعون میں مرے شہید ہے، جو ڈوب کر مر جائے شہید ہے۔ جو ذات الجنب (نمونیہ) میں مرے شہید ہے۔ جو پیٹ کی بیماری میں مر جائے شہید ہے جو آگ میں جل جائے شہید ہے۔ جو عمارت کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہے اور جو عورت بچہ کی پیدائش کے وقت مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۶)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن میں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں حالت سفر میں مرا، سل کی بیماری میں مرا، سواری سے گر کر مرا یا مرگی سے مرا، بخار میں مرا، جان و مال یا اہل و عیال یا کسی حق کے بچانے میں قتل کیا گیا۔ عشق میں مرا بشرطیکہ پاک دامن ہو اور چھپایا ہو، کسی درندے نے پھاڑ کھایا، بادشاہ نے ظلماً قید کیا یا مارا اور مر گیا، کسی موذی جانور کے کاٹنے سے مرا، علم دین کی طلب میں مرا، مؤذن جو کہ طلب ثواب کے لئے اذان کہتا ہو، راست گو تاجر، جسے سمندر کے سفر میں متلی تے آئی اور مر گیا جو اپنے بال بچوں کے لئے سعی کرے ان میں امر الٰہی قائم کرے اور انہیں حلال کھلائے، جو ہر روز ۲۵ بار یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ جو چاشت کی نماز پڑھے، ہر مہینے میں تین روزے رکھے اور وتر کو سفر و حضر میں کہیں ترک نہ کرے، فساد امت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ جو مرض میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ چالیس مرتبہ کہے اور اسی مرض میں انتقال کر جائے اور اچھا ہو گیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، کفار سے مقابلہ کے لئے سرحد پر گھوڑا باندھنے والا، جو شخص ہر رات میں سورۂ یٰسین شریف پڑھے، جو باوضو سویا اور مر گیا، جو نبی اکرم ﷺ پر سو مرتبہ روزانہ درود شریف پڑھے، جو سچے دل سے یہ دعا کرے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور جو شخص جمعہ کے روز انتقال کرے۔ (ردالمحتار، بہار شریعت)

ان تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور شہادت حقیقیہ سے سرفراز ہوا۔ اس کے فضائل میں کئی آیتیں اور بے شمار حدیثیں وارد ہیں۔

شہداء کے فضائل:

خدائے عزوجل شہدائے کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

جو خدا کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ مت کہنا بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔ (پ۲ع۳)

اور ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ ہرگز نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آیت کریمہ کا معنی رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں ہیں، ان کے رہنے کے لئے عرش الٰہی کے نیچے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں۔ جنت میں جہاں ان کا جی چاہتا ہے وہ سیر کرتے ہیں اور اس کے میوے کھاتے ہیں۔ (مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۳۰)

اور سرکارِ اقدس ﷺ شہدائے اسلام کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہید کے لئے خدائے تعالیٰ کے نزدیک چھ خوبیاں ہیں۔

(۱) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اسے بخش دیا جاتا ہے اور روح نکلنے ہی کے وقت اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔

(۲) قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

(۳) اسے جہنم کے عذاب کا خوف نہیں رہتا۔

(۴) اس کے سر پر عزت و وقار کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ جس کا بیش بہا یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا۔

(۵) اس کے نکاح میں بڑی بڑی آنکھوں والی ۷۲ حوریں دی جائیں گی۔

(۶) اور اس کے عزیزوں میں سے ۷۰ آدمیوں کے لئے اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۳۳۳)

اور سرکارِ دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ لڑائی میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ مومن جو اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں لڑے اور دشمن سے خوب مقابلہ کرے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ یہ وہ شہید ہے جو صبر اور مشقت کے امتحان میں کامیاب ہوا۔ یہ شہید خدائے تعالیٰ کے عرش کے نیچے خدا کے خیمہ[1] میں ہوگا۔ لَایَفْضُلُهُ النَّبِیُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ ۔ انبیائے کرام اس سے صرف درجہ نبوت میں زیادہ ہوں گے یعنی مرتبۂ نبوت اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں ان کے علاوہ ہر مرتبہ اور ہر کمال اس شہید کو حاصل ہوگا۔

اور دوسرا وہ مومن جس کے اعمال دونوں طرح کے ہوں یعنی کچھ اچھے اور کچھ برے۔ وہ اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے جس وقت دشمن سے سامنا ہو اس سے لڑے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے۔ یہ ایسی شہادت ہے جو گناہوں اور برائیوں کو مٹانے والی ہے پھر فرمایا اِنَّ السَّیْفَ مَحَّاءٌ لِّلْخَطَایَا وَاُدْخِلَ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ۔ یعنی بیشک تلوار گناہوں کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے اور شہید جس دروازے سے چاہے گا جنت میں چلا جائے گا۔

اور تیسرا وہ منافق ہے جس نے اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا اور جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو خوب لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔ یہ شخص دوزخ میں جائے گا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اس لئے کہ اِنَّ السَّیْفَ لَایَمْحُوا النِّفَاقَ ۔ نفاق یعنی چھپے ہوئے کفر کو تلوار نہیں مٹاتی ہے۔ (دارمی، مشکوٰۃ ص ۳۳۶)

اس حدیث شریف سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا مرتبہ نبوت اور اس کے متعلقہ کمالات کے علاوہ سارے درجات سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ اگر دل میں کفر چھپائے ہو اور صرف ظاہر میں مسلمان ہو تو چاہے زندگی بھر جہاد کرے یہاں تک کہ اپنی عزیز ترین

[1] یعنی در حضرت وے و محل قرب وے تعالیٰ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۲۶۰)

11524

جان بھی قربان کر دے مگر وہ جہنم ہی میں جائے گا۔

اسی طرح جو لوگ محبوب خدا ﷺ کے بغض وعداوت کا کفر اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اوران کی عظمت کے دشمن ہیں۔ اگر وہ دن رات عبادت کریں اور زندگی بھر ساری دنیا میں اسلام کی نشر واشاعت کریں اور تبلیغ کرتے پھریں یہاں تک کہ اسی حال میں مر جائیں تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اس طرح کی کسی بھی نیکی سے کفر نہیں معاف ہوتا۔

صَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

شہید اور احساس زخم:

میدان جنگ میں شہید ہر طرح سے زخمی ہوتا ہے کبھی ہاتھ کٹتا ہے، کبھی پاؤں گھائل ہوتا ہے، کبھی اس کے سینہ میں نیزہ داخل کیا جاتا ہے، خون کا فوارہ جاری ہوتا ہے، کبھی گردن کٹ کے الگ ہو جاتی ہے اور شہید خون میں نہا کر زمین پہ گر جاتا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سخت تکلیف واذیت ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو بہت معمولی سی تکلیف ہوتی ہے اور اسے ان زخموں کا پورا احساس نہیں ہوتا مخبر صادق نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ

(ترمذی، مشکوٰۃ ص ۳۳۳)

شہید قتل کی صرف اتنی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی کہ تم چٹکی بھرنے یا چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتے ہو۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شہید کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور اس کی گردن بھی جدا کر دی گئی مگر اس کو صرف اتنی تکلیف ہوئی جتنی کہ چیونٹی کاٹنے یا چٹکی بھرنے سے ہوتی ہے۔

تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ شہید سے وہ شہید حق مراد ہے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہوگئی ہو کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ کروڑوں

جانیں ہوں تو میں سب کو اپنے محبوب پر قربان کردوں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا ' نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

جیسے ڈاکٹر مریض کو دوا سنگھا دیتا ہے پھر اس کے جسم کو چیرتا اور پھاڑتا ہے، ہڈیاں توڑتا ہے اور ٹانکے لگاتا ہے مگر چونکہ دوا کا اثر اس پر غالب ہوتا ہے اس لئے مریض کو کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوتی بالکل اسی طرح وہ شہید حق کہ جس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت غالب ہوگئی تو اس کا جسم کٹتا ہے، ہڈیاں ٹوٹتی ہیں، خون بہتا ہے اور گردن جدا ہوتی ہے مگر اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

مصر کی عورتیں:

مصر کے شریف گھر کی عورتوں نے جب زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت پر ملامت کی اور طعنہ دیا تو زلیخا نے ان عورتوں کو بلایا۔ ان کے لئے دستر خوان بچھوایا جس پر طرح طرح کے کھانے اور میوے چنے گئے پھر زلیخا نے ہر عورت کو پھل وغیرہ کاٹنے کے لئے ایک ایک چھری دی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ان عورتوں کے سامنے آجائیں۔ جب آپ تشریف لائے اور عورتوں نے ان کے جمال جہاں آراء کو دیکھا تو ان کے حسن نے عورتوں پر اتنا اثر کیا کہ بجائے لیموں کے انہوں نے اپنے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا اور خون بہنے لگا مگر ان لوگوں کو ہاتھوں کے کٹنے کا احساس نہیں ہوا اسی لئے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہائے! ہم نے تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے بلکہ یہ کہا کہ یہ انسان نہیں ہیں فرشتہ ہیں۔ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَاھٰذَا بَشَراً ط اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ ○ (سورۂ یوسف پ۱۲ ع۱۴)

اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا عورتوں پر ایسا اثر ہوا کہ ان کو ہاتھ کٹنے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تو جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ جن کا چہرۂ اقدس ایسا روشن و تابناک تھا کہ بقول راویانِ حدیث آپ کے چہرے میں چاند و سورج تیرتے تھے' جس پر

ان کے حسن و جمال کا اثر ہوتا ہے اور ان کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے اس کا سر بھی کٹ جاتا ہے مگر اسے احساس نہیں ہوتا۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

شہادت کی لذت:

دنیا کی بے شمار نعمتوں سے انسان لطف و لذت حاصل کرتا ہے۔ کسی نعمت کو کھاتا ہے، کسی کو پیتا ہے، کسی کو سونگھتا ہے، کسی کو دیکھتا ہے، کسی کو سنتا ہے اور ان کے علاوہ مختلف طریقوں سے تمام نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور ان سے محظوظ ہوتا ہے لیکن مرد مومن کو شہادت کی جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کے سامنے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ یہاں تک کہ شہید جنت کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا اور ان سے لطف اندوز ہوگا مگر جب اس کو اللہ و رسول کی محبت میں سر کٹانے کا مزہ یاد آئے گا تو جنت کی بھی ساری نعمتوں کا مزہ بھول جائے گا اور تمنا کرے گا کہ اے کاش! میں دنیا میں واپس کیا جاؤں اور بار بار شہید کیا جاؤں۔

حدیث شریف میں ہے سرکارِ اقدس نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر کوئی جنتی وہاں کی راحتوں اور نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا میں آنا پسند نہ کرے گا کہ جو چیزیں ہمیں زمین میں حاصل تھیں وہ پھر مل جائیں۔

اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشَرَ مَرَّاتٍ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۳۰)

مگر شہید آرزو کرے گا کہ وہ پھر دنیا کی طرف واپس ہو کر اللہ کی راہ میں دس مرتبہ قتل کیا جائے۔

صَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

بے مثل شہادت:

اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی بقا کے لئے بے شمار مسلمان اب تک شہید کئے گئے

مگران تمام لوگوں میں سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بے مثل ہے کہ آپ جیسی مصیبتیں کسی دوسرے شہید نے نہیں اٹھائیں۔ آپ تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کیے گئے اس حال میں کہ آپ کے تمام رفقاء عزیز و اقارب و اہل و عیال بھی سب بھوکے پیاسے تھے اور چھوٹے بچے پانی کے لئے تڑپ رہے تھے۔ یہ آپ کے لئے اور زیادہ مصیبت کی بات تھی اس لئے کہ انسان اپنی بھوک و پیاس تو برداشت کر لیتا ہے لیکن اہل و عیال اور خاص کر چھوٹے بچوں کی بھوک و پیاس اسے پاگل بنا دیتی ہے۔

اور جب پانی کا وجود نہیں ہوتا تو پیاس کی تکلیف کم ہوتی ہے لیکن جبکہ پانی کی بہتات ہو جسے عام لوگ ہر طرح سے استعمال کر رہے ہوں یہاں تک کہ جانور بھی اس سے سیراب ہو رہے ہوں مگر کوئی شخص جو تین دن کا بھوکا پیاسا ہو اسے نہ پینے دیا جائے تو یہ اس کے لئے زیادہ تکلیف دہ بات ہے۔

اور میدان کربلا میں یہی نقشہ تھا کہ آدمی اور جانور سبھی لوگ دریائے فرات سے سیراب ہو رہے تھے مگر امام عالی مقام اور ان کے تمام رفقاء پر پانی بند کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ آپ اپنے بیماروں اور چھوٹے بچوں کو بھی ایک قطرہ نہیں پلا سکتے تھے۔

اس کی قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بے زبان اہل بیت

اور پھر غیر ایسا کرے تو تکلیف کا احساس کم ہوگا اور یہاں حال یہ ہے کہ کھانا پانی روکنے والے اپنے کو مسلمان ہی کہلاتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان کے نانا جان کا اسم گرامی اذانوں میں بلند کرتے ہیں مگر نواسے پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑتے ہیں۔

اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی پانی بند کر دیا گیا تھا مگر وہ اپنے گھر اور اپنے وطن میں تھے اور امام عالی مقام اپنے گھر سے دور بے وطن ہیں اس کے ساتھ تیز دھوپ تپتی ہوئی زمین اور گرم ہواؤں کے تھپیڑے بھی ہیں۔

اور آپ کو یہ اندیشہ بھی دامن گیر تھا کہ میری شہادت کے بعد میرا تمام ساز و سامان لوٹ لیا جائے گا، خیمہ جلا دیا جائے گا، مستورات بے سہارا ہو جائیں گی اور انہیں قید کر لیا

جائے گا۔

ان حالات میں اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ اپنی گردن جھکا دیتا لیکن سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مصائب و آلام کے ہجوم میں بھی باطل کے مقابلہ کے لئے صبر و رضا کا پہاڑ بن کر قائم رہے اور آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں پیدا ہوئی یہاں تک کہ ۷۲ زخم کھا کر شہید ہو گئے اور پھر آپ کی لاش مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی بھی گئی۔

آپ کی شہادت بے مثل ہے جس نے یزیدیت کو مردہ کر دیا اسے دنیا میں نہیں پھیلنے دیا اور دین اسلام کو مسخ ہونے سے بچالیا۔ اسی لئے سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

شاہ است حسین پادشاہ است حسین دیں است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین

شہیدوں کی زندگی:

شہید جو اللہ تعالٰی کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں وہ زندہ ہیں پارہ دوم رکوع ۳ کی آیت کریمہ وَلَا تَقُوْلُوْا الخ میں خداوند قدوس نے شہیدوں کو مردہ کہنے سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے ہو اور نہیں سمجھتے ہو کہ وہ کیسے زندہ ہیں۔

مگر انسان جبکہ دیکھتا ہے کہ شہید کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے، اس کی گردن جدا ہو گئی، وہ بے حس و حرکت ہو گیا اور سانس کی آمد و رفت بھی بند ہو گئی پھر اس کو زمین کے نیچے دفن کر دیا گیا، وارثوں نے اس کے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا اور بیوی نے عدت گزار کر دوسرا نکاح بھی کر لیا تو ہو سکتا تھا کہ ظاہری حال دیکھ کر وہ گمان کرتا کہ شہید مردہ ہیں۔ البتہ جب اللہ تعالٰی نے منع فرما دیا ہے تو اسے مردہ نہیں کہا جائے گا۔ تو خدائے عزوجل نے پارۂ چہارم رکوع ۸ کی آیت مبارکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا الخ میں شہیدوں کو مردہ گمان کرنے سے بھی روک دیا اور تاکید کے ساتھ فرمایا کہ ایسے لوگوں کو مردہ ہرگز گمان مت کرنا بلکہ وہ

زندہ ہیں اور بارگاہ الٰہی سے روزی دیئے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ شہدائے کرام زندہ ہیں، ان کو مردہ کہنا قرآن مجید کی مخالفت کرنا ہے بلکہ انہیں مردہ گمان کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے یعنی مردہ کہنا تو بڑی بات ہے ان کو مردہ خیال بھی نہیں کرسکتے اس لئے کہ وہ اللہ کی راہ میں قتل ہوکر زندۂ جاوید ہوجاتے ہیں، رزق آخرت سے کھاتے پیتے ہیں اور جہاں خدائے تعالیٰ چاہتا ہے جنت وغیرہ کی سیر کرتے ہیں۔

آواز آرہی ہے شہیدوں کی خاک سے
مرکر ملی ہے زندگیٔ جاوداں مجھے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

تین مجاہد:

شہیدوں کی زندگی کے بے شمار واقعات معتبر کتابوں میں درج ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ ہم آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کو علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ مبارکہ الانتباہ فی حل ندائے یارسول اللہ میں تحریر فرمایا ہے۔

تین بھائی ملک شام میں رہتے تھے جو بڑے جری اور بہادر تھے۔ ہمیشہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے۔ رومیوں نے ایک مرتبہ ان کو گرفتار کرلیا اور اپنے عیسائی بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا تم لوگ مذہب اسلام چھوڑ دو اور عیسائی بن جاؤ۔ ان تینوں نے بیک زبان کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

بادشاہ نے کہا اِنِّیْ اَجْعَلُ فِیْکُمُ الْمُلْكَ وَاُزَوِّجُکُمْ بَنَاتِیْ ۔ یعنی میں تم لوگوں کو سلطنت دوں گا اور اپنی لڑکیوں سے شادی بھی کردوں گا تم لوگ عیسائی ہوجاؤ۔ مگر مجاہدین اس پر بھی عیسائی بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا اگر ہماری بات نہیں مانو گے تو قتل کردیئے جاؤ گے۔ مجاہدین نے کہا:

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے (ﷺ)

بادشاہ نے حکم دیا کہ تین دیگوں میں زیتون کا تیل کھولایا جائے۔ جب تیل کھول گیا تو مجاہدین کو ان دیگوں کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اگر عیسائی نہیں بنو گے تو اسی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ اب بھی موقع ہے خوب سوچ لو۔ ان بہادروں نے کہا کہ ہماری آخری سانس کا جواب یہی ہوگا کہ ہم جان تو دے سکتے ہیں مگر نبی کریم ﷺ کا دیا ہوا ایمان نہیں دے سکتے۔

انہوں نے یا محمداہ پکارا۔ پھر عیسائیوں نے بڑے بھائی کو تیل کی کھولتی ہوئی دیگ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد پھر باقی دونوں بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر آنکھوں سے اپنے بھائی کا یہ انجام دیکھنے کے باوجود ان کے اندر کچھ فرق نہیں پیدا ہوا۔ وہ اب بھی خوشی کے ساتھ اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے تیار رہے۔ آخر منجھلے بھائی کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔

چھوٹے بھائی کی ابھرتی جوانی دیکھ کر وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اسے ہمارے سپرد کر دیجئے ہم ایک ترکیب سے نہایت آسانی کے ساتھ اس کو عیسائی بنالیں گے۔ بادشاہ نے ان کو وزیر کے سپرد کر دیا۔ وزیر نے انہیں ایک مکان میں بند کر دیا اور اپنی حسین لڑکی کو انہیں بہکانے کے لئے مقرر کیا۔ رات کے وقت لڑکی داخل ہوئی۔ وہ مرد مجاہد رات بھر نفل نمازیں پڑھتا رہا اور حسینہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور کیسے دیکھتا جن نگاہوں میں حسن مصطفیٰ ﷺ بس چکا ہو وہ نگاہیں بھلا کسی اور کی طرف کیسے اٹھ سکتی ہیں۔

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے پیارے شناسا تیرا

لڑکی کے لئے یہ منظر بڑا ہی عجیب تھا کہ جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دنیا بیتاب ہے یہ جوان اس کو ایک نظر بھی دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ صبح کے وقت وہ ناکامی کے ساتھ واپس آئی اور اپنے باپ کو بتایا کہ آج اس کی عبادت کی کوئی رات تھی مگر اسی طرح چالیس

راتیں گزر گئیں اور وہ مردِ مجاہد اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ آخر میں خود وہ لڑکی متاثر ہوگئی اور کہا: اے پاکباز نوجوان! تو کس کا شیدائی و فدائی ہے کہ میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ فرمایا:

میں مصطفیٰ کے جامِ محبت کا مست ہوں
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

لڑکی صدقِ دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔ اور اصطبل سے دو گھوڑے لائی۔ رات ہی میں دونوں وہاں سے فرار ہوگئے اور ابھی زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ پیچھے سے گھوڑوں کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی اور جلد ہی وہ قریب آ گئے۔ دیکھا تو نوجوان کے وہی دونوں بھائی ہیں جو کھولتے ہوئے تیل میں ڈالے گئے تھے ساتھ میں فرشتوں کا ایک گروہ بھی تھا۔ نوجوان مجاہد نے حال پوچھا تو ان لوگوں نے بتایا کہ مَا کَانَتْ اِلَّا الْغَطْسَۃَ الَّتِیْ رَأَیْتَ حَتّٰی خَرَجْنَا فِی الْفِرْدَوْسِ۔ یعنی بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا اس کے بعد ہم جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ پھر دونوں بھائیوں نے فرشتوں کی موجودگی میں اس لڑکی کا نکاح اپنے بھائی سے کر دیا اور واپس چلے گئے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

اس واقعہ سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے والے شہید مرتے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ مدد کے لئے یا رسول اللہ ﷺ پکارنا جائز ہے کہ مجاہدین نے حضور اکرم ﷺ کو پکارا تھا اگر دور سے پکارنا شرک ہوتا تو انہیں جنت الفردوس میں جگہ نہ ملتی اور نہ چھوٹے بھائی کی شادی میں فرشتوں کی شرکت ہوتی۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

محبت والے:

شہیدوں کے علاوہ دوسرے لوگ جو اللہ و رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں مرنے کے بعد وہ بھی زندہ رہتے ہیں۔

۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ عراق پر حکمرانی کے زمانہ میں شاہ فیصل اوّل کو حضور نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ اسی حالت میں شاہ فیصل سے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی حذیفہ ہوں۔ مجھے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو اپنی اپنی قبروں میں بے انتہا تکلیف پہنچ رہی ہے ہم دونوں کو موجودہ قبروں سے نکال کر دریائے دجلہ سے کچھ فاصلہ پر دفن کیا جائے۔ میری قبر میں پانی آ رہا ہے اور جابر کی قبر میں بہت زیادہ نمی آ گئی ہے۔

شاہ فیصل بیدار ہوا تو حکومت کے کاموں میں اس طرح مصروف ہو گیا کہ وہ رات کے خواب کی ہدایات بالکل ہی بھول گیا۔ دوسری رات میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر اسی طرح ہدایت فرمائی مگر اس زمانہ میں ملکی اور سیاسی معاملات میں اس قدر پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی کہ شاہ فیصل جلد مقدس جسموں کو نئی قبروں میں منتقل نہ کر سکے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں عراق کے مفتی اعظم کو اس طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ وہ دو بار شاہ فیصل کو بھی اس کے لئے ہدایت کر چکے ہیں مگر ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوا۔ اس لئے تم شاہ فیصل کے پاس جا کر کہو اور ان کی رائے سے ہمارے جسموں کو مناسب مقام پر منتقل کئے جانے کا انتظام کرو۔

دوسرے دن صبح بیدار ہوتے ہی مفتی اعظم نوری السعید پہلے وزیر اعظم عراق کے پاس پہنچے اور ان کو ساتھ لے کر شاہ فیصل کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے ان کی تائید کی اور کہا بیشک مسلسل دو رات مجھے اس کی ہدایت کی گئی ہے مگر میں اب تک کچھ تو سیاسی الجھنوں اور کچھ مذہبی پابندیوں کے سبب اس کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ اس کے بعد مفتی اعظم سے کہا گیا کہ اگر آپ اس کے متعلق فتویٰ صادر کریں تو میں فوراً ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقدس جسموں کو مناسب مقام پر دفن کرا کے مزار تعمیر کرنے کا مکمل انتظام کر دوں گا۔

مفتی اعظم نے اپنی آنکھوں سے ان قبروں کو دیکھا' درحقیقت قبروں تک دریائے دجلہ کا پانی پہنچ چکا تھا اور یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ اگر ان مقتدر صحابہ کرام کے مبارک جسموں کو جلد ہی دوسری جگہ منتقل نہ کیا گیا تو ممکن ہے کچھ دنوں بعد دریائے دجلہ کا سیلاب ان کو بہالے جائے۔ اس اندیشہ کے پیش نظر مفتی اعظم نے صحابہ کرام کے جسموں کو دوسرے مقام پر دفن کرنے کا فتویٰ دے دیا اور اخبارات کے ذریعہ اس کا اعلان بھی ہوگیا کہ خاص عیدالاضحیٰ کے دن بعد نماز ظہر مذکورہ صحابیوں کی قبریں کھولی جائیں گی اور ان کے بابرکت جسموں کو ایک دوسری جگہ پر دفن کردیا جائے گا۔

اخبارات میں اعلان چھپتے ہی یہ خبر پوری دنیائے عرب میں پھیل گئی۔ حج کا زمانہ تھا۔ دنیا کے چاروں طرف سے توحید و رسالت کے پروانے فریضہ حج کی ادائیگی اور زیارت روضہ انور کی غرض سے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں حاضر تھے لیکن چونکہ خاص عیدالاضحیٰ کے دن صحابہ کے جسموں کو منتقل کیا جانے والا تھا اس لئے جو لوگ حج کرنے گئے تھے وہ اس موقع سے شرف اندوز نہیں ہوسکتے تھے تو شاہ عراق سے درخواست کی گئی کہ ان دونوں صحابیوں کی قبروں سے ان کے جسموں کو اس وقت نکالا جائے جب حج کا زمانہ گزر جائے تاکہ تمام ملکوں کے مسلمان اس سعادت میں حصہ لے سکیں۔

شاہ نے تاریخ کی تبدیلی منظور کرلی اور یہ اعلان کردیا گیا کہ مقدس جسموں کو منتقل کرنے کا کام ۲۰ ذی الحجہ کو انجام دیا جائے گا اور ساتھ ہی ایسا انتظام کردیا گیا کہ دریائے دجلہ کا پانی ان قبروں کو کوئی مزید نقصان نہ پہنچا سکے۔ حسب اعلان ۲۰ ذی الحجہ کی صبح ہی کو لاکھوں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں کے گرد ہوگیا۔ ان تمام مسلمانوں کی موجودگی میں جب دونوں صحابیوں کی قبریں کھولی گئیں تو واقعی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر شریف میں پانی آرہا تھا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک میں بھی غیر معمولی نمی دیکھی گئی۔

جب قبروں سے مقدس جسم نکالے گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ تیرہ سو سال کی لمبی مدت گزر جانے کے باوجود بھی جسم بالکل تروتازہ ہیں اور عجیب و غریب خوشبو سے مہک رہے

ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بزرگوں کو وصال فرمائے ہوئے شاید مشکل سے چند گھنٹے ہوئے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر ایسا نور پھیلا ہوا تھا کہ دیکھنے سے قلب ونظر کو سرور حاصل ہوتا تھا اور ان پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی یہاں تک کہ کفن کا کپڑا ابھی بالکل تازہ معلوم ہوتا تھا اور ریش مبارک (داڑھی) کے بال بالکل سلامت تھے۔

اور ایک بات یہ بھی نہایت عجیب ہوئی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو اٹھانے کے لئے سٹریچر کو سامنے لایا گیا تو کسی کو ہاتھ لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ وہ خود بخود سٹریچر پر آ گیا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک بھی ایسے ہی آ گیا ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ ان دونوں جسموں کو اس کے بعد دو شیشے کے تابوتوں میں رکھ دیا گیا اور پھر بڑی احتیاط کے ساتھ نئے مزارات میں دفن کر دیا گیا۔

اس موقع پر شاہ فیصل اول، مفتی اعظم، وزیر اعظم اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے امراء وسفراء بھی موجود تھے۔ جب یہ واقعہ اخبارات کے صفحات پر آیا تو ساری دنیا کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑی کہ اللہ کے محبوب بندے بعد وصال بھی زندہ رہتے ہیں۔

آسی شہید عشق ہوں مردہ نہ جانیو
مر کر ملی ہے زندگیٔ جاوداں مجھے

وصلی اللّٰہ تبارك و تعالٰی وسلم علٰی سیّدنا محمد
وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وشھدآء ملتہٖ واولیآءِ امتہٖ اجمعین۔

وصال رسولِ اکرم ﷺ

الحمد للّٰہ رب العالمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔ اما بعد! فقدقال اللّٰہ تعالیٰ فی القراٰن المجید والفرقان الحمید اعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○(پ۴ع۶) صدق اللّٰہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العالمین ۔

ایک بار آپ تمام حضرات ساری کائنات کے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

جب کوئی شخص کسی مقصد اور کسی غرض سے اپنا مرکز چھوڑ کر دوسرے مقام پر جاتا ہے تو مقصد پورا ہو جانے اور مطلب حل ہو جانے کے بعد وہ اپنے مرکز اصلی کی طرف واپس ہو جاتا ہے۔ ہمارے اور آپ کے پیارے نبی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد تھا دین اسلام کے احکام خدا کے بندوں تک پہنچانا اور ان کو توحید

پرست بنا کران کے نفوس کا مکمل تزکیہ فرمانا۔

جب آپ کا مقصد پورا ہو گیا اور خدائے عزوجل نے آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (پ۶ع۵) نازل فرما کر آپ کے دین کے کامل ہونے کی خوشخبری سنائی اور اپنی نعمتیں آپ پر پوری فرما دیں تو آپ کے اپنے مرکز اصلی مقام قدس کی طرف جانے کا وقت قریب آ گیا جس کا علم آپ کو بہت پہلے سے تھا اسی لئے حَجَّةُ الْوَدَاع کے موقع پر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ''شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کرسکوں۔''

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی لخت جگر نور نظر صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا نُعِیَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ یعنی مجھ کو میرے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں حضور انور ﷺ نے فرمایا: لَا تَبْکِیْ فَاِنَّکَ اَوَّلُ اَھْلِیْ لَاحِقٌ بِیْ۔ یعنی اے فاطمہ روؤ نہیں' میرے اہل بیت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرو گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ازواج مطہرات میں سے بعض بیویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ پہلے ہم نے آپ کو روتے دیکھا اور پھر ہنستے دیکھا۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور انور ﷺ نے مجھ کو بتایا کہ آپ کو آپ کے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے فرمایا روؤ نہیں۔ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے ملے گی۔ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

دارمی شریف کی حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس علالت میں کہ جس میں آپ نے وصال فرمایا گھر سے باہر تشریف لائے۔ اس حال میں کہ اپنے سر پر کپڑا باندھے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اس وقت مسجد میں تھے۔ حضور انور ﷺ مسجد میں داخل ہو کر منبر کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے ایک خطبہ دیا اور

فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَی الْحَوْضِ مِنْ مَّقَامِیْ ھٰذَا۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اس منبر پر بیٹھے ہوئے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں پھر فرمایا خدا کا ایک بندہ ہے جس کے سامنے دنیا اور دنیا کی زینت پیش کی گئی مگر اس نے آخرت کو اختیار کر لیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان ہو جائیں۔ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر بہت متعجب ہوئے کہ وہ ایسا کیوں فرما رہے ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس بوڑھے کو دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ تو ایک بندہ کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ جس کو خدائے عزوجل نے دنیا کی تروتازگی اور آخرت کے درمیان اختیار دیا ہے اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں لیکن رازدار نبوت فوراً سمجھ گیا تھا کہ وہ بندہ خود حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔

اصدق الصادقیں سید المتقیں
رازدار نبوت پہ لاکھوں سلام

شہدائے اُحد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمایا:

بخاری اور مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اقدس ﷺ نے شہدائے اُحد پر آٹھ برس کے بعد نماز جنازہ پڑھی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حضور انور ﷺ یا شہدائے اُحد کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ نے آٹھ برس کے بعد ان پر نماز جنازہ پڑھی گویا آپ زندوں اور مردوں کو رخصت فرما رہے ہیں۔ شہدائے اُحد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمانے کے بعد لوٹے تو منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا میں تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میں تم لوگوں کے دعوتِ اسلام کے قبول کرنے اور اطاعت و فرمانبرداری کے بجالانے پر گواہ ہوں اور تم سے ہماری ملاقات کا مقام حوض کوثر ہے اور میں اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور فرمایا: اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ یعنی بیشک مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

آخری وصیت:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ سرکارِ اقدس ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے بلال! جا کر اعلان کر دو کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ میں ان کو وصیت کروں گا اور کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ آخری وصیت ہوگی۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف کے بازاروں اور گلیوں میں اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت سننے کے لئے مسجد نبوی میں سب لوگ حاضر ہو جائیں تو اس اعلان کو سن کر لوگ اس قدر گھبرا گئے کہ دکانوں اور گھروں کو ایسے ہی کھلے ہوئے چھوڑ کر مسجد میں حاضر ہو گئے۔ اور اتنے لوگ جمع ہوئے کہ مسجد نبوی میں گنجائش نہ رہی۔ حضور انور ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور طویل خطبہ فرمایا جو وقت اور حال کے مناسب نصیحت اور احکام شرع پر مشتمل تھا اور فرمایا کہ اے لوگو! میرا سفر آخرت قریب ہے۔ جان و مال اور سامان وغیرہ کا کوئی بھی حق کسی شخص کا مجھ پر ہو تو اس کا بدلہ آج مجھ سے لے لے۔ (مدارج النبوۃ)

نبی کریم ﷺ کا یہ اعلان اس لئے تھا تا کہ حقوق العباد کی اہمیت و ضرورت ان کی امت پر اچھی طرح واضح ہو جائے اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی سے ہمیشہ دور رہے۔

حقوق کی تفصیل:

برادرانِ ملت! حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ پھر حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اگر ان کے بارے میں بندہ سے قصور واقع ہوا تو وہ صرف توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں جیسے کہ شہر میں جمعہ اور عیدین کی نماز کے چھوٹ جانے کے گناہ یا شراب پینے اور ناچ وغیرہ دیکھنے کے گناہ۔ اور دوسرے وہ جو صرف توبہ سے نہیں معاف ہو سکتے جیسے نماز نہ پڑھنے، روزہ نہ رکھنے، زکوٰۃ و فطرہ نہ ادا کرنے اور حج و قربانی وغیرہ نہ کرنے کے گناہ کہ ان کے معاف ہونے کی صورت صرف توبہ نہیں ہے بلکہ چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزوں کی قضا کرے۔ جتنے سالوں کی زکوٰۃ اور فطرہ نہ دیا ہو اب ادا

کرے، صاحب نصاب ہو کر جتنے سال قربانی نہ کی ہو ہر سال کے بدلے ایک بکرا کی قیمت صدقہ کرے، خود حج نہ کر سکتا ہو تو حج بدل کرائے، مال نہ رہ گیا ہو تو حج بدل کرانے کی وصیت کرے اور توبہ کرے تو معاف ہو سکتے ہیں یعنی توبہ کے ساتھ ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے کہ یہ چیزیں صرف توبہ سے نہیں معاف ہو سکتیں۔

اور رہے حقوق العباد۔ یعنی بندوں کے حقوق تو وہ حقوق اللہ کی دوسری قسم سے بھی اہم ہیں۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اگر وہ چاہے تو اپنے ہر قسم کے حقوق معاف کردے لیکن وہ کسی بندہ کا حق ہرگز نہیں معاف کرے گا جب تک کہ وہ بندہ نہ معاف کردے کہ جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔ اسی لئے سرکارِ اقدس ﷺ نے آخری وصیت میں خاص طور پر اس کی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور زمانہ صحت میں بھی ہمیشہ اس کی تاکید فرماتے رہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِس ؟ یعنی کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس اور کنگال کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں دراصل مفلس وہ شخص ہے کہ جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ لے کر اس حال میں آئے گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھالیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اب ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے اس شخص کی نیکیاں ان مظلوموں کے درمیان تقسیم کی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جانے کے بعد بھی لوگوں کے حقوق اس پر باقی رہ جائیں گے تو اب حق داروں کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

بیشک میرے سرکار نے صحیح فرمایا:

حقیقت میں مفلس اور غریب وہی شخص ہے کہ جس کے پاس قیامت کے دن نیکیاں نہیں ہوں گی۔ یا وہ بہت سی نیکیاں لے کر آئے گا مگر حقوق العباد میں گرفتار ہوگا۔ ماں باپ کو ستایا ہوگا، پڑوسی کو تکلیف دی ہوگی، بھائی کا حق مار لیا ہوگا، ماں باپ کے مرنے پر بہن کا

حق نہیں دیا ہوگا یا دادا کے انتقال پر پھوپھی کا حق غصب کرلیا ہوگا تو قیامت کے دن اس کی ساری نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جس کی اس نے حق تلفی کی ہوگی یہاں تک کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہ جائے گی تو حقیقت میں غریب وہی شخص ہے اس لئے کہ دنیا کا غریب۔ اگر اس کے پاس کھانا نہ ہو تو مانگنے سے کہیں کھانا مل جائے گا۔ کپڑا نہ ہو تو وہ بھی کہیں سے پا جائے گا۔ سردی میں رضائی یا کمبل نہ ہو تو کسی کو رحم آ جائے گا وہ بھی حاصل ہو جائے گا اور رہنے کے لئے گھر نہ ہو تو سر چھپانے کے لئے کہیں کوئی جگہ مل ہی جائے گی لیکن قیامت کے دن جب نیکیاں نہیں ہوں گی تو وہ کہیں سے نہیں ملیں گی۔ پ ۲۱ ع ۱۳ میں ارشاد خداوندی ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا

یعنی اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کام والا بچہ اپنے باپ کو کچھ فائدہ پہنچائے گا۔

اور پ ۳۰ سورۂ عبس میں ارشاد رب ذوالجلال ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ○ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ○ یعنی قیامت کا دن وہ ہولناک دن ہوگا کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنے ماں باپ سے بھاگے گا یہاں تک کہ اپنی بیوی اور بیٹوں سے بھی راہ فرار اختیار کرے گا ان میں سے ہر ایک کو اس دن اپنی نجات کی ایک فکر ہوگی کہ وہی اس کے لئے بس ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی کی مدد کرنے اور نیکی دینے کو تیار نہ ہوگا تو حقیقت میں غریب وہی شخص ہے کہ جس کے پاس قیامت کے دن نیکیاں نہ رہیں گی۔ (درود شریف)

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حج کرنے سے چھوٹے بڑے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ زندگی بھر نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، دوسرے کی زمینوں، دکانوں اور جائیدادوں پر ناجائز قبضہ کر لیتے ہیں۔ غلط کاموں میں

پوری زندگی گزارتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ مرنے کا وقت آ گیا تو حج کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سارے گناہ معاف ہو گئے اور ہم ایسے ہو گئے جیسے کہ ابھی اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔

تو اے مسلمانو! اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے رسالہ مبارکہ **اعجب الامداد** میں اس مسئلہ کی نفیس تحقیق فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ حج سے گناہوں کی معافی کا مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کیا اور اس میں لڑائی جھگڑا نیز ہر قسم کے گناہ اور نافرمانی سے بچا پھر حج کے بعد فوراً مر گیا اتنی مہلت نہ ملی کہ جو حقوق اللہ یا حقوق العباد اس کے ذمہ تھے انہیں ادا کرتا یا ادا کرنے کی فکر کرتا تو حج قبول ہونے کی صورت میں امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام حقوق کو معاف فرمادے اور حقوق العباد کو اپنے ذمہ کرم پر لے کر حق والوں کو قیامت کے دن راضی کرے اور خصومت سے نجات بخشے اور اگر حج کے بعد زندہ رہا اور حتی الامکان حقوق کا تدارک کر لیا یعنی سالہائے گزشتہ کی باقی زکوٰۃ ادا کر دی، چھوٹی ہوئی نماز اور روزہ کی قضا کی جس کا حق مار لیا تھا اس کو یا مرنے کے بعد اس کے وارثین کو دے دیا' جسے تکلیف پہنچائی تھی معاف کرالیا' جو صاحب حق نہ رہا اس کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ادا کرتے کرتے کچھ رہ گیا تو موت کے وقت اپنے مال میں سے ان کی ادائیگی کی وصیت کر گیا۔ خلاصہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے چھٹکارے کی ہر ممکن کوشش کی تو اس کے لئے بخشش کی اور زیادہ امید ہے۔ ہاں اگر حج کے بعد قدرت ہونے کے باوجود ان امور سے غفلت برتی انہیں ادا نہ کیا تو یہ سب گناہ از سرِ نو اس کے ذمہ ہوں گے۔ اس لئے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد تو باقی ہی تھے۔ ان کی ادائیگی میں تاخیر کرنا پھر تازہ گناہ ہوا جس کے ازالہ کے لئے وہ حج کافی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حج گزرے ہوئے گناہوں یعنی وقت پر نماز اور روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کی تقصیر کو دھوتا ہے۔ حج سے قضا شدہ نماز اور روزہ ہرگز نہیں معاف ہوتے

اور نہ آئندہ کے لئے پروانہ آزادی ملتا ہے۔ انتہیٰ کلامہ

اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی میں دیر لگانا اور نماز وزکوٰۃ وغیرہ کو ادا کرنے میں تاخیر کرنا چونکہ یہ حقوق اللہ میں سے ہیں۔ اس لئے فقط تاخیر کا گناہ جو ماضی میں ہو چکا وہ معاف ہو جائے گا لیکن اصل قرض، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ فرائض کی ادائیگی میں جو آئندہ تاخیر ہوگی وہ معاف نہیں ہوگی اور علامہ شامی بحرالرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حج جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرض کی ادائیگی اور صوم وصلوٰۃ کی قضا اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا وہم ہے اس لئے کہ امت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ پھر علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حج ان کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جو حقوق اللہ ہیں تو پھر بھلا حج حقوق العباد کا کفارہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہم سب کو پورے طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق رفیق بخشے اور دنیا و آخرت میں ہمیں مفلسی کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(درود شریف)

شیخ محقق لکھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے آخری وصیت کے خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! جس شخص پر کوئی حق ہو اسے چاہئے کہ وہ ادا کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ رسوائی ہوگی اس لئے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت آسان ہے۔ آپ کے اس اعلان پر ایک صحابی اٹھے اور انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی اور اس میں سے تین درہم لے لیے تھے۔ حضور انور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کس چیز نے تم کو خیانت کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے تین درہم کی ضرورت تھی۔ حضور انور ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان سے تین درہم لے لو۔ (مدارج النبوۃ)

کتنے اچھے تھے وہ کہ انہوں نے آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لئے بھرے مجمع میں

دنیا کی رسوائی اختیار کی، اپنی خیانت کا اعلان کر دیا اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لئے دنیا کی رسوائی میں کوئی عار نہیں محسوس کی۔ دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال ہم سب کو حضور اور ان کے صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کا پورا جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ (درود شریف)

علالت کی ابتداء:

رآنحضور ﷺ کے مرض وفات کی ابتداء کب ہوئی۔ اس کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب ماہ صفر کے ختم ہونے میں ایک یا دو روز باقی رہ گئے تھے تب علالت کی ابتداء ہوئی یعنی سر میں درد پیدا ہوا اور حضرت سلیمان تیمی جو کہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں انہوں نے اس بات پر جزم کیا ہے کہ ۲۲ صفر کو مزاج مبارک ناساز ہوا۔ (اشعۃ اللمعات)

مزاج اقدس کی ناسازی کے زمانہ میں بھی آپ پانچ دن تک از راہ عدل باری باری ایک ایک زوجہ محترمہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں بہت شدت پیدا ہوگئی تو ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں قیام فرمایا اور جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھانے کے لئے تشریف لاتے رہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے مرض نے جب غلبہ کیا تو آپ نے فرمایا مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ نرم دل آدمی ہیں۔ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ دوبارہ فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی عذر پیش کیا تو حضور نے تیسری بار پھر وہی حکم بتاکید فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ حضور انور ﷺ کی حیات ظاہری میں انہوں نے کل ۱۷ نمازیں پڑھائیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بہت واضح دلالت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطلقاً تمام صحابہ سے

افضل اور خلافت و امامت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

حدیث قرطاس:

بخاری و مسلم میں ہے کہ وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب سرکارِ اقدس ﷺ کا درد بہت بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم نہ بھکو تو صحابہ میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے۔ تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے۔ بعض لوگ کہتے تھے حضور کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو۔ اور کئی لوگوں نے کہا مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ یعنی حضور کا کیا حال ہے؟ کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا؟ آپ سے دریافت کرو۔ بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور انور ﷺ خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور انور ﷺ نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف جلد دوم ص ۲۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور انور نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا اور پھر اگر خلافت کے لئے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لئے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا۔[1]

---

[1] اس مسئلہ کے بارے میں ہمارا رسالہ "باغ فدک اور حدیث قرطاس" دیکھیں۔ (الامجدی)

بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ کھڑے ہوئے اور حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے جب انہوں نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ نہ ہٹو۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے یعنی ان کو اپنے داہنے کیا اور اس طرح آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر دوسرے لوگ نماز کے ارکان ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے صحابہ کرام کو بہت سی وصیتیں فرمائیں۔

حدیث شریف میں ہے جبکہ آپ کی علالت بہت سخت ہو چکی تھی آپ کو یاد آیا کہ میری ملکیت میں چھ سات اشرفیاں ہیں۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور نے خود ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا کہ اللہ کا نبی خدا تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ دوشنبہ کے روز جس دن آپ کی وفات ہوئی صبح کے وقت آپ کی طبیعت بظاہر پرسکون تھی مگر دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے حضور میرے سینے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر اس حال میں آئے کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ آپ مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا میں عبدالرحمٰن سے آپ کے لئے مسواک لے لوں۔ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا کہ ہاں لے لو۔ میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر آپ کو دے دی مگر آپ کو اس مسواک کا چبانا دشوار معلوم ہوا اس لئے کہ وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کیا۔ کیا میں

مسواک کو نرم کر دوں۔ آپ نے اجازت دے دی تو میں نے مسواک کو نرم کر دیا اور آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا۔ (درود شریف)

آپ کے سفر آخرت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سانس کی گھر گھراہٹ سینہ میں محسوس ہوتی تھی۔ اسی درمیان میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی نماز اور غلام و باندی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ وفات کے دن حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ ایک فرشتہ اور تھا جو ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا افسر تھا جن میں سے ہر ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا افسر تھا۔ اس فرشتہ نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ حضور انور ﷺ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ موت کا فرشتہ ہے۔ حاضری کی اجازت چاہتا ہے اور آج سے پہلے نہ تو اس نے کسی سے اجازت طلب کی ہے اور نہ آئندہ اس کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو بلا لو۔ تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اسے بلایا۔ اس نے حاضر ہو کر سلام کیا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خدائے تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں آپ کی روح کو قبض کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا کیا تو میری مرضی کے مطابق عمل کرے گا۔ موت کے فرشتہ نے عرض کیا ہاں مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ فرمائیں میں اسی کے مطابق عمل کروں۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر حضور انور ﷺ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اِنَّ اللہَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَآئِکَ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ تو حضور انور ﷺ نے موت کے فرشتہ سے فرمایا کہ جس بات کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کر۔

بخاری اور مسلم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب موت کا فرشتہ حاضر ہوا اس وقت حضور کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہوئی پھر ہوش آیا تو

آپ چھت کی طرف دیکھنے لگے اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ عین وصال کے وقت حضور انور ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور قریب میں پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے اور ان کو چہرے پر پھیر لیتے۔ اور فرماتے تھے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ اور موت کے وقت سختیاں ہیں پھر حضور ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرمانے لگے فِی الـرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ یعنی اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں کر دے۔ یا یہ مطلب تھا کہ میں رفیق اعلیٰ میں آنا چاہتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اِخْتَـرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی یعنی میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا۔ (اشعۃ اللمعات) یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک گئے اور روح قدسی عالم قدس میں پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (درود شریف)

وصال کا اثر:

برادرانِ اسلام: سرکارِ اقدس ﷺ کی وفات حسرت آیات سے اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جو صدمہ جانکاہ پہنچا وہ بیان سے باہر ہے۔ لوگ حضور کی محبت میں ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کریں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہوگئی کہ ان پر سکتہ طاری ہوگیا بولنے کی طاقت نہیں رہ گئی۔ حالت بے قراری میں ادھر سے ادھر آتے جاتے تھے مگر کسی سے کچھ کہتے نہیں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر غم سے نڈھال ہوگئے کہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہوا کہ وہ ننگی تلوار لے کر مدینہ شریف کے بازار اور گلیوں میں گھومتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کہے گا کہ حضور کی وفات ہوگئی میں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کے وقت اپنے گھر تھے۔ جب یہ خبر سنی تو روتے ہوئے اور وا محمداہ کے نعرے لگاتے ہوئے مسجد شریف میں حاضر ہوئے دیکھا کہ صحابہ کرام حیران و پریشان ہیں۔ آپ نے کسی سے بات نہیں کی اور نہ کسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ سیدھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں پہنچے۔ حضور انور ﷺ کے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی اور پیشانی انور کو بوسہ دیا۔ روتے ہوئے باہر نکلے۔ خدائے

تعالیٰ کا ان پر یہ خاص فضل ہوا کہ حضور سے انتہائی محبت کے باوجود ان کے ہوش وحواس بجا رہے۔ آپ مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نہیں بیٹھیں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ دینا شروع کیا۔

فرمایا اے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ ان کا وصال ہو گیا اور جو خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ خدا زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا اس پر کبھی موت نہیں طاری ہو سکتی پھر آپ نے وہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس کے پڑھنے کا شرف ہم ابتدائے تقریر میں حاصل کر چکے ہیں: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے: اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو صلہ عطا فرمائے گا' یعنی جو اپنے دین پر ثابت رہیں گے اور نہیں پھریں گے وہ گروہ شاکرین میں سے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمانے سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوئی اس آیت کریمہ کو جانتا ہی نہ تھا۔ ان سے سن کر اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا اور مدارج النبوۃ میں ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے یہ آیت کریمہ سنی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس سے پہلے میں نے اس آیت کریمہ کو سنا ہی نہ تھا۔ سننے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اس یقین کے بعد میرے بدن میں لرزہ پیدا ہوا اور میں زمین پر گر پڑا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ گویا ہماری نگاہوں پر پردہ

پڑا ہوا تھا جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اٹھا دیا۔ ان سے سن کر اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا جس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہو گیا۔ (درود شریف)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کی آیت کریمہ پڑھ کر سنائی تو اگرچہ اس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہو گیا لیکن اب اتنا وقت نہیں باقی رہ گیا تھا کہ اسی روز تجہیز و تکفین ہو سکے اس لئے دوسرے روز سہ شنبہ (منگل) کو یہ کام انجام پایا۔

تجہیز و تکفین:

مدارج النبوۃ میں ہے کہ وصیت کے مطابق جب عزیز و اقارب نے حضور نبی کریم ﷺ کو وفات کے بعد غسل دینا چاہا تو آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو غسل نہ دو کہ وہ پاک و صاف ہیں۔ انہیں غسل کی حاجت نہیں۔ آواز کس نے دی اور کدھر سے آئی؟ لوگوں نے بہت چھان بین کی مگر کچھ پتا نہیں چلا۔ معلوم ہوا کہ غیب سے آواز آئی ہے تو بعض لوگوں نے چاہا کہ غیبی آواز پر عمل کیا جائے اور غسل نہ دیا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی آواز کے سبب کہ جس کی حقیقت سے ہم واقف نہیں ہیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور کہنے والا کون ہے۔ ہم اسلام کے طریقہ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ہم غسل ضرور دیں گے۔ اتنے میں پھر دوسری غیبی آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو غسل دیا جائے۔ پہلی آواز ابلیس کی تھی اور میں خضر ہوں۔

حضرت خضر علیہ السلام کی آواز کے بعد جب لوگوں نے غسل کا ارادہ کیا تو پھر ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو ان کے پیراہن مبارک میں غسل دیا جائے یا دوسرے لوگوں کی طرح برہنہ کر کے نہلایا جائے؟ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا کہ ایک طرف سے پھر غیبی آواز آئی۔ اللہ کے رسول کو برہنہ مت کرو۔ ان کو انہی کے پیراہن مبارک میں غسل دو۔ اب حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مل جل کر آپ کو غسل دیا اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ غسل کے بعد حضور انور ﷺ کی ناف مبارک اور پلکوں پر پانی کے جو قطرے اور تری رہ گئی تھی جوش عقیدت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو

اپنی زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ اس کی برکت سے میرا علم اور قوت حافظہ بہت بڑھ گئی۔

اشعۃ اللمعات میں ہے غسل کے بعد حضور پُرنور ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا جو یمن کے ایک گاؤں ''سحول'' کے بنے ہوئے تھے۔

قبر شریف:

سرکارِ اقدس ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے اس کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا۔ ایک جماعت نے کہا کہ اسی حجرہ مبارکہ میں دفن کیا جائے جہاں آپ کی وفات ہوئی ہے اور ایک گروہ نے مشورہ دیا کہ مسجد نبوی آپ کا مدفن ہونا چاہئے۔ بعض صحابہ نے رائے دی کہ جنت البقیع جو مدینہ شریف کا عام قبرستان ہے اس میں دفن کیا جائے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ بیت المقدس میں آپ کی قبر ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ وہاں بہت سے انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نبی وہیں دفن کیا گیا ہے کہ جہاں اس کی وفات ہوئی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس جگہ سے بڑھ کر کوئی جگہ عظمت اور بزرگی والی نہیں ہے کہ جہاں اللہ کے رسول کا وصال ہوا ہے۔ اس گفتگو کے بعد تمام صحابہ کرام حجرۂ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں حضور کو دفن کرنے پر متفق ہو گئے اور وہی جگہ قبر شریف کے لئے متعین ہو گئی۔ (درود شریف)

مشکوٰۃ شریف میں ہے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں دو آدمی قبر کھودا کرتے تھے۔ ایک ان میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو مدینہ شریف کے رواج کے مطابق لحد یعنی بغلی قبر کھودا کرتے تھے اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے جو بغلی نہیں کھودتے تھے بلکہ شق یعنی صندوقی قبر بناتے تھے۔ حضور انور ﷺ کے وصال پر صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کس طرح کی قبر کھودی جائے تو لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو ان میں سے پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی یا الٰہ العالمین! قبر کے بارے

میں اپنے پیارے رسول ﷺ کے لئے وہ صورت اختیار فرما جو تجھے محبوب و پسندیدہ ہو۔
اور قبر کھودنے والوں کے پاس بلانے کے لئے آدمی بھیجے گئے تو پہلے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آئے جو لحد کھودا کرتے تھے تو انہوں نے سرکارِ اقدس ﷺ کے لئے بغلی قبر تیار کی۔

نمازِ جنازہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں تحریر فرماتے ہیں کہ
حضور ﷺ کے جنازہ اقدس پر نماز کے بارے میں فقہائے کرام کی مختلف رائیں ہیں۔
بہت سے علماء عام لوگوں کی نماز جنازہ کی طرح مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر جب تک بیعت نہ ہوئی تھی لوگ فوج در فوج حجرۂ مبارکہ میں آتے اور جنازۂ اقدس پر نماز پڑھتے جاتے جب بیعت ہوگئی تو ولی شرع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے۔ انہوں نے جنازہ مبارکہ پر نماز پڑھی پھر ان کے بعد کسی نے نہیں پڑھی کہ ولی کے پڑھنے کے بعد پھر کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہوتا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز جنازہ عام طور پر ہوتی ہے حضور انور ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلوٰۃ وسلام عرض کرتے جس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور طبرانی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے حضرت جبریل امین علیہ السلام مجھ پر صلوٰۃ کریں گے پھر حضرت میکائیل علیہ السلام پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ اور پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔ انتہیٰ کلامہ
جس حجرہ مبارکہ میں وصال ہوا غسل وکفن کے بعد آپ کو وہیں رکھا گیا۔ لوگ ہر چہار طرف سے نماز جنازہ کے لئے ٹوٹ پڑے لیکن چونکہ حجرہ مبارکہ میں جگہ کم تھی اس لئے تھوڑے تھوڑے کرکے پہلے مرد لوگ حاضر ہوئے پھر عورتیں اور پھر بچے۔ اس سبب سے بھی

دفن میں تاخیر ہوئی جس کو بعض نا سمجھ دوسری غلط باتوں پر محمول کرتے ہیں۔

بہر حال سب لوگ جب نماز جنازہ یا درود و سلام پڑھ چکے تو حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں اتار کر قبلہ رو داہنے پہلو پر لٹایا اور بعض حدیث شریف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بھی آپ کی قبر مبارک میں اترے تھے۔

رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ:

مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ کی قبر مبارک سے جو آخر میں نکلے وہ قثم بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی جب آخری زیارت ہم نے کی تو دیکھا کہ آپ کے لبہائے مبارک ہل رہے ہیں۔ ہم نے اپنا کان قریب کر دیا تو سنا کہ حضور رب امتی امتی فرما رہے ہیں۔

برادرانِ اسلام: قربان جایئے اپنے مہربان آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ وہ ہمیشہ ہم گنہگاروں کی فکر میں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امت کے گناہوں کے غم سے حضور کبھی پوری ایک رات بستر پر آرام سے نہیں سوئے اور کبھی ایسا ہوتا کہ رات رات بھر ہم لوگوں کے لئے خدائے تعالیٰ سے دعائیں مانگتے اور بخشش کے انتظار میں روتے رہتے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

اشک شب بھر انتظارِ عفوِ امت میں بہیں
میں فدا اور چاندیوں اختر شماری واہ واہ

اور ایک شاعر یوں کہتا ہے:

تمہارے ہی لئے تھا اے گنہگار و سیہ کا رو!
وہ شب بھر جاگنا اور رات بھر رونا محمد کا (صلی اللہ علیہ وسلم)

اگر کالی گھٹا چھا جاتی تو ہمارے مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو جاتے۔ کبھی حجرہ مبارکہ

میں آتے اور کبھی مسجد میں پہنچ کرامت کی حفاظت کے لئے دعا فرماتے۔ اگر آندھی آتی تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوجاتے۔ دیر تک سر نہ اٹھاتے۔ عذاب سے مامون رہنے کی خدائے تعالٰی سے دعائیں کرتے اور اس قدر روتے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوجاتی۔ غرضکہ ہمیشہ ہماری فکر میں رہے کبھی ہم کو فراموش نہیں فرمایا۔ اپنے حجرہ مبارکہ میں رہے تو وہاں یاد فرمایا۔ مسجد میں تشریف لائے تو وہاں یاد فرمایا۔ جنگل و بیابان میں یاد فرمایا۔ پہاڑ کی گھاٹیوں میں یاد فرمایا۔ یہاں تک کہ قبر انور میں لٹائے گئے تو وہاں بھی یاد فرمایا۔

اے خدائے ذوالجلال! ہم گنہگاروں کی طرف سے ہمارے مہربان آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور فرما اور قیامت کے دن ہم سب کو ان کی شفاعت نصیب فرما کر جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما اور جنت الفردوس میں بہترین جگہ عنایت فرما ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال دوشنبہ مبارکہ کو ہوا اور سہ شنبہ یعنی منگل کا دن گذار کر رات میں صحابہ کرام آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب سرکارِ اقدس ﷺ کو دفن کردیا گیا اس کے بعد صحابہ کرام حضرت فاطمہ کے پاس بطور تعزیت آئے تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انس! اور اے صحابہ! تم کو یہ کیسے گوارا ہوا کہ تم نے اللہ کے رسول پر مٹی ڈال دی۔ صحابہ نے کہا اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! ہم بھی یہی سوچتے تھے کہ حضور انور ﷺ پر کیسے مٹی ڈالیں لیکن اللہ کے فیصلہ اور شریعت کے حکم سے کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لئے مجبوراً ہم کو ایسا کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کی جدائی میں سب لوگ زار و قطار روئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم:

برادرانِ ملت! رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اثر یوں تو ہر مسلمان پر بہت ہوا کہ ایسا مصیبت کا دن انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حدیث شریف میں ہے صحابہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور انور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس سے اچھا اور پر مسرت دن ہم نے

مدینہ شریف میں کبھی نہیں دیکھا کہ اس شہر مبارک کی ہر چیز روشن اور تابناک ہوگئی اور جس دن کو حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ المناک اور برا دن ہم نے مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں دیکھا کہ سب چیزوں پر تاریکی چھاگئی۔ ہر گھر سے رونے اور گریہ وزاری کرنے کی آواز آتی تھی۔ پورا مدینہ شریف ماتم کدہ بنا ہوا تھا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا کہ ان کا حجرہ مبارکہ جس میں حضور انور ﷺ کا وصال ہوا تھا دفن کے بعد وہ بَیْتُ الْحُزْنِ وَالْفِرَاق ہوگیا تھا کہ شب و روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھی رویا کرتی تھیں اور خاص کر حضور انور ﷺ کی لختِ جگر نور نظر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بے انتہا غم ہوا کہ وہ رات بھر اور دن بھر حضور ﷺ کی جدائی میں آنسو بہایا کرتیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کے وصال فرمانے کے بعد کبھی کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ (درود شریف)

مدارج النبوۃ میں ہے کہ دفن کے بعد حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے سرہانے حاضر ہوئیں۔ مزار مبارک سے تھوڑی مٹی اٹھا کر آنسوؤں سے بھری ہوئی اپنی آنکھوں پر رکھا اور فرمایا:

مَـاذَا عَـلٰـی مَـنْ شَـمَّ تُـرْبَةَ اَحْـمَـدَ
اَنْ لَّا يَشُـمَّ مَـدَى الـزَّمَـانِ غَـوَالِـيَا

یعنی ”کیا حرج ہے کہ جو شخص حضور انور ﷺ کی قبر مبارک کو سونگھ لے تو وہ کبھی کسی بیش قیمت خوشبو کو نہ سونگھے“۔

مطلب یہ ہے کہ حضور کی تربت انور سے ایسی خوشبو آرہی ہے کہ جو شخص اسے سونگھ لے تو پھر کسی دوسری خوشبو کو سونگھنے کی اسے حاجت نہیں۔

اور فرمایا:

صُبَّـتْ عَـلَـیَّ مَـصَـائِبٌ لَـوْ اَنَّـهَـا
صُبَّـتْ عَـلَـی الْاَیَّـامِ صِـرْنَ لَـیَـالِـیَا

یعنی ”مجھ پر ایسی مصیبتیں آ گئیں کہ اگر یہ مصیبتیں روز روشن پر آجائیں تو وہ

مارے غم کے رات بن جائیں" (ایک بار پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیے)

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں:

برادرانِ اسلام! بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور انور ﷺ اب زندہ نہیں بلکہ مر کر مٹی مل گئے۔ جیسا کہ وہابیوں، دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان ص ۴۲ پر لکھا ہے مگر یہ عقیدہ مذہب حق اہلسنت و جماعت کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

حدیث شریف کی معتمد اور مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۱ پر ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔ یعنی سرکارِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے زمین پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا ہے لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۵۷۶ پر اس حدیث شریف کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "پیغمبر خدا زندہ است بہ حقیقت حیات دنیاوی"۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے نبی دنیاوی زندگی کی حقیقت کے ساتھ زندہ ہیں۔

اور مرقاۃ جلد دوم ص ۲۱۲ پر رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ لَا فَرْقَ لَھُمْ فِی الْحَالَیْنِ وَلِذَا قِیْلَ اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ وَلٰکِنْ یَّنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ۔ یعنی انبیائے کرام کی قبل وصال اور بعد وصال کی زندگی میں کوئی فرق نہیں' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ محبوبان خدا مرتے نہیں بلکہ ایک دار سے دوسرے دار یعنی ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

اور حدیث کی اسی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۰ پر ابوداؤد، نسائی، دارمی، بیہقی اور ابن ماجہ یعنی حدیث کی پانچ معتمد کتابوں سے روایت ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ یعنی رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے انبیائے کرام علیہم

الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو زمین پر (کھانا) حرام فرما دیا ہے۔

رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ جلد دوم ص ۲۰۹ پر اسی حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ اَحْیَاءٌ۔ یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور سید المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اوّل ص ۵۷۴ پر اسی حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس رادروے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی چنانکہ شہداء راست'' یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اوران کی زندگی سب مانتے آئے ہیں۔ کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ ان کی زندگی جسمانی حقیقی دنیاوی ہے شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں ہے۔

حضرت شیخ محقق کی اس شرح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ حیات گیارہویں صدی ہجری تک یہ مسئلہ متفق علیہ رہا کہ انبیائے کرام بعد وصال بھی زندہ رہتے ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں یعنی جو لوگ کہ انبیائے کرام کو زندہ نہیں مانتے چاہے وہ دیوبندی ہوں یا وہابی ان کا مذہب اوران کا یہ عقیدہ نیا ہے۔ اہلسنت و جماعت حضور انور ﷺ کے فرمانے کے مطابق ہمیشہ یہی عقیدہ رکھتے رہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور روزی دیئے جاتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اگر بعد وفات زندہ نہ ہوتے اور مر کر مٹی میں مل گئے ہوتے (معاذ اللہ رب العالمین) تو معراج کی رات حضور انور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے بیت المقدس میں کیسے آتے۔ معلوم ہوا کہ بیشک انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں۔ ایک بار ہم سب لوگ مل کر پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔

اور یہ بھی خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ انبیاء کرام کی زندگی جسمانی حقیقی دنیاوی ہے۔ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے

کرام کا ترکہ نہیں تقسیم کیا جاتا اور نہ ان کی بیویاں دوسرے سے نکاح کرسکتی ہیں۔ اور شہیدوں کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور ان کی بیویاں عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہیں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ انبیائے کرام کی زندگی برزخی نہیں ہے بلکہ دنیاوی ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ہم جیسے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں جیسا کہ نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح مع طحطاوی مطبوعہ مصر ص ۴۴۷ میں حضرت شیخ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں وَمِمَّا هُوَ مُقَرَّرٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ يُرْزَقُ مُتَمَتِّعٌ بِجَمِيْعِ الْمَلَا ذِّوَالْعِبَادَاتِ غَيْرَ اَنَّهُ حَجَبَ عَنْ اَبْصَارِ الْقَاصِرِيْنَ عَنْ شَرِيْفِ الْمُقَامَاتِ۔ یعنی یہ بات اربابِ تحقیق کے نزدیک ثابت ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ) زندہ ہیں، ان پر روزی پیش کی جاتی ہے، ساری لذت والی چیزوں کا مزا اور عبادتوں کا سرور پاتے ہیں لیکن جو لوگ کہ بلند درجوں تک پہنچنے سے قاصر ہیں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

اور شہاب العلوم حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد اوّل ص ۱۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں اَلْاَنْبِيَآءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ حَيَاةً حَقِيْقَةً۔ یعنی انبیائے کرام حقیقی زندگی کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۴۸۴) میں تحریر فرماتے ہیں اِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ يُرْزَقُ وَيُسْتَمَدُّ مِنْهُ الْمَدَدُ الْمُطْلَقُ۔ یعنی بیشک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور باحیات ہیں انہیں روزی پیش کی جاتی ہے اور ان سے ہر قسم کی مدد طلب کی جاتی ہے۔

اور سید المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب سلوک اقرب السبل بالتوجه الى سيد الرسل مع اخبار الاخیار مطبوعہ رحیمیہ دیوبند

ص ۱۶۱ میں فرمایا کہ "باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ درعلمائے امت ست یک کس رادریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی ست وبراعمال امت حاضر وناظر ومرطالبان حقیقت راومتوجہان آں حضرت رامفیض ومربی"۔ یعنی علمائے امت میں اتنے اختلافات وکثرت مذاہب کے باوجود کسی شخص کواس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ حیات (دنیاوی) کی حقیقت کے ساتھ قائم اور باقی ہیں۔اس حیات نبوی میں مجاز کی آمیزش اور تاویل کاوہم نہیں ہے اور امت کے اعمال پر حاضروناظر ہیں۔نیز طالبان حقیقت کے لئے اوران لوگوں کے لئے کہ آنحضرت ﷺ کی جانب توجہ رکھتے ہیں حضورانوران کوفیض بخشنے والے اوران کے مربی ہیں۔

اور پارہ ۲۳ آخری رکوع کی آیت کریمہ اِنَّكَ مَيِّتٌ جوحضورانور ﷺ کے لئے موت آنے کاذکرفرمایا گیا ہے تواس سے مراداس عالم دنیا سے منتقل ہونا ہے اوراحادیث کریمہ واقوال ائمہ میں حیات سے بعدوصال کی حقیقی زندگی مراد ہے۔(ایک بارہم سب مل کربلندآواز سے درودشریف پڑھیں۔)

حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واقعات کی روشنی میں

برادرانِ ملت! آقائے عالمیان ﷺ اوردیگرانبیائے کرام بعدوصال زندہ ہیں اس کے بارے میں احادیث کریمہ اورائمہ عظام کے بہت سے اقوال آپ لوگوں نے سن لئے۔ اب ہم چندواقعات بیان کرتے ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح واضح اورروشن ہوجائے گی کہ نبی بعدوصال زندہ رہتا ہے مرتانہیں۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورکتاب وفاء الوفا باخبار دارالمصطفٰی جلداوّل ص ۶۴۶ میں تحریرفرماتے ہیں کہ سلطان نورالدین رحمۃ اللہ علیہ جوعادل بادشاہ اوربڑے متقی تھے ان کی

رات کا بہت سا حصہ تہجد اور وظیفے میں خرچ ہوتا تھا۔ ۵۵۷ھ میں ایک رات جبکہ تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد وہ سوئے تو خواب میں سرکارِ اقدس ﷺ کی زیارت ان کو نصیب ہوئی۔ سرکارِ اقدس نے دو کیری آنکھ والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بادشاہ سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھے وضو کیا اور جب کچھ نوافل پڑھ کر دوبارہ سوئے تو پھر بعینہٖ وہی خواب دیکھا کہ حضور انور فرما رہے ہیں ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ بادشاہ پھر بیدار ہو گئے وضو کیا اور جب تیسری بار کچھ نوافل پڑھ کر سوئے تو پھر وہی خواب دیکھا۔ اٹھ کر فرمایا کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں۔ رات ہی کو فوراً اپنے وزیر کو بلایا جو نیک اور صالح آدمی تھے۔ نام جمال الدین بتایا جاتا ہے۔ ان کو سارا قصہ سنایا۔ وزیر نے کہا اب تاخیر کا موقع نہیں ہے فوراً مدینہ منورہ چلئے مگر اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کیجئے۔ بادشاہ نے فوراً رات ہی کو تیاری کی۔ وزیر اور 20 مخصوص خادموں کو ساتھ لے کر تیز رفتار اونٹنیوں پر بہت سامان اور مال و متاع لدوا کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے اور دن رات چلتے رہے یہاں تک کہ سولہویں روز مصر سے مدینہ طیبہ پہنچے۔ شہر سے باہر غسل کیا اور نہایت ادب و احترام سے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ جنت کی کیاری میں دو رکعت نماز نفل پڑھی اور حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کیا پھر نہایت متفکر ہو کر بیٹھے سوچتے رہے کہ اب کیا کریں۔ وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ نورالدین زیارت کے لئے آئے ہیں اور بہت سا مال اپنے ہمراہ یہاں کے لوگوں پر تقسیم کرنے کے لئے لائے ہیں لہٰذا سب لوگ ان سے ملاقات کریں۔ اس اعلان کے بعد لوگوں کی آمد شروع ہو گئی۔ بادشاہ ہر آنے والے کو نہایت گہری نگاہ سے دیکھتے رہے۔ سب لوگوں نے یکے بعد دیگرے بادشاہ سے ملاقاتیں کیں اور عطائیں لے کر چلے گئے۔ مگر کیری آنکھ والے وہ دو شخص کہ جن کو خواب میں دیکھا تھا نظر نہ آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ اور کوئی باقی رہ گیا ہو تو اس کو بھی بلا لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ اب کوئی نہیں باقی رہ گیا ہے۔ مگر بادشاہ کے بار بار کہنے پر لوگوں نے بہت غور و خوض کیا تو کہا کہ دو نیک مرد نہایت متقی اور پرہیزگار مغربی بزرگ ہیں وہ کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے بلکہ خود ہی بہت کچھ صدقات و خیرات اہل مدینہ پر کرتے رہتے ہیں۔ گوشہ نشین لوگ ہیں سب

سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ بادشاہ نے ان دو آدمیوں کو بھی بلوایا اور جب وہ آئے تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ دو آدمی ہیں جو خواب میں دکھلائے گئے تھے۔ بادشاہ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم مغرب کے باشندے ہیں۔ حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور سرکارِ اقدس ﷺ کے پڑوس میں رہنے کی تمنا ہوئی تو یہاں ٹھہر گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ صحیح صحیح بتا دو۔ انہوں نے جو پہلے کہا تھا پھر اسی جواب کو دہرایا۔ بادشاہ نے صحیح بات بتانے پر بہت اصرار کیا مگر ان لوگوں نے کچھ اور نہیں بتایا بلکہ ہر بار یہی کہتے رہے کہ ہم لوگ حج کے لئے آئے تھے پھر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور کچھ روز کے لئے حضور انور ﷺ کے پڑوس میں قیام کر لیا۔ بادشاہ نے ان کی قیام گاہ دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ روضہ مبارکہ کے قریب ہی ایک رباط میں رہتے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو یہیں روکے رکھیں اور خود ان کی قیام گاہ پر گئے۔ وہاں پہنچ کر بہت کچھ دیکھا بھالا تو مال ومتاع بہت سا ملا اور کتابیں بھی رکھی ہوئی ملیں لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی کہ جس سے خواب کے مضمون کی تائید ہوتی۔

بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا کہ خواب سچ ہے یہ دونوں آدمی وہی ہیں جو خواب میں دکھلائے گئے لیکن ان کے حالات سے معاملہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا اور مدینہ طیبہ کے لوگوں کا حال یہ تھا کہ بہت سے لوگ سفارش کے لئے آئے اور بیان دیا کہ یہ دونوں نیک بزرگ دن بھر روزہ رکھتے ہیں، ہر نماز جنت کی کیاری میں پڑھتے ہیں۔ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، روزانہ جنت البقیع کی زیارت کرتے ہیں، ہر سنیچر مسجد قبا جاتے ہیں، کسی سائل کو بغیر کچھ دیئے ہوئے واپس نہیں کرتے، اس قحط کے سال میں انہوں نے مدینہ شریف والوں کے ساتھ بہت ہمدردی اور غمگساری کی ہے۔ بادشاہ ان کے حالات سن کر تعجب کرتے تھے اور ان کی قیام گاہ میں اِدھر اُدھر متفکر پھر رہے تھے۔ یکایک ان کے مصلے کو اٹھایا جو ایک چٹائی پر بچھا ہوا تھا اور چٹائی کے نیچے ایک پتھر بچھا ہوا تھا۔ جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ایک سرنگ ظاہر ہوئی جو بہت گہری کھودی گئی تھی اور بہت دور تک چلی گئی تھی یہاں تک کہ حضور انور ﷺ کی قبر انور کے قریب پہنچ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب

لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے ان کو انتہائی غصہ میں کانپتے ہوئے مارنا شروع کیا اور کہا کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ۔ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ دونوں نصرانی ہیں، عیسائی بادشاہوں نے ان کو بہت سا مال دیا ہے اور آئندہ بہت زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ہم لوگ حاجیوں کی صورت بنا کر اس لئے آئے ہیں تا کہ قبرانور سے حضورانور ﷺ کے جسم مبارک کو نکال لے جائیں۔ ہم دونوں رات کو یہ جگہ کھودتے تھے اور جو مٹی نکلتی تھی اس کو چمڑہ کی دو مشکوں میں بھر کر رات ہی کو جنت البقیع میں ڈال آیا کرتے تھے۔

بادشاہ اس بات پر کہ خدائے عزوجل نے اور اس کے پیارے نبی مصطفیٰ کریم ﷺ نے اس خدمت کے لئے ان کو منتخب کیا بہت روئے۔ ان دونوں کو قتل کرایا اور حجرہ مبارک کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا پھر اس خندق کو رانگہ یا سیسہ۔ پگھلا کر بھروا دیا تا کہ سرکارِ اقدس ﷺ کے جسم مبارک تک کبھی کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔ ایک بار ہم سب مل کر اس زندہ نبی پر زندہ دلی کے ساتھ درود شریف کا نذرانہ پیش کریں۔

اس واقعہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ زندہ ہیں۔ اگر وہ (معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ) مر کر مٹی میں مل گئے ہوتے جیسا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے تو بادشاہ نورالدین کو وصال کے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال بعد حفاظت کے لئے حکم دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول زندہ ہیں اور وہابیوں و دیوبندیوں کا عقیدہ باطل ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نصرانیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا نبی وصال فرمانے کے بعد مٹی میں نہیں مل جاتا ورنہ کئی سو سال کے بعد وہ حضورانور ﷺ کے جسم اقدس کو نکال کر لے جانے کا پروگرام نہ بناتے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

رہا یہ سوال کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق جبکہ حضورانور ﷺ خود دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور مشکلیں حل فرماتے ہیں تو انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے بادشاہ نورالدین سے کیوں کہا اور نصرانیوں کو خود ہی کیوں نہیں ہلاک کر دیا اور جب وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک نہیں کر سکتے تو وہ دوسروں کی مدد کیا کر سکتے ہیں۔ تو اس

سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور انور ﷺ خدائے عزوجل کی عطا کی ہوئی طاقت سے اپنی حفاظت فرما سکتے تھے اور بادشاہ نورالدین کی مدد کے بغیر ان کے دشمن ہلاک ہو سکتے تھے جیسا کہ اسی کتاب وفاء الوفا جلد اوّل ص ۴۷۱ میں ایک دوسرا واقعہ درج ہے کہ حلب کی ایک جماعت سے مدینہ کا حاکم مل گیا اور بہت سا مال رشوت لے کر ان کو حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جسم مبارک کو نکال لے جانے کی اجازت دے دی اور جب وہ لوگ زمین کھودنے کے بہت سے ہتھیار لے کر باب السلام سے اندر داخل ہوئے اور حجرہ شریف کی طرف چلے تو حضرت شیخ شمس الدین صواب رحمۃ اللہ علیہ جو خادمین حرم نبوی کے افسر تھے اور اس واقعہ کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں وَاللّٰہِ مَا وَصَلُوا الْمِنبَرَ حَتّٰی ابْتَلَعَتْھُمُ الْاَرْضُ جَمِیْعَھُمْ بِجَمِیْعِ مَا کَانَ مَعَھُمْ مِنَ الْاٰلَاتِ وَلَمْ یَبْقَ لَھُمْ اَثَرٌ ۔ یعنی خدا کی قسم وہ لوگ ابھی منبر شریف تک بھی نہ پہنچے تھے کہ اچانک ان کو اور ان کے سارے ساز و سامان کو زمین نگل گئی اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔

تو اسی طرح وہ دونوں نصرانی بھی ہلاک ہو سکتے تھے مگر اللہ و رسول جل جلالہ، و ﷺ بادشاہ نورالدین کی کسی نیکی پر ساری دنیائے اسلام میں ان کے نام کو روشن و منور فرمانا چاہتے تھے اور آخرت میں ان کو مرتبۂ جلیلہ پر فائز کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ خدمت ان کے سپرد فرمائی۔

لیکن اگر اب بھی کوئی بدبخت نہ مانے اور یہی بکتا رہے کہ حضور انور ﷺ کو اپنے دشمنوں کے ہلاک کی طاقت نہیں تھی۔ اس لئے بادشاہ نورالدین سے ہلاک کروایا تو اس بدبخت کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے محبوب کے دشمنوں کے ہلاک کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ اس لئے وہ خود ہلاک نہیں کر سکا بلکہ دوسرے سے ہلاک کروایا۔

برادرانِ اسلام! اللہ کے رسول ﷺ بعد وصال بھی زندہ ہیں اس سلسلے میں ایک واقعہ اور سماعت فرمائیے۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الحاوی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سیّد احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگ اکابر صوفیاء میں سے ہیں ان کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ ۵۵۵ھ میں حج سے فارغ ہو کر سرکار اعظم ﷺ کی زیارت

کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور قبر انور کے سامنے کھڑے ہوئے تو یہ دو شعر پڑھے:

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا
تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ

یعنی میں دور ہونے کی حالت میں اپنی روح کو خدمت مبارکہ میں بھیجا کرتا تھا جو میری نائب بن کر حضور کے آستانہ مقدسہ کو چوما کرتی تھی۔

وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ کَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

یعنی اب جسموں کی حاضری کا وقت آیا ہے لہٰذا اپنے دست اقدس کو عطا فرمائیے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

حضرت سیّد احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عرض پر سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر انور سے اپنے دست مبارک کو باہر نکالا جس کو انہوں نے چوما۔

البنیان المشید میں ہے کہ اس وقت کئی ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور کے دست اقدس کی زیارت کی۔ ان لوگوں میں محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی یعنی غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

انبیاء کو بھی موت آنی ہے	مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
بس اسی آن کے بعد ان کی حیات	مثل سابق وہی جسمانی ہے

اولیاء اللہ بھی زندہ ہیں:

وہابیوں اور دیوبندیوں کو تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زندگی کے بارے میں بھی کلام ہے یہاں تک کہ سید الانبیاء اور نبی الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے حالانکہ اولیائے کرام و بزرگان دین کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں یہ مرتبہ ملا ہے کہ وہ بھی بعد وفات زندہ رہتے ہیں۔ ثبوت کے لئے بروقت صرف دو واقعہ سماعت فرمائیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کا واقعہ عارف باللہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی شریف کے دفتر چہارم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ اچانک شہر رے کے علاقہ میں خرقان کی طرف سے انہیں خوشبو محسوس ہوئی۔ حضرت اس خوشبو سے اس قدر مست ہوئے کہ چہرے کا رنگ کبھی سرخ ہوتا تھا اور کبھی سفید۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ حضور کیا معاملہ ہے کہ میں حضرت کے چہرہ کا رنگ بدلتا ہوا پاتا ہوں؟ فرمایا کہ اس طرف سے ایک دوست کی خوشبو آ رہی ہے کہ جہاں درجہ ولایت وقطبیت کا ایک بہت بڑا بادشاہ اتنے سال کے بعد فلاں تاریخ کو تشریف لانے والا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے؟ فرمایا کہ ان کا نام ابوالحسن ہے۔ پھر سر سے لے کر پاؤں تک ان کا پورا حلیہ بیان فرمایا۔

حضرت کے بیان کے مطابق ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش کو لوگوں نے نوٹ کر لیا اور جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد وہی تاریخ آئی تو خرقان میں حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اور سن بلوغ کو پہنچے تو لوگوں نے ان سے بیان کیا کہ حضرت بایزید فرمایا کرتے تھے کہ ابوالحسن میرا عقیدت مند ہوگا اور میری قبر پر آ کر مجھ سے فیض حاصل کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی اسی مضمون کا خواب دیکھا ہے۔ پھر آپ روزانہ صبح کے وقت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہوتے اور چاشت کے وقت تک ان کے مزار کے سامنے باادب کھڑے رہتے اور فیض حاصل کرتے۔

ایک روز صبح کے وقت جبکہ آپ اس قبرستان میں تشریف لے گئے کہ جہاں حضرت کا مزار تھا تو دیکھا کہ ساری قبریں برف سے چھپی ہوئی ہیں۔ آپ حضرت کی قبر مبارک کو پہچان نہیں سکے جس کے سبب بہت پریشان ہوئے تو پھر اس کے بعد کیا ہوا: اسے مولانا روم علیہ الرحمہ کی زبان سے سنئے [1]

---

[1] مثنوی شریف کا یہ واقعہ فارسی اشعار مع اردو ترجمہ ومختصر تشریح کے ساتھ ہماری کتاب ''گلدستہ مثنوی'' میں دیکھیں۔ (الامجدی)

بانگش آمد از حظیرہ شیخ حیؒ

ھَا اَنَا اَدْعُوْکَ کَیْ تَسْعٰی اِلَیَّ

یعنی اچانک بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو زندہ ہیں ان کی قبر مبارک سے آواز آئی کہ میں تمہیں پکارتا ہوں تم میری طرف آؤ۔

بیشک بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ وفات کے بعد بھی زندہ ہیں۔ اگر وہ مر کر مٹی میں مل گئے ہوتے اور زندہ نہ ہوتے تو ان کی قبر مبارک سے اس طرح کی آواز ہرگز نہ آتی۔

حیات جاوداں پاتا ہے آسی
قتیل تیغ ابروئے محمد ﷺ

(ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے پھر درود شریف پڑھیں)

اولیائے کرام بھی بعد وصال زندہ رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ سماعت فرمائیں کہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنے پیر و مرشد حضرت علاؤالحق والدین علیہ الرحمۃ والرضوان کے آستانہ مبارکہ ''پنڈوہ شریف'' کی حاضری کے لئے گلبرگہ شریف (دکن) سے روانہ ہوئے تو جس روز صوبہ بہار میں منیر شریف کے قریب پہنچے اسی روز حضرت شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال ہوا۔ وفات سے کچھ پہلے انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک سیّد صحیح النسب جو تارک سلطنت ہیں اور ساتوں قرأت کے حافظ ہیں وہ عنقریب آنے والے ہیں وہی میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں گے۔ حضرت کا وصال ہو گیا اور جنازہ بھی تیار ہو گیا مگر جن کے بارے میں حضرت نے وصیت فرمائی تھی وہ نہیں پہنچے تو شیخ جلائی نام کے ایک شخص آپ کی تلاش میں نکلے۔ جب آبادی کے باہر پہنچے تو انہیں دور سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا۔ قافلہ قریب پہنچا تو شیخ جلائی آپ کو تلاش کرنے لگے۔ لوگوں کی بھیڑ میں ان کو ایسا چہرہ نظر آیا کہ جن کی پیشانی میں نور ولایت جگمگا رہا تھا۔ پوچھا کہ حضور سیّد ہیں؟ فرمایا کہ ہاں۔ پھر ساتوں قرأت کے حافظ ہونے اور ترک سلطنت کے بارے میں دریافت کیا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ آپ ہی کے بارے میں حضرت نے وصیت فرمائی ہے تو بڑے اعزاز و

اکرام کے ساتھ آپ کو لائے اور حسب وصیت حضرت کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی اور وہ دفن کر دیئے گئے۔

کچھ وقفہ بعد مخدوم صاحب کو اطلاع ملی کہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا مبارک ہاتھ قبر شریف سے باہر نکل آیا ہے اور بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے ہیں مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ معاملہ کیا ہے۔ حضرت مخدوم صاحب مزار شریف کے پاس پہنچے۔ جب قبر کے باہر نکلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تو آپ نے وہیں بیٹھ کر مراقبہ فرمایا۔ اور جب سر اٹھایا تو لوگوں کو بتایا کہ حضرت شیخ منیری رحمۃ اللہ علیہ کو مردان غیب سے ایک ٹوپی ملی تھی جس کے بارے میں حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ وہ میرے ساتھ قبر میں رکھ دی جائے مگر آپ لوگ بھول گئے۔ حضرت شیخ اسی ٹوپی کو طلب فرما رہے ہیں۔ لوگوں نے تصدیق کی واقعی حضرت نے ٹوپی کے متعلق وصیت فرمائی تھی کہ وہ میرے ساتھ قبر میں رکھ دی جائے۔ جسے ہم لوگ بھول گئے۔ اب وہ ٹوپی لائی گئی اور جب حضرت شیخ کے مبارک ہاتھ پر رکھی گئی تو آپ نے فوراً اپنا ہاتھ اندر کر لیا۔

یہ واقعہ بھی ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ اولیائے کرام بھی بعد وصال زندہ رہتے ہیں اگر زندہ نہ رہتے تو حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ دفن کے بعد قبر سے باہر ہاتھ نہ نکالتے۔ اور اولیائے کرام کیوں نہ زندہ رہیں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر مرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے نام پر مرتے ہیں وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

تقریر بہت طویل ہو گئی۔ بس دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہم سب کو مذہب اہلسنّت و جماعت پر قائم رکھے اور گمراہی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بحرمة النبی الکریم الامین علیه وعلیٰ اٰله افضل
الصلوات واکمل التسلیم۔

امیرالمؤمنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الحمدللہ الذی ھدانا الی الصراط المستقیم والصلوٰۃ والسلام علی من اختص بالخلق العظیم وعلی الہٖ واصحابہ الذین قاموا بنصرۃ الدین القویم ۔ امابعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ العظیم ۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (پ۲۴ع۱) صدق اللہ العلی العظیم وبلغنا رسولہ النبی الامین علیہ وعلی الہٖ افضل الصلوات والتسلیم ۔

ایک بار آپ تمام حضرات بلند آواز سے اپنے پیارے نبی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں ۔

اللھم صلی علی سیّدنا و مولینا و محمدو علی ال سیّدنا ومولانا محمدمعدن الجود والکرم وعلی الہٖ واصحابہٖ وبارك وسلم۔

ایک باکمال استاذ کہ جو بہت سی خوبیوں کا جامع ہوتا ہے۔اپنے جس شاگرد میں جس خوبی کی ممتاز صلاحیت پاتا ہے اسی خوبی میں اس کو باکمال بناتا ہے جس میں فقیہ بننے کی زیادہ صلاحیت پاتا ہے اسے فقیہ بناتا ہے جس میں مقرر بننے کی صلاحیت واضح ہوتی ہے اسے کامیاب مقرر بناتا ہے اور جس میں مصنف بننے کی صلاحیت غالب ہوتی ہے اسے باکمال مصنف ہی بناتا ہے۔تو ہمارے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

جس صحابی میں جس خوبی کی ممتاز صلاحیت پائی اسی وصف خاص میں اسے کامل بنایا لہٰذا اپنے پیارے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں صدیق بننے کی صلاحیت کو واضح طور پر محسوس فرمایا تو اسی وصف میں ان کو ممتاز و کامل بنایا اور صدیق ہونا ایسا وصف ہے جو بہت سی خوبیوں کا جامع ہے اور اس وصف خاص کے سب سے زیادہ مستحق صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی تھی۔ اسی لئے وہ اس سے سرفراز فرمائے گئے۔

أصدق الصادقين سیّد المتقین
چشم و گوشِ وزارت پر لاکھوں سلام

آپ کی خلافت:

آقائے دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کا نائب اور خلیفہ کس کو مقرر کیا جائے؟ حدیث شریف کی مشہور کتاب بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلافت کے معاملہ کو حل کرنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر جمع ہوئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دوسرے بہت سے اجلہ صحابہ موجود تھے۔

سب سے پہلے ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے لوگوں سے اس طرح خطاب کیا کہ اے مہاجرین! آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرات میں سے کسی شخص کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو انصار میں سے بھی ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا کرتے تھے لہٰذا اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ خلافت کے معاملہ میں بھی ایک شخص مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے ہو پھر ایک دوسرے انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر فرمائی۔

ان لوگوں کی تقریروں کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا: حضرات! کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے لہٰذا ان کا نائب اور خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہوگا اور جس طرح ہم لوگ پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے اب اسی طرح خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار رہیں گے۔

یہ فرمانے کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اب یہ تمہارے والی ہیں اور پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ سے بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور پھر تمام انصار و مہاجرین نے آپ سے بیعت کی۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک نگاہ ڈالی تو اس مجمع میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ فرمایا کہ ان کو بلایا جائے۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاحبزادے اور حضور انور کے خاص صحابیوں میں سے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کوئی فکر نہ کریں۔ یہ کہنے کے بعد کھڑے ہوئے اور آپ سے بیعت کر لی۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تھے۔ فرمایا کہ علی بھی نہیں ہیں۔ ان کو بھی بلایا جائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ اے ابو طالب کے صاحبزادے! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ان کے داماد ہیں مجھے امید ہے کہ آپ اسلام کو کمزور ہونے سے بچانے میں ہماری مدد کریں گے۔ انہوں نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کچھ فکر نہ کریں۔ یہ کہہ کر انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ (تاریخ الخلفاء) اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُكَ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے بڑھایا تو پھر کون شخص آپ کو پیچھے کر سکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا اور آپ ہی کو تمام صحابہ کا امام بنایا۔ یہاں تک کہ ابن زمعہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھیں۔ مگر اتفاق سے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن

رحضور ﷺ نے فرمایا لَا لَا لَا یَابَی اللّٰہُ وَالْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ یُّصَلِّیْ بِالنَّاسِ اَبُوْبَکْرٍ۔ یعنی نہیں نہیں نہیں' اللہ اور مسلمان ابوبکر ہی سے راضی ہیں وہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۳)

بہر حال اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اور اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان حرف بحرف صحیح ہوا کہ میرے بعد خلافت کے بارے میں خدائے تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے اور حضور انور ﷺ کا فرمان کیوں نہ صحیح ہو کہ وہ اللہ کے پیارے محبوب ہیں۔ تو ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے، درخت اپنی جگہ سے کھسک سکتا ہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے پیارے نبی ﷺ کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔

(ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

آپ کی خلافت پر آیات قرآنی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استدلال علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس آیت کریمہ سے کیا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ؗ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ۔ یعنی اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں اور اللہ ان کا پیارا ہے' وہ لوگ مسلمانوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (پ ۶ ع ۱۲)

مفسرین کرام اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں کہ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جب کچھ عرب اسلام سے برگشتہ ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہی نے مرتدوں سے جہاد کیا اور پھر ان کو مسلمان بنایا۔ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم

ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد جب عرب کے کچھ لوگ مرتد ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال فرمایا تو اس زمانہ میں ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ آیت کریمہ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور پ ۲۶ ع ۱۰ میں ہے قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ج۔ یعنی ان گنواروں سے فرماؤ جو کہ پیچھے رہ گئے کہ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس قوم سے بنی حنیفہ یمامہ کے رہنے والے جو مسیلمہ کذاب کی قوم کے لوگ ہیں وہ مراد ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ فرمائی۔ اور ایسا ہی طبرانی میں زہری سے مروی ہے۔ اسی لئے حضرت ابن ابی حاتم اور ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حجت اور واضح دلیل ہے اس لئے کہ آپ ہی نے مرتدوں سے قتال کی طرف دعوت دی ہے۔

اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعباس بن شریح کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے اس لئے کہ تمام علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں نے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے تھے اور جو لوگ کہ مرتد ہو گئے تھے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ان سے قتال کی دعوت دی اور ان سے جنگ کی لہٰذا یہ آیت کریمہ آپ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے اور آپ کی اطاعت کو لوگوں پر فرض کرتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ کے آخر میں واضح الفاظ کے ساتھ فرما دیا ہے کہ جو کوئی اس کو نہیں مانے گا وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔

آپ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام و رضی اللہ عنہ

علمائے اہلسنّت و جماعت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیائے کرام کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَاغَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ اَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَبِیًّا۔ یعنی سوائے نبی کے اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نبی کے بعد ان سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اور ایک دوسری حدیث میں آقائے دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں علاوہ اس کے کہ وہ نبی نہیں۔

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الناس یعنی لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ اگر کسی شخص نے اس کے خلاف کہا تو وہ مفتری اور کذاب ہے۔ اس کو وہ سزا دی جائے گی جو افترا پردازوں کے لئے شریعت نے سزا مقرر کی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خَیْرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ۔ یعنی اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان سے تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱)

اور بخاری شریف میں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون سب سے افضل ہے قال ابوبکر فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ان کے بعد؟ قال عمر فرمایا کہ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں خَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانُ۔ یعنی میں ڈرا کہ اب اس

کے بعد آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے تو میں نے کہا کہ اس کے بعد آپ سب سے افضل ہیں۔ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ یعنی ازراہ انکساری فرمایا کہ میں ایک معمولی مسلمان ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی وہی سب سے افضل و بہتر قرار دیئے جاتے تھے۔ پھر حضرت عمر کو اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہم صحابہ کرام کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور حضرت ابومنصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور پھر عشرہ مبشرہ کے باقی حضرات سب سے افضل ہیں۔ ان کے بعد باقی اصحاب بدر پھر باقی اصحاب اُحد ان کے بعد بیعت الرضوان کے صحابہ پھر دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۰)

(ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آیات قرآنی:

برادرانِ اسلام! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہم ان میں سے چند آیات کریمہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ یہ آیت مبارکہ چوبیسویں پارہ کے پہلے رکوع کی ہے جس کی تلاوت کا شرف ہم

آج کی شروع تقریر میں پہلے حاصل کر چکے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سچائی لایا یعنی سرکارِ اقدس ﷺ اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے یعنی اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد رسول اللہ ہیں اور صَدَّقَ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق کی۔ ایسا ہی تفسیر مدارک میں بھی ہے اور اسی کو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ترجیح دی ہے اور تفسیر روح البیان نے بھی لہٰذا ان مفسرین کرام کے بیان سے ثابت ہوا کہ خدائے عزوجل نے اس آیت مبارکہ میں رحمت عالم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی متقی فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ اس امت کے سب سے پہلے متقی ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے والے سارے متقیوں کے سردار اور سید المتقین ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

اَصدق الصادقیں سیّد المتقیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

اور پ۱۰ ع۱۲ ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

حضرات! تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اب اس آیت کریمہ کا مطلب ملاحظہ فرمائیں۔ خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ یعنی اے مسلمانو! اگر تم لوگ میرے رسول کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف

لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں یعنی حضور انور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تھے۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جب رسول اللہ ﷺ اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا تو اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اپنا سکینہ اتارا۔ یعنی ان کے دل کو اطمینان عطا فرمایا اور ایسی فوجوں سے اس کی مدد فرمائی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور وہ ملائکہ تھے جنہوں نے کفار کے رخ پھیر دیئے یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کو دیکھ ہی نہ سکے۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی اور کافروں کی بات کو نیچے کر دی یعنی ان کی دعوت کفر و شرک کو پست کر دیا۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

برادرانِ ملت! اس آیت کریمہ میں جو آقائے دو عالم ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی غم مت کرو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا غم نہیں تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کا غم تھا۔ آپ فرماتے تھے اِنْ اُقْتَلْ فَاَنَا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَاِنْ قُتِلْتَ هَلَكَتِ الْاُمَّةُ یعنی اگر میں قتل کر دیا گیا تو صرف ایک فرد ہلاک ہوگا اور اے اللہ کے رسول! اگر آپ قتل کر دیئے گئے تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی۔

بہر حال یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں بالکل واضح ہے اور آپ کے صحابی ہونے پر نص قطعی ہے کہ خدائے عزوجل نے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ فرمایا۔ اسی لئے حضرت حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مَنْ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ لَمْ یَكُنْ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَافِرٌ لِاِنْكَارِهٖ نَصَّ الْقُرْاٰنِ۔ یعنی جو شخص کہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے صحابی نہیں تھے تو وہ نص قرآنی کے انکار کرنے کے سبب کافر ہے۔

اور تیسویں پارہ سورۂ واللیل کی آیت کریمہ ہے وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۙ یعنی اور جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا وہ شخص جو کہ سب سے بڑا پرہیزگار

ہے جو کہ اپنا مال دیتا ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ستھرا ہونے کے لئے، نہ کہ ریا، سمعہ یا ان کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے خرچ کرتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا۔ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''اَتْقٰی'' یعنی سب سے بڑا پرہیز گار فرمایا گیا ہے اور پ ۲۶ ع ۱۴ کی آیت مبارکہ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی بیشک اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ مکرم اور عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے۔ تو ان دونوں آیات کریمہ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدائے عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور عزت والے ہیں۔

صدیق اکبر اور احادیث کریمہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی عظمت کے اظہار میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور یہ حدیث شریف بھی ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ ۔ یعنی غار ثور میں تم میرے ساتھ رہے اور حوض کوثر پر بھی تم میرے ساتھ رہو گے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور انور نے فرمایا اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ یعنی تجھے اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز سے میرے والد محترم کا نام عتیق پڑ گیا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

اور ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اَمَا اِنَّکَ یَا اَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ۔ یعنی اے ابوبکر سن لو کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چاندنی رات میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کسی شخص کی نیکیاں اتنی بھی ہیں جتنی کہ آسمان پر ستارے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں عمر کی نیکیاں اتنی ہی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں نے پوچھا اور ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ حضور انور نے فرمایا عمر کی ساری عمر کی نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَشُکْرُہٗ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ اُمَّتِیْ۔ یعنی ابوبکر سے محبت کرنا اور ان کا شکر ادا کرنا میری پوری امت پر واجب ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰)

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور سلام کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ باتیں ہو گئیں پھر میں نے نادم ہو کر ان سے معذرت طلب کی لیکن انہوں نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حضور انور نے تین بار ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور انور کی بارگاہ میں آ گئے ان کو دیکھتے ہی حضور انور کے چہرہ اقدس کا رنگ بدل گیا۔ حضور انور کو رنجیدہ دیکھ کر حضرت عمر دوزانو بیٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان سے زیادہ قصوروار ہوں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقْتَ وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَھَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْلِیْ صَاحِبِیْ ۔ یعنی جب اللہ نے مجھے تمہاری جانب مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا مگر ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری غمخواری و مدد کی تو کیا آج تم لوگ میرے ایسے دوست کو چھوڑ دو گے؟ اور اس جملہ کو حضور انور نے دو بار فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب نے کچھ سخت کلامی کی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پورا ماجرا سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں کھڑے ہوئے اور فرمایا اَلَاتَدَعُوْنَ لِیْ صَاحِبِیْ مَاشَانُکُمْ وَشَانُہٗ فَوَاللّٰہِ مَامِنْکُمْ رَجُلٌ اِلَّا عَلٰی بَابِ بَیْتِہٖ ظُلْمَۃٌ اِلَّا بَابُ اَبِیْ بَکْرٍ فَاِنَّ عَلٰی بَابِہِ النُّوْرَ فَوَاللّٰہِ لَقَدْ قُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقْتَ وَاَمْسَکْتُمُ الْاَمْوَالَ وَجَادَلِیْ بِمَالِہٖ وَخَذَلْتُمُوْنِیْ وَوَاسَانِیْ وَاتَّبَعَنِیْ ۔ یعنی اے لوگو! سن لو میرے دوست کو میرے لئے چھوڑ دو۔ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ اور ان کی حیثیت کیا ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ خدا کی قسم تم لوگوں کے دروازوں پر اندھیرا ہے مگر ابوبکر کے دروازہ پر نور کی بارش ہو رہی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی قسم تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی۔ تم لوگوں نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا۔ ابوبکر نے میرے لئے اپنا مال خرچ کیا اور تم لوگوں نے میری مدد نہیں کی مگر ابوبکر نے میری غمخواری کی اور میری اتباع کی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

اور مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶ میں ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے

سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ظاہری زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دن رات میں جو عمل اور بہترین کام کیے ہیں کاش کہ میری پوری زندگی کا عمل ان کی ایک رات دن کے عمل کے برابر ہوتا' ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی رات غار ثور پر پہنچے (جو تقریباً اڑھائی کلومیٹر بلند ہے) تو حضور انور ﷺ سے عرض کیا وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُهُ حَتّٰى اَدْخُلَ قَبْلَكَ ۔ یعنی قسم خدا کی آپ غار میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کے پہلے میں نہ داخل ہو جاؤں تا کہ اگر کوئی موذی چیز سانپ وغیرہ ہو تو اس سے تکلیف مجھی کو پہنچے اور آپ محفوظ رہیں۔ پھر آپ غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو خوب صاف کیا۔ اور جب غار کے اندر ان کو کچھ سوراخ نظر آئے تو ان کو انہوں نے اپنی لنگی میں سے کپڑا پھاڑ کر بھر دیا اور دو سوراخوں پر انہوں نے اپنی ایڑیاں لگا دیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لائیے۔ حضور غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ابھی حضور آرام ہی فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے کاٹ لیا مگر آپ نے حرکت نہیں کی اور اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس لئے کہ کہیں نبی کریم ﷺ کی آنکھ نہ کھل جائے لیکن سانپ کے زہر کی انتہائی تکلیف کے سبب آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے جو حضور انور ﷺ کے چہرہ اقدس پر گرے۔ حضور کی آنکھ کھل گئی اور آپ سے دریافت فرمایا: ابوبکر کیا ہوا قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ ۔ عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا تو فوراً ان کی تکلیف جاتی رہی مگر عرصۂ دراز کے بعد سانپ کا وہی زہر پھر لوٹ آیا جو آپ کے وصال کا سبب بنا یعنی اسی زہر کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک دن کا بہترین عمل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم زکوۃ نہیں دیں

گے یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو اونٹ کی رسی جو لوگوں پر واجب ہوگی اس کے دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے ان سے عرض کیا یَاخَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ ۔ یعنی لوگوں کے ساتھ الفت سے پیش آیئے اور نرمی سے کام لیجئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایام جاہلیت میں تو بڑے سخت اور غضبناک تھے کیا اسلام میں داخل ہو کر ذلیل وخوار اور پست ہمت ہو گئے۔ اِنَّهٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ وَاَنَا حَیٌّ ۔ یعنی وحی کا آنا بند ہو گیا ہے اور دین اسلام کامل ہو چکا ہے تو کیا میری زندگی میں وہ کمزور و ناقص ہو جائے گا؟ مطلب یہ ہے کہ میں دین اسلام کو اپنی زندگی میں کمزور و ناقص ہرگز نہیں ہونے دوں گا اور جو لوگ کہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں میں ان سے جہاد ضرور کروں گا۔ (ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کبار پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں)

یہ چند حدیثیں ہم نے آپ کے سامنے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں پیش کی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں اسی قسم کے مضمون کی حضرت صدق اکبر کی تعریف و توصیف میں وارد ہوئی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سارے صحابہ میں سب سے زیادہ مقرب سب سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ فضیلت وعظمت والے حضرت صدیق اکبر ہی ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے پہلے مستحق وہی ہیں۔ رضی اللہ عنه وارضاه عنا وعن سائر المسلمین۔

آپ کا نام ونسب:

برادرانِ ملت! آپ کا نام عبداللہ ہے اور ابوبکر سے جو آپ مشہور ہیں تو یہ آپ کی کنیت ہے۔ اور صدیق وعتیق آپ کا لقب ہے۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ ہے اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمٰی ہے جن کی کنیت اُمّ الخیر ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں مرہ بن کعب پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ

واقعہ فیل کے تقریباً اڑھائی برس بعد مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔

عہد طفلی میں بت شکنی:

زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی ہے۔ آپ ہمیشہ اس کے خلاف رہے یہاں تک کہ آپ کی عمر شریف جب چند برس کی ہوئی تو اسی زمانہ میں آپ نے بت شکنی فرمائی۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالہ مبارکہ تنزیہ المکانۃ الحیدریہ ص ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (کہ وہ بھی بعد میں صحابی ہوئے) زمانہ جاہلیت میں انہیں بت خانہ لے گئے اور بتوں کو دکھا کر ان سے کہا ھٰذِہٖ اٰلِھَتُكَ الشُّمُّ الْعُلٰی فَاسْجُدْلَھَا۔ یعنی یہ تمہارے بلند و بالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور برائے اظہارِ عجزِ صنم و جہلِ صنم پرست ارشاد فرمایا: اِنِّیْ جَائِعٌ فَاَطْعِمْنِیْ۔ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا اِنِّیْ عَارٍ فَاکْسُنِیْ یعنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں تجھ پر پتھر مارتا ہوں فَاِنْ کُنْتَ اِلٰھًا فَامْنَعْ نَفْسَكَ۔ اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر آپ نے بقوت صدیقی اس کو پتھر مارا تو وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گر پڑا۔ اسی وقت آپ کے والد ماجد واپس آ رہے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ اے میرے بچے تم نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ وہی کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے والد انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت اُمّ الخیر رضی اللہ عنہا کے پاس (وہ بھی صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا اس بچے سے کچھ نہ کہو کہ جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے یَا اَمَةَ اللّٰہِ عَلَی التَّحْقِیْقِ اَبْشِرِیْ بِالْوَلَدِ الْعَتِیْقِ اِسْمُهٗ فِی السَّمَاءِ الصِّدِّیْقُ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّرَفِیْقٌ یعنی اے اللہ کی سچی باندی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی جس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے اور جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یار و رفیق ہے۔ رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی معالی الفرش الی

عوالی العرش۔

آپ عہد جاہلیت میں:

زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی برادری میں سب سے زیادہ مالدار تھے، مروت واحسان کا مجسمہ تھے، قوم میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے گم شدہ کی تلاش آپ کا شیوہ رہا اور مہمانوں کی آپ خوب میزبانی فرماتے تھے۔ آپ کا شمار روسائے قریش میں ہوتا تھا۔ وہ لوگ آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آپ قریش کے ان گیارہ لوگوں میں سے ہیں جن کو ایام جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں عزت و بزرگی حاصل رہی کہ آپ عہد جاہلیت میں ''خوں بہا'' اور جرمانے کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے جو اس زمانہ کا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

آپ نے عہد جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی۔ ایک بار صحابہ کرام کے مجمع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے زمانہ جاہلیت میں شراب پی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی پناہ۔ میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا کُنْتُ اَصُوْنُ عِرْضِیْ وَاَحْفَظُ مُرُوَّتِیْ۔ یعنی میں اپنی عزت وآبرو کو بچاتا تھا اور مروت کی حفاظت کرتا تھا۔ اس لئے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اس کی عزت و ناموس اور مروّت جاتی رہتی ہے۔ جب اس بات کی خبر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے دو بار فرمایا ابوبکر نے سچ کہا، ابوبکر نے سچ کہا۔ رضی اللہ عنہ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا حلیہ مبارک:

ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ ہم سے حضرت ابوبکر صدیق کا سراپا اور حلیہ بیان فرمائیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ کا رنگ سفید تھا، بدن اکہرا تھا، دونوں رخسار اندر کو دبے ہوئے تھے، پیٹ اتنا بڑا تھا، آپ کی لنگی اکثر نیچے کھسک جایا کرتی تھی، پیشانی پر ہمیشہ پسینہ رہتا تھا' چہرہ پر زیادہ گوشت نہیں تھا ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے تھے، پیشانی بلند تھی، انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں یعنی گھائیاں کھلی رہتی تھیں، حنا اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے بال سیاہ وسفید ملے ہوئے کھچڑی نہیں تھے۔ آپ ان کھچڑی بالوں پر حنا یعنی مہندی اور کتم کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو بیان کیا گیا کہ آپ کتم کا خضاب لگاتے تھے اس سے آپ کے متعلق سیاہ خضاب کا گمان کرنا یا اس سے نیل اور حنا ملے ہوئے کہ مطلقاً جائز سمجھ لینا محض غلطی ہے۔ تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالہ مبارکہ حك العيب في حرمة تسويد الشيب کا مطالعہ کریں۔

آپ کا قبول اسلام:

برادرانِ ملت! بہت سے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ثبوت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار پڑھے جو حضرت ابوبکر صدیق کی تعریف وتوصیف میں ہیں اور ان میں سب سے پہلے آپ کے اسلام لانے کا ذکر ہے اور ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَكْرٍ یعنی سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور ابن سعد نے صحابیٔ رسول حضرت ابواروی دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ یعنی سب سے پہلے جو اسلام لائے وہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں یہاں تک کہ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے مسلمان ہوئے یا حضرت علی؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا وَاللّٰهِ لَقَدْ اٰمَنَ اَبُوْبَكْرٍ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ بَحِيْرَى الرَّاهِبِ۔ یعنی قسم ہے خدائے عزوجل کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیرٰی راہب ہی کے زمانہ میں نبی کریم ﷺ پر ایمان لا چکے تھے جبکہ حضرت علی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳)

اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبدالرحمٰن تمیمی نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس کو تردد ہوا علاوہ ابوبکر کے کہ جب میں نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے بغیر تردد کے اسلام قبول کرلیا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سابق الاسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نبوت و رسالت کی نشانیاں قبل از اسلام ہی معلوم کر چکے تھے۔ اس لئے جب ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

اور بعض محدثین یوں فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت کے قبل ہی سے حضرت ابوبکر صدیق نبی کریم ﷺ کے دوست تھے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی، عادات کی پاکیزگی اور آپ کی سچائی و دیانت داری پر یقین کامل رکھتے تھے تو جب سرکارِ اقدس ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔ اس لئے کہ جو شخص زندگی کے عام حالات میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ غلط بات کہتا ہے تو بھلا وہ خدائے ذوالجلال کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر معبوث فرمایا ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بلا تامل مسلمان ہوگئے۔

ان تمام شواہد سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ اسی لئے بعض حضرات نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے پر اجماع ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تو ان تمام اقوال میں ہمارے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کا کمالِ ایمان:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا جس کا

ثبوت بہت سے واقعات سے ملتا ہے۔ حدیبیہ میں جن شرطوں پر صلح ہوئی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کے مسلمانوں یا کافروں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کردیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ابھی صلح نامہ پر طرفین کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکے تھے مکہ معظّمہ سے گرتے پڑتے اور اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے درمیان آ گئے۔ سہیل بن عمرو جو ابوجندل رضی اللہ عنہ کا باپ تھا اور کفار مکہ کی طرف سے صلح کی گفتگو کرنے کے لئے حدیبیہ آیا ہوا تھا جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا کہ ابوجندل کو آپ میری طرف واپس کر دیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو صلح نامہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے ہیں لہٰذا یہ معاہدہ تمہارے اور ہمارے دستخط ہو جانے کے بعد ہی نافذ ہوگا۔ اس نے کہا تو جائیے ہم آپ سے صلح نہیں کریں گے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سہیل! ابوجندل کو میرے پاس رہنے کی تم اپنی طرف سے اجازت دے دو اس نے کہا میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو انہوں نے صحابہ کرام سے فریاد کی اور کہا اے مسلمانو! دیکھو میں کافروں کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں حالانکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور آپ لوگوں کے پاس آ گیا ہوں اور حضرت ابوجندل کے بدن پر کافروں کی مار کے جو نشانات تھے آپ مسلمانوں کو وہ نشانات دکھا دکھا کر رونے لگے تو مسلمانوں کو بڑا جوش پیدا ہوا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور عرض کیا کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی ہاں میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ پھر حضرت عمر نے عرض کیا، کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ حضور نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بیشک ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں۔ اس جواب پر حضرت عمر نے کہا تو پھر ہم دین کے معاملہ میں دب کر کیوں صلح کریں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی کبھی نہیں کر سکتا اور میرا مددگار وہی ہے۔ پھر حضرت عمر نے

کہا کیا آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے؟ حضور نے فرمایا ٹھیک ہے مگر ہم نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ نے اسی سال کے لئے نہیں فرمایا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِلْزَمْ غَرْزَہٗ یعنی ان کی رکاب تھامے رہو اور ان کے دامن سے لگے رہو بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ان کا معاون و مددگار ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔

حدیبیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح صلح فرمائی اس سے مسلمانوں کی ناگواری اور رنج و غم کا یہ عالم رہا کہ تکمیل معاہدہ کے بعد تین بار حضور انور نے فرمایا کہ اٹھو قربانی کرو اور سر منڈا کر احرام کھول دو مگر کوئی اٹھنے کو تیار نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوش میں آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسی گفتگو کی کہ جس پر وہ زندگی بھر افسوس کرتے رہے اور معافی کے لئے بہت سی نیکیاں کرتے رہے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا وہ ایمان افروز جواب بتا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر بالکل مطمئن تھے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب حق ہے۔ ہر حال میں اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کی رسالت و نبوت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل و اکمل تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوش کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

اور شب معراج کی صبح بہت سے مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو کچھ خبر ہے؟ آپ کے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ رہے ہیں کہ انہیں رات کو بیت المقدس اور آسمان وغیرہ کی سیر کرائی گئی ہے۔ آپ نے کہا کیا واقعی وہ ایسا فرما رہے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا ہاں وہ ایسا ہی کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا اِنِّی لَاُصَدِّقُہٗ بِاَبْعَدَ مِنْ ذٰلِکَ۔ یعنی اگر وہ اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس اور حیرت انگیز خبر دیں گے تو بیشک میں اس

کی بھی تصدیق کروں گا۔

اور غزوہ بدر میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کفار مکہ کے ساتھ تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جنگ بدر میں کئی بار میری زد میں آئے لیکن میں نے آپ سے صرفِ نظر کی اور آپ کو قتل نہیں کیا۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَوْ اَهْدَفْتَ لِیْ لَمْ اَنْصَرِفْ عَنْكَ ۔ یعنی اے عبدالرحمٰن! کان کھول کر سن لو کہ اگر تم میری زد میں آ جاتے تو میں صرفِ نظر نہ کرتا بلکہ تم کو قتل کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

ان واقعات سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا بلکہ درجہ کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پوری زمین کے مسلمانوں کا ایمان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان اگر وزن کیا جائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا پلہ بھاری ہوگا۔ رضی اللہ عنہ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰)

(ایک بار ہم سب مل کر سرکار مدینہ اور ان کے اصحاب پر بلند آواز سے درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں)

آپ کی شجاعت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ علامہ بزار رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ سب سے زیادہ بہادر آپ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو ہمیشہ اپنے جوڑ سے لڑتا ہوں پھر کیسے میں سب سے بہادر ہوا۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا حضرت ہم کو نہیں معلوم ہے آپ ہی بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ سنو! جنگ بدر میں ہم لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عریش یعنی جھونپڑا بنایا تھا تاکہ گرد و غبار اور سورج کی دھوپ سے حضور محفوظ رہیں تو ہم لوگوں نے

کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کون رہے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی حملہ کر دے۔ فَوَاللّٰہِ مَادَنَامِنَّا اَحَدٌاِلَّا اَبُوْبَکْرٍ ۔یعنی تو خدا کی قسم اس کام کے لئے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی آگے نہیں بڑھا۔آپ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس کھڑے ہو گئے پھر کسی دشمن کو آپ کے پاس آنے کی جرأت نہیں ہو سکی اور اگر کسی نے جرأت بھی کی تو آپ اس پر ٹوٹ پڑے۔اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔(تاریخ الخلفاء ص ۲۵)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ کافروں نے نبی کریم ﷺ کو پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم ہی ہو جو کہتے ہو کہ خدا ایک ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو قسم خدا کی اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی حضور کے قریب نہیں گیا۔آپ آگے بڑھے اور کافروں کو مارا اور انہیں دھکے دے دے کے ہٹایا اور فرمایا تم پر افسوس ہے کہ تم لوگ ایسی ذات کو تکلیف پہنچا رہے ہو جو یہ کہتے ہیں کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر فرماتے تھے۔اس لئے آپ سب سے زیادہ بہادر تھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۵)

اور علامہ ہیثم اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ لَمَّا کَانَ یَوْمُ اُحُدٍ اِنْصَرَفَ النَّاسُ کُلُّھُمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ ۔یعنی جنگ اُحد کے دن سب لوگ رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو گئے تو سب سے پہلے میں نے حضور کے پاس پہنچ کر ان کی حفاظت کی۔(تاریخ الخلفاء ص ۲۵)۔

ان شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

آپ کی سخاوت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کے

بارے میں بھی سارے صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ حدیث شریف کی دو مشہور کتابیں ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز ہم لوگوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیا اور حسن اتفاق سے اس موقع پر میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جانا کسی دن میرے لئے ممکن ہوگا تو وہ آج کا دن ہوگا۔ میں کافی مال خرچ کر کے آج ان سے سبقت لے جاؤں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو میں آدھا مال لے کر خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کے لئے تم نے کتنا چھوڑا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آدھا مال ان کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: مَا اَبْقَيْتَ لِاَ هْلِكَ یعنی اے ابوبکر! اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فَقَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے لئے میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے اور میرے اہل و عیال کے لئے اللہ و رسول کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قُلْتُ لَا اَسْبِقُهٗ اِلٰى شَيْءٍ اَبَدًا۔ یعنی میں نے اپنے دل میں کہا کہ کسی چیز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر میں کبھی سبقت نہیں لے جا سکوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس روز میرے والد بزرگوار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اس روز آپ کے پاس چالیس ہزار دینار موجود تھے اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے یہ سارا مال رسول اللہ ﷺ کے حکم پر خرچ کر دیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ مدینہ

طیبہ ہجرت کر کے آئے تو اس مال میں سے آپ کے پاس صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے ۳۵ ہزار درہم مسلمان غلاموں کے آزاد کرانے اور اسلام کی مدد میں خرچ کر ڈالے تھے۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں چالیس ہزار دینار خرچ کیے، دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار چھپا کر اور دس ہزار علانیہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یعنی جو لوگ اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں، چھپا کر اور علانیہ تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ (پ۳ع۶)

ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی میرے ساتھ احسان کیا تھا میں نے ہر ایک کا احسان اتار دیا علاوہ ابوبکر کے احسان کے۔ انہوں نے میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن ان کو خدائے تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ۔ یعنی اور ہرگز کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

(ایک بار ہم سب مل کر سرکار مدینہ اور ان کے اصحاب پر بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت چاہتے تھے اور ان سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ شروع زمانہ اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ حتی الامکان اپنے اسلام کو چھپائے رکھتا تھا اور سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی چھپانے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ

کافروں سے اذیت نہ پہنچے۔ جب مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اب اسلام کی تبلیغ کھلم کھلا اور علی الاعلان کی جائے۔ پہلے تو حضور ﷺ نے انکار فرمایا لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا تو آپ نے قبول فرمالیا اور سب لوگوں کو ساتھ لے کر مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ شروع فرمایا اور یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔ حضور کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اسی روز اسلام لائے۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت و شرافت مکہ معظمہ میں مسلم تھی اس کے باوجود آپ کو اس قدر مارا کہ پورا چہرہ اور کان و ناک سب لہولہان ہوگئے اور خون سے بھر گئے اور ہر طرح سے آپ کو بہت مارا یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ آپ کو وہاں سے اٹھا کر لائے اور کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ مشرکین کی اس مار کے بعد آپ زندہ بچ سکیں گے۔ آپ کے قبیلہ کے لوگ مسجد کعبہ میں آئے اور اعلان کیا کہ اگر (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) اس حادثہ میں انتقال کر گئے تو ہم ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا۔

شام تک آپ بے ہوش رہے اور جب ہوش میں آئے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے آپ کو بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ رہنے کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی اور دن بھر بے ہوش رہنے کے بعد بات کی تو سب سے پہلے انہی کا نام لیا۔ اور سب سے پہلے ان کا نام کیوں نہ لیں کہ ان کے خون کے ایک ایک قطرہ میں سرکارِ اقدس ﷺ کی محبت موجزن تھی۔ کچھ لوگ بددلی کے سبب اور بعض لوگ اس خیال سے اٹھ کر چلے گئے کہ جب بولنے لگے ہیں تو اب آپ کی جان بچ جائے گی۔ جاتے ہوئے لوگ آپ کی والدہ محترمہ حضرت اُمّ الخیر (رضی اللہ عنہا کہ بعد میں وہ بھی مسلمان ہوئیں) ان سے کہہ گئے کہ (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا

انتظام کردیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے کے لئے بہت کہا مگر عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اور ان پر کیا گزری؟ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ ان کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی بہن حضرت اُمّ جمیل (رضی اللہ عنہا) کے پاس جا کر دریافت کرو کہ حضور کا کیا حال ہے؟ وہ اپنے صاحبزادہ کی اس بیتابانہ درخواست کو پوری کرنے کے لئے دوڑی ہوئی حضرت اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور سیّدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ وہ بھی اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے ٹال دیا، کوئی واضح جواب نہیں دیا اور کہا کہ اگر تم کہو تو میں چل کر تمہارے بیٹے حضرت ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کو دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں چلو۔ حضرت اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا ان کے گھر گئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر برداشت نہ کر سکیں بے تحاشا رونے لگیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ حضرت اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا نے آپ کی والدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے نہ ڈرو۔ تو اُمّ جمیل نے کہا کہ حضور بخیر و عافیت ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ارقم (رضی اللہ عنہ) کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ فرمایا قسم ہے خدائے ذوالجلال کی کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گا جب تک کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کر لوں گا۔

آپ کی والدہ محترمہ تو بہت زیادہ بے قرار تھیں کہ آپ کچھ کھا پی لیں مگر آپ نے قسم کھالی کہ جب تک حضور انور کی زیارت نہیں کر لوں گا کچھ نہیں کھاؤں گا تو آپ کی والدہ نے لوگوں کی آمدورفت کے بند ہو جانے کا انتظار کیا تاکہ ایسا نہ ہو کوئی آپ کو دیکھ کر پھر اذیت پہنچا دے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گزر گیا اور لوگوں کی آمدورفت بند ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ محترمہ لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور سے لپٹ گئے اور حضور بھی اپنے عاشق صادق سے لپٹ کر روئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر

سب رونے لگے۔ (تاریخ الخلفاء وغیرہ)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ آقائے عالمیان نورِ مجسم ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غایت درجہ محبت تھی اور کیوں نہ ہو

محمد ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان و مال اولاد سے پیارا
محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
(ﷺ)

اور حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہ کی تنفیذ (نافذ کرنا) کی جس کو حضور ﷺ نے اپنے عہد مبارک کے آخر میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ابھی یہ لشکر تھوڑی ہی دور پہنچا تھا اور مدینہ طیبہ کے قریب مقام ذی خشب ہی میں تھا کہ حضور انور ﷺ نے اس عالم سے پردہ فرمایا۔ یہ خبر سن کر اطراف مدینہ کے عرب اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ صحابہ کرام نے مجتمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر زور دیا کہ آپ اس لشکر کو واپس بلالیں اس وقت اس لشکر کا روانہ کرنا کسی طرح مصلحت نہیں۔ مدینہ کے گرد تو عرب کے طوائف کثیرہ مرتد ہو گئے اور لشکر شام کو بھیج دیا جائے؟ اسلام کے لئے یہ نازک ترین وقت تھا حضورِ اقدس ﷺ کی وفات سے کفار کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور ان کی مردہ ہمتوں میں جان پڑ گئی تھی۔ منافقین سمجھتے تھے کہ اب کھیل کھیلنے کا وقت آ گیا۔ ضعیف الایمان دین سے پھر گئے۔ مسلمان ایک ایسے صدمہ میں شکستہ دل اور بے تاب و تواں ہو رہے ہیں جس کا مثل دنیا کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے دل گھائل ہیں اور آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔ کھانا پینا برا معلوم ہوتا ہے۔ زندگی ایک ناگوار مصیبت نظر آتی ہے۔ اس وقت حضور ﷺ کے جانشین کو نظم قائم کرنا، دین کا سنبھالنا، مسلمانوں کی حفاظت کرنا، ارتداد کے سیلاب کو روکنا کس قدر دشوار تھا۔ باوجود اس کے نبی کریم ﷺ کے روانہ کیے ہوئے لشکر کو واپس کرنا اور مرضی مبارک کے خلاف جرأت

کرنا صدیق سراپا صدق کا رابطۂ نیازمندی گوارا نہ کرتا تھا اور اس کو وہ ہر مشکل سے سخت تر سمجھتے تھے۔ اس پر صحابہ کا اصرار کہ لشکر واپس بلا لیا جائے اور خود حضرت اسامہ کا لوٹ کر آنا اور حضرت صدیق سے عرض کرنا کہ قبائل عرب آمادہ جنگ اور درپئے تخریب اسلام ہیں۔ اور کارآزما بہادر میرے لشکر میں ہیں۔ انہیں اس وقت روم بھیجنا اور ملک کو ایسے دلاور مردان جنگ سے خالی کر دینا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے اور مشکلات تھیں۔

صحابہ کرام نے اعتراف کیا ہے کہ اس وقت اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ دوسرا ہوتا تو ہرگز مستقل نہ رہتا اور مصائب و افکار کا یہ ہجوم اور اپنی جماعت کی پریشان حالت مبہوت کر ڈالتی۔ مگر اللہ اکبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات کو ذرہ بھر لغزش نہ ہوئی اور ان کے استقلال میں ایک شمہ فرق نہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر پرند میری بوٹیاں نوچ کھائیں تو مجھے یہ گوارا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک میں اپنی رائے کو دخل دینا اور حضور کے روانہ کئے ہوئے لشکر کو واپس کرنا گوارا نہیں، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا"۔ چنانچہ ایسی حالت میں آپ نے لشکر کو روانہ فرما دیا۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیرت انگیز شجاعت و لیاقت اور کمال دلیری و جواں مردی کے علاوہ ان کے توکل صادق کا بھی پتا چلتا ہے اور دشمن بھی انصافاً یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت و جانشینی کی اعلیٰ قابلیت و اہلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔

اب یہ لشکر روانہ ہوا اور جو قبائل مرتد ہونے کے لئے تیار تھے اور یہ سمجھ چکے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کا شیرازہ ضرور درہم برہم ہو جائے گا اور اس کی سطوت و شوکت باقی نہ رہے گی انہوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام رومیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگیا۔ اسی وقت ان کے خیالی منصوبے غلط ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں اسلام کے لئے ایسا زبردست نظم فرما دیا ہے جس سے مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم نہیں ہوسکتا۔ اور وہ ایسے غم و اندوہ کے وقت میں بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے سامنے اقوام عالم کو سرنگوں کرنے کے لئے ایک مشہور زبردست قوم پر

فوج کشی کرتے ہیں لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ اسلام مٹ جائے گا اور اس میں قوت باقی نہ رہے گی بلکہ ابھی صبر کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ یہ لشکر کس شان سے واپس ہوتا ہے۔ فضل الٰہی سے یہ لشکر ظفر پیکر فتح یاب ہوا۔ رومیوں کو ہزیمت وشکست ہوئی۔ جب یہ فاتح لشکر واپس آیا اس وقت وہ تمام قبائل جو مرتد ہونے کا ارادہ کر چکے تھے اس ناپاک قصد سے باز آئے اور اسلام پر سچائی کے ساتھ قائم ہو گئے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صائب الرائے صحابہ جو اس لشکر کی روانگی کے وقت نہایت شدت سے اختلاف فرما رہے تھے اپنی فکر کی خطا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے مبارک کے صائب اور ان کے علم کی وسعت کے معترف ہوئے۔ (سوانح کربلا)

اور بیہقی وابن عساکر میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر نہ ہوئے ہوتے تو روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کی عبادت باقی نہ رہ جاتی۔ اسی طرح قسم کے ساتھ آپ نے تین بار فرمایا لوگوں نے آپ سے عرض کیا اے ابو ہریرہ! آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو امیر لشکر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ فرمایا تھا اور وہ ابھی ذی خشب مقام پر تھے کہ حضور انور کا وصال ہو گیا۔ اس خبر کو سن کر اطراف مدینہ کے عرب مرتد ہو گئے۔ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات پر زور دیا کہ اسامہ کے لشکر کو واپس بلا لیں۔ آپ نے فرمایا وَالَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَوْ جَرَّتِ الْکِلَابُ بِاَرْجُلِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَارَدَدْتُّ جَیْشًا وَجَّھَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویوں کے پاؤں کتے پکڑ کر گھسیٹیں تب بھی میں اس لشکر کو واپس نہیں بلا سکتا جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا اور نہ میں اس پرچم کو سرنگوں کروں گا جس کو میرے حضور نے لہرایا تھا۔

پس حضرت اسامہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ روانہ ہوئے تو مرتد قبیلے دہشت زدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ سلطنت روم کی حد میں پہنچ گئے۔ طرفین میں جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کا

لشکر فتح یاب ہو کر واپس ہوا تو اس طرح اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۱)

محبوب دو عالم نبی کریم ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو بے انتہا اور غایت درجہ محبت تھی۔ اسی محبت کا یہ اثر ہے کہ ایسے نازک وقت میں صحابہ کرام کے زور ڈالنے کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو واپس بلانا اور پیارے مصطفیٰ کے لہرائے ہوئے جھنڈا کو سرنگوں کرنا آپ نے گوارا نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اسلام کا پھر سے بول بالا ہو گیا۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت نے اسلام کو زندہ جاوید بنا دیا (ایک بار پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

مانعین زکوٰۃ:

رحمت عالم ﷺ کے وصال فرمانے پر بعض لوگ تو اسلام کے سارے احکام کے منکر ہو کر مرتد ہو گئے تھے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے اور زکوٰۃ کی فرضیت چونکہ نص قطعی سے ثابت ہے تو اس کے منکر ہو کر وہ بھی مرتد ہو گئے۔ اسی لئے شارحین حدیث و فقہائے کرام مانعین زکوٰۃ کو مرتدین میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے ان سے کہا کہ اس وقت منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنا مناسب نہیں آپ نے فرمایا خدائے ذوالجلال کی قسم! اگر وہ لوگ ایک رسی یا بکری کا ایک بچہ بھی حضور کے زمانے میں زکوٰۃ دیا کرتے تھے اور اب اس کے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۱) پھر آپ مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر اعراب کی طرف نکل پڑے اور جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آپ امیر لشکر بنا کر واپس آ گئے۔ انہوں نے اعراب کو جگہ جگہ گھیرا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر جگہ فتح عطا فرمائی۔ اب صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی رائے کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ حق ہے۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر اس وقت مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی نہ کی جاتی اور انہیں چھوٹ دے دی جاتی تو پھر کچھ لوگ نماز کے بھی منکر ہو جاتے اور بعض لوگ روزہ سے بھی انکار کر دیتے اور کچھ لوگ بعض دوسری ضروری چیزوں کا انکار کر دیتے تو اسلام اپنی شان و شوکت کے ساتھ باقی نہ رہتا بلکہ کھیل بن جاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

مانعین زکوٰۃ اور ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جہاد کے نتیجہ میں حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "یہاں سے مسلمانوں کو سبق لینا چاہئے کہ ہر حالت میں حق کی حمایت اور ناحق کی مخالفت ضروری ہے اور جو قوم ناحق کی مخالفت میں سستی کرے گی وہ جلد تباہ ہو جائے گی۔ آج کل بعض سادہ لوح، باطل فرقوں کے رد کرنے کو بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس وقت آپس کی جنگ موقوف کرو۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طریق عمل سے سبق لینا چاہئے کہ آپ نے ایسے نازک وقت میں بھی باطل کی سرشکنی میں توقف نہ فرمایا جو فرقے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں ان سے غفلت برتنا یقیناً اسلام کی نقصان رسانی ہے"۔ (سوانح کربلا)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اور نماز مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ اسلام کی ساری باتوں کو ماننا ضروری ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اسلام کے سارے احکام پر ایمان رکھتا ہو لیکن ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر و مرتد ہے جیسے کہ مانعین زکوٰۃ ایک بات کا انکار کر کے کافر و مرتد ہوئے۔ **نعوذ باللہ من ذلک۔**

اور مسیلمہ کے ساتھی و مانعین زکوٰۃ کے کافر و مرتد ہونے سے بھی ثابت ہوا کہ "عرب میں کافر و مرتد نہ ہوں گے" یہ کہنا غلط ہے۔

غلط الزام:

رافضی لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ فدک کو غصب کر لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے وہ جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: لَا نُوْرِثُ مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۵۰)

اور مسلم شریف جلد دوم ص ۹۱ پر ہے کہ حضور ﷺ کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اَلَیْسَ قَدْقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرِثُ مَاتَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ یعنی کیا حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور بخاری جلد دوم ص ۵۷۵ و مسلم جلد دوم ص ۹۰ میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم موجود تھے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے۔

ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور انور ﷺ کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات، حضرت عباس اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا نہ کہ بغض وعداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے۔[1] اور آیت کریمہ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ یا اس کے علاوہ قرآن مجید وحدیث شریف میں جہاں بھی کہیں انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علمِ شریعت ونبوت ہی مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

---

[1] اس مسئلہ کے متعلق مفصل بحث ہمارے رسالہ ''باغ فدک اور حدیث قرطاس'' میں دیکھیں۔ (الامجدی)

علالت اور وفات:

واقدی اور حاکم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ نے ۷ جمادی الاخریٰ پیر کے روز غسل فرمایا۔ اس روز سردی بہت زیادہ تھی جو اثر کرگئی۔ آپ کو بخار آ گیا اور پندرہ دن تک آپ علیل رہے۔ اس درمیان میں آپ نماز کے لئے بھی گھر سے باہر تشریف نہیں لا سکے۔ آخر کار بظاہر اسی بخار کے سبب ۶۳ سال کی عمر میں ۲ سال ۲ ماہ سے کچھ زائد امور خلافت انجام دینے کے بعد ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پہلو میں مدفون ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی کرامتیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک بار میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تین آدمیوں کو اپنے گھر لائے اور ان کو کھانا کھلانے کا حکم فرما کر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے یہاں تک کہ آپ نے رات کا کھانا حضور ہی کے یہاں کھالیا اور بہت زیادہ رات گزر جانے کے بعد اپنے مکان پر تشریف لائے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے پاس آنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے ابھی تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کھانا پیش کیا تھا مگر مہمانوں نے آپ کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کردیا۔ یہ سن کر آپ اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو بہت برا بھلا کہا کہ اس نے مجھ کو مطلع کیوں نہیں کیا پھر کھانا منگا کر مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ اَیْمُ اللّٰہِ مَا کُنَّا نَاخُذُمِنَ اللُّقْمَۃِ اِلَّا رَبَامِنْ اَسْفَلِھَا اَکْثَرُمِنْھَا یعنی خدا کی قسم ہم جو بھی لقمہ اٹھاتے اس کے نیچے کھانا اس سے زیادہ ہوجاتا۔

یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر ہو گئے اور جتنا کھانا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ بچ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر اپنی بیوی سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ برتن میں کھانا پہلے سے کچھ زیادہ نظر آتا ہے؟ آپ کی بیوی نے قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ یہ کھانا پہلے سے تین گناہ زیادہ ہے پھر وہ کھانا اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ صبح تک کھانا بارگاہ رسالت میں رہا۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی مدت ختم ہو گئی تھی تو اس روز صبح کے وقت ایک لشکر تیار کیا گیا جس میں بہت کافی آدمی تھے پوری فوج نے اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اس برتن میں کھانا کم نہیں ہوا۔ (بخاری ص ۵۰۶ ج ۱)

مہمانوں کے کھانے کے بعد پہلے سے بھی کھانے کا تین گنا زیادہ ہو جانا اور صبح کے وقت پوری فوج کا اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھانا پھر بھی برتن میں کھانے کا کم نہ ہونا یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظیم کرامت ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض موت میں مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! میرے پاس جو کچھ میرا مال تھا آج وہ مال وارثوں کا ہو چکا ہے میری اولاد میں تمہارے دو بھائی عبدالرحمٰن و محمد ہیں اور تمہاری دو بہنیں ہیں لہٰذا میرے مال کو تم لوگ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابا جان میری تو ایک ہی بہن بی بی اسماء ہیں۔ یہ میری دوسری بہن کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے وہی تمہاری دوسری بہن ہے۔ چنانچہ آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے فرمان کے مطابق حبیبہ بنت خارجہ کے پیٹ سے لڑکی (ام کلثوم) ہی پیدا ہوئیں۔

(مؤطا امام محمد باب النحلی ص ۳۴۸)

اس حدیث شریف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو کرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی کرامت یہ کہ وفات سے پہلے آپ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا۔ اسی لئے آپ نے وصیت کے وقت یہ فرمایا کہ آج میرا مال میرے وارثوں کا

مال ہو چکا ہے اور دوسری کرامت یہ ثابت ہوتی ہے کہ حاملہ کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ آپ یقین کے ساتھ جانتے تھے اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے وہی تمہاری بہن ہے اور ان دونوں باتوں کا علم یقیناً غیب کا علم ہے جو بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو عظیم الشان کرامتیں ہیں۔

آپ کی خصوصیات:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن میں سے چند خصوصیات کو ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ابن عساکر حضرت امام شعبی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خدائے عزوجل نے ایسی چار خصلتوں سے مختص فرمایا جن سے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا۔ اول، آپ کا نام صدیق رکھا اور کسی دوسرے کا نام صدیق نہیں۔ دوسرے، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں رہے۔ تیسرے، آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں رفیق سفر رہے۔ چوتھے، سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ صحابہ کرام کو نماز پڑھائیں اور دوسرے لوگ آپ کے مقتدی بنیں۔ ایک بہت بڑی خصوصیت آپ کی یہ بھی ہے کہ آپ صحابی، آپ کے والد ابوقحافہ صحابی، آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن صحابی اور ان کے صاحبزادے ابوعتیق محمد صحابی یعنی آپ کی چار نسل صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سایۂ مصطفیٰ • مایۂ اصطفا ۔ عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ۔ ثانی اثنینِ ہجرت پہ لاکھوں سلام

دعا ہے کہ اللہ عزوجل ہم سب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی عطا فرمائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق رفیق بخشے، آمین۔

بجاہ حبیبك سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامه علیه وعلیهم اجمعین و برحمتك یاارحم الراحمین ۔

امیر المومنین

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا (پ۲۶۔ع۱۲) صدق اللہ مولینا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم الامین ۔ علیہ وعلٰی اٰلہٖ اکرم الصلوات والتسلیم ۔

ایک بار ہم اور آپ سب لوگ مل کر تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ دُرر بار میں درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں:

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

حقیقت میں کمال و خوبی والا وہ شخص ہے جو دوسروں کو بھی کمال و خوبی والا بنا دے تو ہمارے آقا و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں کمال و خوبی والے ہیں جنہوں نے بے شمار لوگوں کو کمال و خوبی والا بنا دیا اور ان کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے گا کہ قیامت تک اپنے جاں نثاروں کو کمال و خوبی والا بناتے رہیں گے۔

اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کمال و خوبی والا بنایا ان میں سے ایک مشہور و

معروف امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں کہ جو افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔

نام ونسب:

آپ کا نام عمر ہے رضی اللہ عنہ' کنیت ابوحفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور ماں کا نام عنتمہ ہے جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی یعنی ابوجہل کی بہن ہیں۔ آٹھویں پشت میں آپ کا شجرہ نسب سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شجرہ سے ملتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ نبوت کے چھٹے سال ۲۷ برس کی عمر میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول فرمایا جبکہ ۴۰ مرد اور ۱۱ عورتیں ایمان لا چکی تھیں اور بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ نے ۳۹ مرد اور ۲۳ عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔

(تاریخ الخلفاء)

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے یا الٰہ العالمین! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو تجھے پیارا ہو اس سے تو اسلام کو عزت عطا فرما اور حاکم کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ حضور نے اس طرح دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً یعنی یا اللہ! خاص طور سے عمر بن خطاب کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت و قوت عطا فرما تو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوگئے۔

آپ کے قبول اسلام کا واقعہ:

دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتے ہوئے دیکھ کر ایک روز کفار مکہ جمع ہوئے اور سب نے یہ طے کیا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔ (معاذ اللہ رب العالمین) مگر سوال پیدا ہوا کہ کون قتل کرے۔ مجمع میں اعلان ہوا کہ ہے کوئی بہادر جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دے اس اعلان پر پورا مجمع تو خاموش رہا مگر (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا۔ لوگوں نے کہا بیشک تم ہی ان کو قتل کر سکتے ہو۔ پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اٹھے اور تلوار لٹکائے ہوئے چل دیئے۔ اسی خیال میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ زہرہ کے

جن کا نام حضرت نعیم بن عبداللہ بتایا جاتا ہے اور بعض لوگوں نے دوسروں کا نام لکھا ہے۔
بہر حال انہوں نے پوچھا کہ اے عمر! کہاں جا رہے ہو؟ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم نے کہا کہ اس قتل کے بعد تم بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ وہ تمہیں ان کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔ اس بات کو سن کر وہ بگڑ گئے اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ تو لاؤ میں پہلے تجھی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور حضرت نعیم نے بھی یہ کہا کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں اپنی تلوار سنبھالی۔ عنقریب دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو پہلے اپنے گھر کی خبر لے۔ تیری بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید دونوں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو بے انتہا غصہ پیدا ہوا۔ وہیں سے پلٹ پڑے اور سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ دروازہ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ ان کی آواز سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر کے ایک حصہ میں چھپ گئے۔ بہن نے دروازہ کھولا۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ اور یہ آواز کس کی تھی؟ آپ کے بہنوئی نے ٹال دیا اور کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر چکے ہو۔ بہنوئی نے کہا ہاں باپ دادا کا دین باطل ہے اور دوسرا دین حق ہے۔ یہ سننا تھا کہ بے تحاشا ٹوٹ پڑے۔ ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور زمین پر پٹک کر خوب مارا۔ ان کی بہن چھڑانے کے لئے دوڑیں تو ان کے منہ پر ایک گھونسا اتنی زور سے مارا کہ وہ خون سے تر بتر ہو گئیں۔ آخر وہ بھی حضرت عمر ہی کی بہن تھیں کہنے لگیں کہ عمر ہم کو اس وجہ سے مار رہے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ تم مار مار کے ہمارے خون کا ایک ایک قطرہ نکال لو یہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے دل سے ایمان نکال لو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور آپ کی بہن نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بیشک ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تجھ سے جو ہو سکے تو کر لے۔ بہن کے

جواب اوران کوخون سے تر بتر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے وہ کتاب دو جوتم لوگ پڑھ رہے تھے تا کہ میں بھی اس کو پڑھوں۔آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہواور اس مقدس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔حضرت عمر نے ہر چند اصرار کیا مگر وہ بغیر غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا پھر کتاب پڑھی۔اس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کو پڑھنا شروع کیا جس وقت اس آیت کریمہ پر پہنچے اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝ یعنی بیشک میں اللہ ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرواور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔(پ ۱۶ ع ۱۰) تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لے چلو۔جس وقت حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو آپ باہر نکل آئے اور کہا کہ اے عمر! میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ کل جمعرات کی شب میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ یا الٰہ العالمین! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے محبوب و پیارا ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صفا پہاڑی کے قریب حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔حضرت خباب رضی اللہ عنہ آپ کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے چلے۔حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر حضرت حمزہ، حضرت طلحہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حفاظت اور نگرانی کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ: عمر آرہے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی بھلائی منظور ہے تب تو یہ میرے ہاتھ سے بچ جائیں گے اور اگر ان کی نیت کچھ اور ہے تو اس وقت ان کا قتل کرنا بہت آسان ہے۔اسی درمیان میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان حالات کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی۔سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان سے باہر تشریف لا کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا دامن اوران کی تلوار پکڑ لی اور فرمایا اے عمر! کیا یہ فساد تم اس وقت تک برپا کرتے رہو گے جب تک کہ تم پر ذلت و رسوائی مسلط نہ ہو جائے۔یہ سنتے ہی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔یعنی میں گواہی

دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (تاریخ الخلفاء وغیرہ)

اس طرح اللہ کے محبوب پیارے مصطفیٰ ﷺ کی دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

اور فرماتے ہیں:

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ

چلے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیارے مصطفیٰ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے (معاذ اللہ) مگر خود ہی قتیل تیغ ابروئے محمد ﷺ ہو گئے۔

شد غلامے کہ آب جو آرد
آب جو آمد و غلام ببرد

اس واقعہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ دیکھئے اسلام قبول کرنے والے کے ہاتھ میں شمشیر ہے اور اسلام پھیلانے والے کا ہاتھ شمشیر سے خالی ہے۔

(ایک مرتبہ سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

فاروق کا لقب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا تو میرے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں اس وقت جتنے مسلمان حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھے سب نے اتنی زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس کو مکہ کے سب لوگوں نے سنا۔ میں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضور نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بیشک ہم حق پر ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا پھر یہ پوشیدگی اور پردہ کیوں ہے؟ اس کے

بعد ہم سب مسلمان اس گھر سے دو صفیں بنا کر نکلے۔ ایک صف میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری صف میں میں تھا اور اسی طرح ہم سب صفوں کی شکل میں مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ کفار قریش نے مجھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جب مسلمانوں کے گروہ کے ساتھ دیکھا تو ان کو بے انتہا ملال ہوا۔ اس روز سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ اس لئے کہ اسلام ظاہر ہو گیا اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۷۸)

اظہارِ اسلام:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہو گیا تو اس کے بعد اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام کے پاس پہنچا۔ ابوجہل خاندان قریش میں بہت با اثر سمجھا جاتا تھا اور اس کو بھی رئیس قریش کی حیثیت حاصل تھی۔ میں نے اس کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ اس نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں عمر ہوں۔ اور میں تمہارا دین چھوڑ کر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا عمر! ایسا کبھی مت کرنا مگر میرے ڈر کے سبب باہر نہیں نکلا بلکہ اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ میں نے کہا یہ کیا طریقہ ہے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ دروازہ کھولا۔ میں اسی طرح دیر تک باہر کھڑا رہا۔ پھر وہاں سے قریش کے ایک دوسرے سردار اور با اثر شخص کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو پکارا۔ وہ نکلا تو جو بات میں نے اپنے ماموں ابوجہل سے کہی تھی کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں وہی بات اس سے بھی کہی۔ تو اس نے بھی کہا کہ ایسا مت کرنا۔ پھر میرے خوف سے گھر کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ کیا معاملہ ہے کہ مسلمان مارے جاتے ہیں اور میں نہیں مارا جاتا ہوں۔ کوئی مجھ سے کچھ تعارض نہیں کرتا۔ میری یہ باتیں سن کر ایک شخص نے کہا کہ تم اپنا اسلام اور اپنا دین اس طرح ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں میں اسی طرح ظاہر کروں گا۔ اس نے کہا وہ دیکھو پتھر کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں فلاں شخص ایسا ہے کہ اگر اس سے تم کچھ راز کی بات کہو تو وہ فوراً اعلان کر دے گا۔ اس سے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر دو ہر جگہ خبر ہو جائے گی۔ ایک ایک آدمی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں وہاں پہنچا اور اس سے اپنے اسلام قبول کرنے کو ظاہر کیا۔ اس نے کہا کیا واقعی تم

مسلمان ہو چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں بیشک میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ اے لوگو! عمر بن خطاب ہمارے دین سے نکل گیا۔ یہ سنتے ہی اِدھر اُدھر جو مشرکین بیٹھے ہوئے تھے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ پھر دیر تک مار پیٹ ہوتی رہی۔ شوروغل کی آواز میرے ماموں ابوجہل نے سنی۔ اس نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمر مسلمان ہو گیا ہے۔ میرا ماموں ابوجہل ایک پتھر پر چڑھا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دے دی۔ یہ سنتے ہی جو لوگ مجھ سے الجھ رہے تھے الگ ہو گئے مگر یہ بات مجھے بہت ناگوار ہوئی کہ دوسرے مسلمانوں کو مار پیٹ ہو اور مجھ کو پناہ دے دی جائے۔ میں ابوجہل کے پاس پھر پہنچا اور کہا جِوَارُكَ رُدَّ عَلَيْكَ یعنی تیری پناہ میں تجھے واپس کرتا ہوں۔ مجھے تیری پناہ کی ضرورت نہیں۔ پھر کچھ دنوں تک مار پیٹ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۷۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا اسلام کی فتح تھی۔ ان کی ہجرت نصرت الٰہی تھی اور ان کی خلافت رحمت خداوندی تھی۔ ہم میں سے کسی کی یہ ہمت و طاقت نہیں تھی کہ ہم بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھ سکیں مگر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مشرکین سے اس قدر جنگ و جدال کیا کہ انہوں نے عاجز آ کر مسلمانوں کا پیچھا چھوڑ دیا تو ہم بیت اللہ شریف کے پاس اطمینان سے علانیہ نماز پڑھنے لگے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے سب سے پہلے اپنا اسلام علی الاعلان ظاہر کیا وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت عمر ایمان لائے تب اسلام ظاہر ہوا۔ یعنی اس سے پہلے لوگ اپنا اسلام قبول کرنا ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کے ایمان لانے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف کھلم کھلا بلایا جانے لگا اور ہم بیت اللہ شریف کے پاس مجلسیں قائم کرنے، اس کا علانیہ طواف کرنے، کافروں سے بدلہ لینے اور ان کا جواب دینے کے قابل ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۷۹)

آپ کی ہجرت:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہجرت بھی بے مثال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے علانیہ ہجرت کی ہو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کی نیت سے نکلے تو آپ نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور کمان کندھے پر، اور ترکش سے تیر نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر بیت اللہ شریف کے پاس حاضر ہوئے۔ وہاں بہت سے اشراف قریش بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اطمینان سے کعبہ شریف کا طواف کیا پھر بہت اطمینان سے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اشراف قریش کی جماعت کے پاس آ کر ایک ایک شخص سے الگ الگ فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْه ۔ یعنی تم لوگوں کے چہرے بدشکل ہو جائیں بگڑ جائیں اور تمہارا ناس ہو جائے۔ اس کے بعد فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ تَثْكَلَهٗ اُمُّهٗ وَيَتَمَ وَلَدُهٗ وَتُرْمِلَ زَوْجَتُهٗ فَلْيَلْقَنِيْ وَرَاءَ هٰذَا الْوَادِيْ ۔ یعنی جو شخص کہ اپنی ماں کو بے اولاد، اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس وادی کے اس طرف آ کر میرا مقابلہ کر لے۔ آپ کے اس طرح للکارنے کے باوجود ان اشراف قریش میں سے کسی مائی کے لال کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ کا پیچھا کرتا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۷۹)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے ہجرت کر کے حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے۔ پھر حضرت ابن اُمّ مکتوم اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۲۰ سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ پیچھے تشریف لائیں گے تو آپ کے بعد سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

امام نووی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور آپ وہ بہادر ہیں کہ غزوہ اُحد میں جبکہ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہو گئی تو اس حالت میں بھی آپ ثابت

قدم رہے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا حلیہ:

حضرت زر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ کے سر کے بال خود پہننے کی وجہ سے گر گئے تھے۔ قد آپ کا لمبا تھا۔ مجمع میں آپ کا سر دوسرے لوگوں کے سروں سے اونچا معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی جانور پر سوار ہیں۔

اور علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ جو لوگ گندمی بتلاتے ہیں انہوں نے قحط کے زمانے میں آپ کو دیکھا ہوگا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں زیتون کا تیل استعمال کرنے کے سبب رنگ آپ کا گندمی ہو گیا تھا۔

اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے باپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ آخری عمر میں سر کے بال جھڑ گئے تھے اور بڑھاپے کے آثار ظاہر تھے۔ اور ابن رجاء سے ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طویل القامت اور موٹے بدن کے آدمی تھے۔ سر کے بال بہت زیادہ جھڑے ہوئے تھے۔ رنگ بہت گورا تھا جس میں سرخی جھلکتی تھی۔ آپ کے گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔ مونچھوں کے کنارے کا حصہ بہت لمبا تھا اور ان کے اطراف میں سرخی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۹)

(ایک بار سب لوگ مل کر پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

فاروق اعظم اور احادیث کریمہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ۔ یعنی اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمر ہوتے۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۸) سبحان اللہ۔ یہ ہے مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوتے تو آپ نبی ہوتے۔ اس حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا عظیم الشان بیان ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ ۔یعنی میں بلاشبہ نگاہ نبوت سے دیکھ رہا ہوں کہ جنّ کے شیطان بھی اور انسان کے شیطان بھی دونوں میرے عمر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۸) یہ رعب ودبدبہ ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کہ چاہے جن کا شیطان ہو یا انسان کا دونوں ان کے ڈر سے بھاگ جاتے ہیں۔

اور مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۴۲۶ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "عمر با من ست و من با عمرم وحق با عمرست ہر جا کہ باشد" یعنی عمر مجھ سے ہیں اور میں عمر سے ہوں اور عمر جس جگہ بھی ہوتے ہیں حق ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ رضی اللہ عنہ

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو خواب دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور مجھ کو دکھائے جا رہے ہیں۔ وہ سب کرتے پہنے ہوئے تھے جن میں سے کچھ لوگوں کے کرتے ایسے تھے جو صرف سینے تک تھے اور بعض لوگوں کے کرتے اس سے نیچے تھے۔ پھر عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا جو اتنا لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے کہ زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ دین۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷) اس حدیث شریف میں اس بات کا واضح بیان کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دینداری اور تقویٰ شعاری میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرما دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷) مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں۔ ان کے قلب اور زبان پر باطل کبھی جاری نہیں ہوتا۔

اور طبرانی اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ اَبْغَضَ عُمَرَ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ یعنی جس شخص نے عمر سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی اور جس نے عمر سے محبت کی اس

نے مجھ سے محبت کی۔ اور خدائے تعالیٰ نے عرفہ والوں پر عموماً اور عمر پر خصوصاً فخر و مباہات کی ہے۔ رضی اللہ عنہ اور جتنے انبیائے کرام دنیا میں مبعوث ہوئے ہر نبی کی امت میں ایک مُـحـدَّث ضرور ہوا ہے اور اگر کوئی محدث میری امت میں ہے تو وہ عمر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! محدث کیسا ہوتا ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ بات کریں وہ محدث ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۱)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَـقَـدْ کَـانَ فِـیْـمَـا قَبْلَکُم مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ اَحَدٌ فِیْ اُمَّتِیْ فَاِنَّهٗ عُـمَـرُ ۔ یعنی تم سے پہلے امتوں میں محدث ہوئے ہیں اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دنیا نہیں آئی اور نہ انہوں نے اس کی خواہش و تمنا فرمائی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دنیا بہت آئی لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ ٹھکرا دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۲)

بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دنیا آئی کہ ان کے زمانہ خلافت میں بہت ممالک فتح ہوئے اور بے شمار شہروں پر قبضہ ہوا جہاں سے بے انتہا مال غنیمت حاصل ہوا مگر آپ فقیرانہ ہی زندگی گزارتے تھے۔ آپ ہی کے زمانہ خلافت میں شہر مدائن فتح ہوا اور وہاں سے اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ اس سے پہلے کسی شہر کے فتح ہونے پر نہیں حاصل ہوا تھا۔ شہر مدائن کے مال غنیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس شہر کے فتح کرنے والے لشکر کے سپاہی ساٹھ ہزار تھے۔ بیت المال کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ہر سپاہی کو بارہ ہزار درہم نقد ملا تھا اور یہ مال کسریٰ بادشاہ کے اس فرش کے علاوہ تھا جو سونے چاندی اور جواہرات سے بنا ہوا تھا جس کو مخصوص درباروں میں کسریٰ بادشاہ کے لئے بچھایا جاتا تھا۔ یہ فرش لشکر کی اجازت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ اس فرش کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ایک بالشت مربع ٹکڑے کی قیمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۲۰ ہزار کی رقم ملی تھی۔ تو اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دنیا آتی تھی مگر آپ ہمیشہ

اسے ٹھکراتے رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا کہ لوگوں کو ان کی تنخواہیں اور اس کے ساتھ عطیات کے طور پر بھی مال تقسیم کردو۔ انہوں نے آپ کو لکھا کہ میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی مال بہت زیادہ موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تحریر فرمایا کہ کل مال ''مال غنیمت'' ہے جو خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا ہے لہٰذا وہ سب مال انہیں پر تقسیم کردو۔ وہ مال عمر یا اس کی اولاد کا نہیں ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۸)

آپ کی رائے سے قرآن کی موافقت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائیں موجود ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر کسی معاملہ میں لوگوں کی رائے دوسری ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تو قرآن مجید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا اور حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی معاملہ میں جو کچھ مشورہ دیتے تھے قرآن شریف کی آیتیں اسی کے مطابق نازل ہوئی تھیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے رب نے ان سے ۲۱ باتوں میں موافقت فرمائی ہے۔ ان میں سے چند باتوں کا آپ لوگوں کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اور حضور کی خدمت میں ازواج مطہرات بھی ہوتی ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری اس عرض کے بعد امہات المؤمنین کے پردہ کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ یعنی اور جب تم امہات المؤمنین سے استعمال کرنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ (پ ۲۲ ع ۴۔ تاریخ الخلفاء)

ملک شام سے ایک قافلہ کے ساتھ ابوسفیان کے آنے کی خبر پا کر نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ معظّمہ سے ابوجہل کفار قریش کا ایک بھاری لشکر لے کر قافلہ کی امداد کے لئے روانہ ہوا۔ ابوسفیان تو راستہ سے ہٹ کر اپنے قافلہ کے ساتھ سمندر کے ساحل کی طرف چل پڑے۔ تو ابوجہل سے اس کے ساتھیوں نے کہا کہ قافلہ تو بچ گیا اب مکہ معظّمہ واپس چلو مگر اس نے انکار کر دیا اور حضور انور ﷺ سے جنگ کرنے کے ارادہ سے بدر کی طرف چل پڑا۔ حضور انور ﷺ نے صحابہ کرام سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس تیاری سے نہیں چلے تھے نہ ہماری تعداد زیادہ ہے نہ ہمارے پاس کافی سامان اسلحہ ہے مگر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدر کی طرف نکل کر کافروں سے مقابلہ کرنے ہی کا مشورہ دیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝

(پ۹ ع۱۵)

یعنی اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ (بدر کی طرف) برآمد کیا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملا اور آپ سے کہنے لگا کہ جبریل فرشتہ جس کا تذکرہ آپ کے نبی (ﷺ) کرتے ہیں وہ ہمارا سخت دشمن ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَ مِيْكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور حضرت جبریل و حضرت میکائیل علیہما السلام کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ تو جن الفاظ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کو جواب دیا بالکل انہی الفاظ کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (پ۱ ع۱۲۔ تاریخ الخلفاء ص۸۴) آیت مبارکہ کے آخری جملہ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ سے معلوم ہوا کہ انبیاء و ملائکہ کی عداوت کفر ہے اور محبوبان حق سے دشمنی کرنا خدائے تعالیٰ سے دشمنی کرنا ہے۔

پہلی شریعتوں میں روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا پینا اور ہمبستری کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا۔ بعد نماز عشاء یہ ساری چیزیں رات میں بھی حرام ہو جاتی تھیں۔ یہ حکم حضور انور ﷺ کے زمانہ مبارکہ تک باقی رہا۔ یہاں تک کہ رمضان شریف کی رات میں بعد نماز عشاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہمبستری ہوگئی جس پر وہ بہت نادم اور شرمندہ ہوئے۔ حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآءِ کُمْ۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا (یعنی ان سے ہمبستری کرنا) تمہارے لئے حلال ہوگیا۔ (پ۲ع۷)

بِشر نامی ایک منافق تھا اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو سید عالم ﷺ سے فیصلہ کرالیں۔ منافق نے خیال کیا کہ حضور انور ﷺ حق فیصلہ کریں گے کبھی کسی کی طرفداری اور رعایت نہ مانیں گے جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکے گا اس لئے اس نے مدعی ایمان ہونے کے باوجود کہا کہ ہم کعب بن اشرف یہودی کو پنچ بنائیں گے۔ یہودی جس کا معاملہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ کعب رشوت خور ہے اور جو رشوت خور ہوتا ہے اس سے صحیح فیصلہ کی امید رکھنا غلط ہے۔ اس لئے کعب کے ہم مذہب ہونے کے باوجود یہودی نے اس کو پنچ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو منافق کو فیصلہ کے لئے سرکارِ اقدس ﷺ کے یہاں مجبوراً جانا پڑا۔ حضور انور ﷺ نے جو حق فیصلہ کیا وہ اتفاق سے یہودی کے موافق اور منافق کے مخالف ہوا۔ منافق حضور کا فیصلہ سننے کے بعد پھر یہودی کے درپے ہوا اور اسے مجبور کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ یہودی نے آپ سے عرض کیا کہ میرا اور اس کا معاملہ حضور انور ﷺ طے فرما چکے ہیں لیکن یہ حضور کے فیصلہ کو نہیں مانتا۔ آپ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو میں ابھی آ کر فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ یہ فرما کر مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار لا کر اس منافق مدعی ایمان کو قتل کر دیا اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو نہ مانے اس کے متعلق میرا یہی فیصلہ ہے۔ تو بیان واقعہ کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ (پ۵رکوع۶) کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔ پھر چاہتے ہیں کہ اپنا پنچ شیطان کو بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے ہرگز نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے انہیں دور بہکا دے۔ (تفسیر جلالین وصاوی)

پھر کسی نے سید عالم ﷺ کو اطلاع دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کو قتل کر دیا جو حضور ﷺ کے دربار میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر سے ایسی امید نہیں کہ وہ کسی مومن کے قتل پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے پھر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۴)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ یعنی تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ تسلیم کر لیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ (پ۵ ع۶)

ان واقعات سے خداوند قدوس کی بارگاہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عزت وعظمت کا پتا چلتا ہے کہ ان کی باتوں کے موافق وحیِ الٰہی اور قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ مزید تفصیل جاننے کے لئے تاریخ الخلفاء وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

(ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

آپ کی خلافت:

برادرانِ ملت! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واقعہ علامہ واقدی کی روایت کے مطابق یوں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طبیعت علالت کے سبب بہت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان

سے فرمایا کہ عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں جتنا کہ آپ ان کے بارے میں خیال فرماتے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ مجھ سے زیادہ آپ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ تو بتلاؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا مثل کوئی نہیں۔ پھر آپ نے سعید بن زید، اُسید بن حُضیر اور دیگر انصار و مہاجرین حضرات سے بھی مشورہ لیا اور ان کی رائیں معلوم کیں۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ اور اللہ جس سے ناخوش ہوتا ہے اس سے وہ بھی ناخوش رہتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی اچھا ہے۔ اور کارِ خلافت کے لئے اُن سے زیادہ مستعد اور قوی شخص کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر کچھ اور صحابہ کرام آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی سے آپ واقف ہیں اس کے باوجود اگر آپ ان کو خلیفہ مقرر کریں گے تو خدائے تعالیٰ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تم نے مجھ کو خوف زدہ کر دیا مگر میں بارگاہ خداوندی میں عرض کروں گا کہ یا الٰہ العالمین! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین شخص کو خلیفہ بنایا ہے اور اے اعتراض کرنے والے یہ جو کچھ میں نے کہا ہے تم دوسرے لوگوں کو بھی پہنچا دینا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھئے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: یہ وصیت نامہ ہے جو ابوبکر بن ابو قحافہ نے اپنے آخری زمانہ میں دنیا سے رخصت ہوتے وقت اور عہد آخرت کے شروع میں عالم بالا میں داخل ہوتے وقت لکھایا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ایک کافر بھی ایمان لے آتا ہے۔ ایک فاسق و فاجر بھی یقین کی روشنی حاصل کر لیتا ہے اور ایک جھوٹا بھی سچ بولتا ہے۔ مسلمانو! اپنے بعد میں نے تمہارے اوپر عمر بن خطاب کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ ان کے احکام کو سننا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔ میں

نے حتی الامکان خدا و رسول، دین اور اپنے نفس کے بارے میں کوئی تقصیر و غلطی نہیں کی ہے اور جہاں تک ہوسکا تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) عدل و انصاف سے کام لیں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو میرے خیال کے مطابق ہوگا اور اگر انہوں نے عدل و انصاف کو چھوڑ دیا اور بدل گئے تو ہر شخص اپنے کیے کا جواب دہ ہوگا اور اے مسلمانو! میں نے تمہارے لئے نیکی اور بھلائی ہی کا قصد کیا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۝ (پ۱۹ ع۱۵) یعنی اور ظالم عنقریب جانیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

پھر آپ نے اس وصیت نامہ کو سر بمہر کرنے کا حکم فرمایا۔ جب وہ مہر بند ہو گیا تو آپ نے اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جسے لے کر وہ گئے لوگوں نے راضی خوشی سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر کچھ وصیتیں فرمائیں اور جب وہ چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور عرض کیا یا الٰہ العالمین! یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اس سے میری نیت مسلمانوں کی فلاح و بہبود ہے تو اس بات سے خوب واقف ہے کہ میں نے فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے ایسا کام کیا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں اپنی رائے کے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ مسلمانوں میں جو سب سے بہتر ہے میں نے اس کو ان کا والی بنایا ہے اور وہ ان میں سب سے قوی اور نیکی پر حریص ہے۔

اور یا الٰہ العالمین! میں تیرے حکم سے تیری بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ الٰہی! تو ہی اپنے بندوں کا مالک و مختار ہے اور ان کی باگ ڈور تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ یا الٰہ العالمین! ان لوگوں میں درستگی اور صلاحیت پیدا کرنا اور عمر کو خلفاء راشدین میں سے کرنا اور ان کے ساتھ ان کی رعیت کو اچھی زندگی بسر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرما۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

رافضی لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت) ابوبکر نے جو اپنی زندگی میں خلیفہ منتخب کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اس لئے کہ حضور نے اپنی ظاہری زندگی میں کسی کو خلیفہ نہیں

بنایا حالانکہ وہ اچھائی اور برائی کو خوب جانتے تھے اور اپنی امت پر پوری پوری شفقت و رأفت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود آپ نے امت پر کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور (حضرت) ابوبکر نے (حضرت) عمر کو اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا جو حضور کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔

اس اعتراض کے تین جواب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا اپنی ظاہری زندگی میں امت پر خلیفہ نہ بنانا کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے اس لئے کہ رافضی سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا لہٰذا اگر حضرت ابوبکر صدیق نے بھی سنت نبوی کی پیروی میں خلیفہ منتخب کر دیا تو اس میں مخالفت کہاں سے لازم آ گئی۔ اور اگر جواب کی بنیاد مذہب اہلسنت پر رکھیں تو اہلسنت کے محققین اس بات کے قائل ہیں کہ سرکارِ اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز اور حج میں اپنا نائب و خلیفہ بنایا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو حضور انور ﷺ کے رمز شناس، آپ کے کاموں کی باریکیوں سے آگاہ اور آپ کے اشاروں کو اچھی طرح سمجھتے تھے ان کے لئے اتنا ہی اشارہ کافی تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف اس نقطہ نظر سے خلافت نامہ لکھوایا کہ عرب و عجم کے نومسلم بغیر تصریح و تخصیص کے اس سے واقف نہ ہو سکیں گے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں فرمایا کہ وحی الٰہی سے پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں گے صحابہ انہیں پر اتفاق کریں گے اور کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ احادیث کریمہ جو اہلسنت کی صحیح کتابوں میں موجود ہیں اس بات پر واضح طریقے سے دلالت کرتی ہیں مثلاً حضور انور ﷺ نے فرمایا یَابَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ یعنی اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے اور حدیث شریف میں ہے: فَاِنَّہُ الْخَلِیْفَۃُ مِنْ بَعْدِیْ یعنی میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے۔ اور جب حضور انور ﷺ کو یقین کامل تھا کہ خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق ہی ہوں گے تو خلافت نامہ لکھنے کی کوئی حاجت نہ

تھی۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ مرض وفات میں حضور انور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کے صاحبزادے کو بلایا تاکہ خلافت نامہ لکھیں۔ پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ لکھنے کی حاجت کیا ہے؟ تو آپ نے ارادہ ترک فرما دیا۔ بخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ آپ کے پاس وحی نہیں آتی تھی اور نہ آپ کو اس بات کا قطعی علم تھا کہ میرے بعد لوگ بلاشبہ عمر بن خطاب کو خلیفہ بنائیں گے اور اپنی عقل سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اچھا سمجھتے تھے اس لئے ان پر ضروری تھا کہ جس چیز میں امت کی بھلائی دیکھیں اس پر عمل کریں۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کی عقل نے صحیح کام کیا کہ اسلام کی شوکت، انتظام امور سلطنت اور کافروں کی ذلت جس قدر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ خلیفہ نہ بنانا اور چیز ہے اور خلیفہ بنانے سے منع کرنا اور چیز ہے۔ مخالفت جب لازم آتی کہ حضور انور ﷺ خلیفہ بنانے سے روکے ہوتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا دیتے اور اگر خلیفہ بنانا حضور کی مخالفت کرنا ہے تو لازم آئے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن کو خلیفہ بنا کر حضور انور ﷺ کی مخالفت کی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (تحفہ اثنا عشریہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنا کر نہایت عقلمندی اور دانشمندی سے کام لیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے اسلام اپنی خوبیوں کی بنا پر روز بروز پھیلتا ہی جائے گا۔ بڑی بڑی سلطنتیں زیر نگیں ہوں گی اور بڑے بڑے ممالک فتح ہوں گے جہاں سے بہت مال غنیمت آئے گا لوگ خوشحال و مالدار ہو جائیں گے اور مالداری کے بعد اکثر دنیاداری آ جاتی ہے دینداری کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اب میرے بعد عمر (رضی اللہ عنہ) جیسے شخص کو خلیفہ ہونا ضروری ہے جو دین کے معاملہ میں بہت سخت ہیں اور شریعت کے معاملہ میں کسی کی پروا نہیں کرتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ خیال کیا کہ حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے مستحق اور حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے تو اس نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو خطا کار ٹھہرانے کے ساتھ تمام انصار و مہاجرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی خطا کار ٹھہرایا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(تاریخ الخلفاء ص ۸۳)

کرامات حضرت عمر فاروق اعظم:

برادرانِ اسلام! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بہت سی کرامتیں بھی ظاہر ہوئی ہیں۔ جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر آپ کے سامنے کیا جاتا ہے۔ علامہ ابونعیم نے دلائل میں حضرت عمر بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے یکایک آپ نے درمیان میں خطبہ چھوڑ کر تین بار یہ فرمایا یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ، یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ، یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اس طرح حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو پکار کر پہاڑ کی طرف جانے کا حکم دیا اور اس کے بعد پھر خطبہ شروع فرما دیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعد نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ تو خطبہ فرما رہے تھے پھر یکایک بلند آواز سے کہنے لگے یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلْ۔ تو کیا معاملہ تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے خدائے ذوالجلال کی میں ایسا کہنے پر مجبور ہو گیا تھا رَأَیْتُہُمْ یُقَاتِلُوْنَ عِنْدَ جَبَلٍ یُؤْتَوْنَ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ وَمِنْ خَلْفِہِمْ فَلَمْ اَمْلِكْ اَنْ قُلْتُ یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ۔ یعنی میں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور کفار ان کو آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے کہہ دیا کہ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ۔

اس واقعہ کے کچھ روز بعد حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا قاصد ایک خط لے کر آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم لوگ جمعہ کے دن کفار سے لڑ رہے تھے اور قریب تھا کہ ہم شکست کھا جاتے کہ عین جمعہ کی نماز کے وقت ہم نے کسی کی آواز سنی یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔ اس آواز کو سن کر ہم پہاڑ کی طرف چلے گئے تو خدائے تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ہم نے انہیں قتل کر ڈالا۔ اس طرح ہم کو فتح حاصل ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۶)

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نہاوند میں لڑائی کر رہے تھے جو ایران میں صوبہ آذربائیجان کے پہاڑی شہروں میں سے ہے اور مدینہ طیبہ سے اتنی دور ہے کہ اس زمانہ میں وہاں سے چل کر ایک ماہ کے اندر نہاوند نہیں پہنچ سکتے تھے جیسا کہ حاشیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم صفحہ ۱۰۶ میں ہے کہ "نہاوند در (ایران) صوبہ آذربائیجان از بلاد جبال ست کہ از مدینہ بیک ماہ آنجا نتواں رسید"۔ تو جب نہاوند مدینہ طیبہ سے اتنی دور ہے کہ اس زمانہ میں آدمی وہاں سے چل کر ایک ماہ میں نہاوند نہیں پہنچ سکتا تھا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں خطبہ فرماتے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو نہاوند میں لڑتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ دشمن مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں اور پہاڑ قریب میں ہے۔ پھر آپ نے انہیں آواز دے کر پہاڑ کی طرف جانے کا حکم فرمایا اور بغیر کسی مشین کی مدد کے اپنی آواز کو وہاں تک پہنچا دیا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کھلی ہوئی کرامت ہے۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کو امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے جو حدیث کی مشہور و معتمد کتاب مشکوٰۃ شریف کے ص ۵۴۶ پر بھی لکھی ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جمرہ یعنی چنگاری۔ پھر آپ نے اس کے باپ کا نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا شہاب یعنی شعلہ۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا تمہارے قبیلہ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حرقہ یعنی آگ اور جب آپ نے اس کے رہنے کی جگہ دریافت کی تو اس نے حرہ بتایا یعنی گرمی۔ آپ نے پوچھا کہ حرہ کہاں ہے؟ اس نے کہا ذات لظیٰ (شعلہ والی) جگہ میں ان سارے جوابات کو سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَدْرِكْ اَهْلَكَ

فَقَدِ احْتَرَقُوْا ۔یعنی اپنے اہل وعیال کی خبر لو کہ وہ سب جل کر مر گئے ۔جب وہ شخص اپنے گھر واپس ہوا تو دیکھا واقعی اس کے گھر کو آگ لگ گئی تھی اور سب لوگ جل کر مر گئے تھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۸۶)

حضرت ابوالشیخ کتاب العصمت میں حضرت قیس بن حجاج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مصر کو فتح کیا تو اہل عجم ایک مقررہ دن پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا یَـآ اَیُّھَـا الْاَمِیْرُ اِنَّ لِنِیْلِنَا ھٰذَا سُنَّۃً لَایَجْرِیْ اِلَّا بِھَا ۔یعنی اے حاکم! ہمارے اس دریائے نیل کے لئے ایک پرانا طریقہ چلا آرہا ہے کہ جس کے بغیر وہ جاری نہیں رہتا بلکہ خشک ہو جاتا ہے اور ہماری کھیتی کا دارومدار اسی دریائے نیل کے پانی ہی پر ہے۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ دریائے نیل کے جاری رہنے کا وہ پرانا طریقہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ جب اس مہینہ کے چاند کی گیارہویں تاریخ آتی ہے تو ہم لوگ ایک کنواری جوان لڑکی کو منتخب کر کے اس کے ماں باپ کو راضی کرتے ہیں پھر اسے بہترین قسم کے زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں اس کے بعد لڑکی کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا اِنَّ ھٰـذَا لَا یَـکُوْنُ اَبَدًا فِی الْاِسْلَامِ ۔یعنی اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ تمام باتیں لغو اور بے سروپا ہیں۔اسلام اس قسم کی تمام باطل باتوں کو مٹانے آیا ہے۔وہ لڑکی کو دریائے نیل میں ڈالنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔آپ کے اس جواب کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واقعی دریائے نیل بالکل خشک ہوگیا یہاں تک کہ بہت سے لوگ وطن چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ دیکھا تو ایک خط لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سارے حالات سے مطلع کیا۔آپ نے خط پڑھنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا کہ تم نے مصریوں کو بہت عمدہ جواب دیا۔بیشک اسلام اس قسم کی تمام لغو اور بے ہودہ باتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ روانہ کر رہا ہوں تم اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب وہ رقعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو آپ نے اسے کھول کر پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ:

مِنْ عَبْدِاللّٰهِ عُمَرَ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى نِيْلِ مِصْر ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ يُجْرِيْكَ فَاَسْاَلُ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ اَنْ يُّجْرِيَكَ۔ یعنی اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو بذات خود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر خدائے عز وجل تجھ کو جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری فرمادے''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس رقعہ کو رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔ مصر والے جب صبح کو نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح جاری فرمادیا ہے کہ ۱۶ ہاتھ پانی اوپر چڑھا ہوا ہے پھر دریائے نیل اس طرح کبھی نہیں سوکھا اور مصر والوں کی یہ جاہلانہ رسم ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۸۷)

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی کرامت ہے کہ آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا اور خدائے عز وجل سے دعا کی تو وہ دریائے نیل جو ہر سال ایک کنواری لڑکی کی جان لئے بغیر جاری نہیں ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے ہمیشہ کے لئے جاری ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ آپ بحر و بر دونوں پر حکومت فرماتے تھے۔ ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے:

یاد او گر مونس جانت بود

ہر دو عالم زیر فرمانت بود

خلافت فاروقی کا زمانہ تھا ایک عجمی شخص مدینہ طیبہ آیا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہا تھا۔ کسی نے بتایا کہ کہیں آبادی کے باہر سورہے ہوں گے۔ وہ شخص آبادی کے باہر نکل کر آپ کو تلاش کرنے لگا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں پایا کہ وہ زمین پر سر کے نیچے زرہ رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ اس نے دل میں سوچا ساری دنیا میں اس شخص کی وجہ سے فتنہ برپا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت ایران اور دوسرے ملکوں میں اسلامی

فوجوں نے تہلکہ مچا رکھا تھا لہٰذا اس کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے اور آسان بھی ہے۔ اس لئے کہ آبادی کے باہر سوتے ہوئے شخص کو مار ڈالنا کوئی مشکل بات نہیں۔ یہ سوچ کر اس نے نیام سے تلوار نکالی اور آپ کی ذات بابرکات پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک غیب سے دو شیر نمودار ہوئے اور عجمی کی طرف بڑھے۔ اس منظر کو دیکھ کر وہ چیخ پڑا۔ اس کی آواز سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جاگ اٹھے۔ آپ کے بیدار ہونے پر اس نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا اور پھر مسلمان ہو گیا۔ (سیرت خلفائے راشدین)

یہ بھی آپ کی ایک کرامت ہے کہ شیر جو انسان کے جان لیوا ہیں وہ آپ کی حفاظت کے لئے نمودار ہو گئے اور کیوں نہ ہو کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اور ہر طرح اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

مقامِ رفیع:

حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ کہف کی آیت کریمہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ الخ کی تفسیر میں بخاری شریف کی حدیث اِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷) نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں اَلْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَی الطَّاعَاتِ بَلَغَ الْمُقَامَ الَّذِیْ یَقُوْلُ اللّٰہُ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ سَمْعًا لَّہٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّہٗ رَاَی الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدًا لَّہٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی السَّهْلِ وَالصَّعْبِ وَالْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ۔ یعنی جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام رفیع تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا فرمایا ہے تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آواز کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ آسان و مشکل اور دور و نزدیک کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴۸۰ ج ۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اور غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم

اوس وخزرج کے بعض قبیلوں نے ملک شام میں ایک چشمہ پر جس کا نام غسان تھا ڈیرہ ڈالا اور اس علاقہ کے کچھ شہروں پر قبضہ کر لینے کے بعد ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی اور ملوک غسانیہ کے معزز نام سے مشہور ہو گئے۔ ملوک غسان میں سب سے پہلا بادشاہ جفنہ ہوا ہے اور سب سے آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم۔ وہ پہلے بت پرست تھے پھر رومی بادشاہوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ قریش مکہ کے بعد سب سے زیادہ جن کو اسلام کی قوت توڑ دینے اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی فکر تھی وہ ملوک غسان تھے۔ عرب کے دوسرے قبیلے اگرچہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے تھے لیکن ان کے پاس باقاعدہ لشکر نہ تھا اور نہ کس قسم کا اہم ساز و سامان تھا مگر غسانیوں کی سلطنت نہایت باقاعدہ اور منظم تھی ان کا لشکر بھی آراستہ تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک زبردست بادشاہ قیصر روم سے ان کے تعلقات تھے جو ہر وقت ان کی امداد پر آمادہ اور مستعد تھا۔

ملک غسان مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ اسی درمیان میں سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت شجاع بن وہب الاسعدی رضی اللہ عنہ اس کے نام حضور کا خط لے کر ایسے وقت پہنچے جب کہ قیصرِ روم' کسریٰ کے مقابلہ سے فارغ ہو کر شکرانہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا اور غسان کا بادشاہ اس کی دعوت کے انتظام میں مشغول تھا۔ اسی سبب سے کئی روز تک حضور کے قاصد حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو وہاں ٹھہرنا پڑا۔ اور کئی روز تک رسائی نہ ہو سکی۔ آخر کسی طرح ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ملک غسان کے سامنے پیش ہوئے اور انہوں نے جو نامہ مبارک اس کو دیا اس کا مضمون یہ تھا۔ اِنِّیٓ اَدْعُوْكَ اِلٰٓی اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ یَبْقٰی لَكَ مُلْكُكَ یعنی میں تم کو صرف ایک خدا پر ایمان

لانے کی طرف بلاتا ہوں، اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارا ملک تمہارے لئے باقی رہے گا۔

شاہ غسان سید عالم ﷺ کا خط پڑھ کر بھڑک اٹھا اور غصہ سے کہا کہ میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ خود مدینہ پر حملہ کروں گا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اور قاصد سے کہا کہ جا کر یہی بات محمد (ﷺ) سے کہہ دینا۔

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر جب میں نے حضور انور ﷺ سے غسان کے بادشاہ کی پوری کیفیت بیان کی تو حضور نے ارشاد فرمایا بَادَ مُلْکُہٗ یعنی اس کا ملک تباہ و برباد ہوگیا۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ حضور کا نامۂ مبارک حارث غسانی کے نام تھا اور ابن ہشام وغیرہ دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت شجاع حضور کا نامہ مبارک جبلہ بن الایہم کے یہاں لے کر گئے تھے۔

الغرض حضور انور ﷺ کے نامۂ مبارک بھیجنے کا یہ اثر ہوا کہ جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی وہ بھڑک اٹھی اور ملک غسان اپنی پوری قوت کے ساتھ آمادہ جنگ ہوا یہاں تک کہ غسانیوں ہی کی عداوت کے نتیجہ میں موتہ کا سخت ترین معرکہ ہوا جس میں مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ بہت سے سپاہی اور کئی ایک چیدہ و برگزیدہ سپہ سالار اس جنگ میں شہید ہوگئے۔

مدینہ طیبہ پر غسانی بادشاہ کے حملہ کی خبر جب قاصد کے ذریعہ پہنچی تو مسلمان بہت تشویش اور فکر میں ہوئے کہ اگرچہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب ﷺ کے ارشاد کے مطابق ملک غسان خائب و خاسر ہوگا اور اس کا ملک تباہ و برباد ہوگا لیکن مدینہ شریف پر اس کے حملہ سے نہ معلوم کتنی جانیں ضائع ہوں گی، کتنی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور نہ معلوم کتنے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے حملہ سے مدینہ طیبہ کو محفوظ رکھا۔ غسانی بادشاہ جس کے مدینہ شریف پر حملہ کرنے کی خبر گرم تھی وہ حارث تھا یا جبلہ بن الایہم؟ اس میں اختلاف ہے۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم تھا

الغرض! جبلہ بن الایہم نے مسلمانوں سے دشمنی ظاہر کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھی مگر اس کے باوجود اسلام کی خوبیوں سے واقف تھا۔ اس کے کانوں تک اسلام کی اچھائیاں پہنچتی رہتی تھیں۔ حضور انور ﷺ کی سچائی کی دلیلوں اور نشانیوں کا بھی اسے علم ہوتا رہتا تھا۔ انصار حضرات کا مسلمان ہو کر سرکار اقدس ﷺ کو اپنے یہاں ٹھہرانا اور ان کی حفاظت وحمایت کے لئے جان و مال کو قربان کر دینا بھی آہستہ آہستہ اس کے اندر اسلام کی محبت پیدا کر رہا تھا اس لئے کہ انصار اور جبلہ دونوں ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بالآخر اسلام کی محبت اس کے دل میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ محبت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے خود حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں اسلام میں داخل ہونے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے نہایت خوشی سے تحریر فرمایا کہ تم بلا کھٹک چلے آؤ لَكَ مَالَنَا وَعَلَيْكَ مَا عَلَيْنَا یعنی ہر حال میں تم ہماری طرح ہو جاؤ گے۔

جبلہ بادشاہ اپنے قبیلہ عک اور غسان کے پانچ سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ جب مدینہ منورہ صرف دو منزل رہ گیا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور اپنے لشکر کے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ زربفت وحریر کی سرخ و زرد وردیاں پہنیں اور گھوڑوں پر دیباج کی جھولیں ڈال کر ان کے گلے میں سونے کے طوق پہنائیں۔ اور اپنا تاج سر پر رکھا پھر پوری شان دکھلانے کے لئے اپنے خاندان کی بہترین اور مایہ ناز قرط ماریہ تاج میں لگائیں، ماریہ تمام غسانی بادشاہوں کی دادی تھی۔ اس کے پاس دو بالیاں تھیں جن میں دو موتی کبوتر کے انڈے کے برابر لگے ہوئے تھے۔ یہ بالیاں اپنی خوبصورتی اور بیش قیمت موتیوں کی وجہ سے بے مثل سمجھی جاتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ پوری دنیا کے بادشاہوں کے خزانوں میں ایسے موتی اور ایسی بالیاں نہیں تھیں۔ ملوک غسان کو ان پر فخر تھا اور وہ ان کے بیش قیمت اور نادر ہونے کے علاوہ اپنی صاحب اقبال دادی کی یادگار سمجھ کر ان بالیوں کا نہایت احترام کرتے تھے اور اسی وجہ سے جبلہ نے یہ دکھلانے کو کہ اپنی اس شاہانہ حیثیت اور حالت آزادی وخود مختاری کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو کر

امیرالمؤمنین کی پیروی کو گوارا کرتا ہوں۔ ان بیش قیمت بالیوں کو بھی اپنے تاج میں لگا لیا تھا اس طرح بڑی شان وشوکت کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کو تیار ہوا۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جبلہ کے استقبال کرنے اور تعظیم وتکریم کے ساتھ اتارنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ میں خوشی اور مسرت کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ بچے اور بوڑھے سبھی اس جلوس کے نظارہ کو دیکھنے کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ مسلمانوں کے لئے حقیقت میں اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کون سی بات ہو سکتی تھی کہ مذہب اسلام جس کے پھیلانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی تھی اس کے اندر اس طرح راضی اور خوشی سے بڑے بڑے بادشاہ داخل ہوں مگر اس وقت یہ خوشی اس وجہ سے اور دوبالا ہو رہی تھی کہ وہی غسان کا بادشاہ جس کے حملہ کا چرچا مدینہ طیبہ میں گھر گھر تھا اور جس کے ڈر سے سب سہم رہے تھے آج وہی بادشاہ اس طرح سرِ تسلیم خم کئے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اسلام کی ایک کرامت تھی اور اسی وجہ سے سب چھوٹے بڑے اس جلوس کو دیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

الغرض بڑی شان وشوکت اور نہایت تعظیم وتکریم سے استقبالیہ جماعت کے جھرمٹ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ جبلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہمان داری کے مراسم میں کوئی کسر نہ رکھی اور مدینہ طیبہ میں ان نئے مہمانوں کی آمد سے خوب چہل پہل رہی۔ اتفاق سے زمانہ حج قریب تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوا کرتے تھے اس سال جب وہ حج کے لئے نکلے تو جبلہ بھی ساتھ میں روانہ ہوا۔ وہاں بدقسمتی سے یہ بات پیش آ گئی کہ طواف کی حالت میں جبلہ کی لنگی پر جو بوجہ شان بادشاہی زمین پر گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی قبیلہ فزارہ کے ایک شخص کا پیر پڑ گیا جس کے سبب لنگی کھل گئی جبلہ کو غصہ آیا اور اس نے اتنی زور سے منہ پر گھونسا مارا کہ اس کی ناک ٹیڑھی ہو گئی۔

یہ مقدمہ خلافت کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی رعایت کے حق فیصلہ کرتے ہوئے جبلہ سے فرمایا کہ یا تو تم کسی طرح مدعی کو راضی کر لو ورنہ بدلہ دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جبلہ جو اپنے کو بڑی شان والا سمجھتا تھا یہ خلاف امید فیصلہ اسے سخت ناگوار

گزرا اور حضرت عمر خوب جانتے تھے کہ جبلہ کو یہ فیصلہ ناگوار گزرے گا مگر آپ نے اس کی کوئی پروانہ کی اور بادشاہ کا لحاظ کئے بغیر حق فیصلہ سنادیا۔ اس نے کہا ایک معمولی آدمی کے عوض مجھ سے بدلہ لیا جائے گا۔ میں بادشاہ ہوں اور وہ ایک عام آدمی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بادشاہ اور رعیت کو اسلام نے اپنے احکام میں برابر کردیا ہے۔ کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری کے سبب اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (پ ۲۶ ع ۱۴)

جبلہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا کہ میں پہلے سے زیادہ معزز اور محترم ہوکر رہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کا فیصلہ یہی ہے جس کی پابندی ہم پر اور تم پر لازم ہے۔ اس کے خلاف کچھ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ تم کو اپنی عزت قائم رکھنی ہے تو اس کو کسی طرح راضی کرلو ورنہ عام مجمع میں بدلہ دینے کو تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا تو میں پھر عیسائی ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تو اب اس صورت میں تیرا قتل ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ جو مرتد ہو جاتا ہے اسلام میں اس کی سزا یہی ہے۔ جبلہ نے کہا اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لئے آپ مجھے ایک رات کی مہلت دیں حضرت نے اس کی یہ درخواست منظور فرمائی اور اسے ایک رات کی مہلت دے دی تو جبلہ اسی رات کو اپنے لشکر کے ساتھ پوشیدہ طور پر مکہ معظمہ سے بھاگ گیا اور قسطنطنیہ پہنچ کر نصرانی بن گیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

یہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بے مثال عدالت کہ آپ نے ایک معمولی آدمی کے مقابلہ میں ایسی شان و شوکت والے بادشاہ کی کوئی پروانہ کی۔ اسے مدعی کے راضی کرنے یا بدلہ دینے پر مجبور کیا اور اس بات کا خیال بالکل نہ فرمایا کہ ایسے جلیل القدر بادشاہ پر اس فیصلہ کا ردعمل کیا ہوگا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خلفائے راشدین نے اپنی اسی قسم کی خوبیوں سے اسلام کی جڑوں کو مضبوط فرمایا اور اسے خوب روشن و تابناک بنایا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

انتباہ:

بعض لوگ آپ کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے صاحبزادے ابوشحمہ نے شراب پی اور پھر اسی نشہ کی حالت میں زنا کیا۔ ان باتوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوڑے لگوائے یہاں تک کہ اسی تکلیف سے بیمار ہوکر ان کا انتقال

ہوگیا تو حضرت ابوشحمہ رضی اللہ عنہ کی جانب زنا اور شراب نوشی کی نسبت غلط ہے، مشہور و معتمد کتاب مجمع البحار میں ہے کہ زنا کی نسبت صحیح نہیں البتہ انہوں نے نبیذ پی تھی اور نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں کہ جس میں کھجور بھگائی گئی ہو اور اس کی مٹھاس پانی میں اتر آئی ہو عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی صف ۸۷ میں ہے **ھو الماء الذی تنبذفیه تمرات فتخرج حلاوتھا** اور نبیذ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ کہ اس میں نشہ نہیں ہوتا ایسی نبیذ حلال و پاک ہے اور حضرت سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے وضو بنانا بھی جائز ہے بشرطیکہ رقت و سیلان باقی ہو (شرح وقایہ صفحہ مذکور) اور ایک نبیذ وہ ہوتی ہے جس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ حرام و نجس ہوتی ہے۔ حضرت ابوشحمہ رضی اللہ عنہ نے نبیذ پی یہ سمجھ کر کہ یہ حلال ہے نشہ والی نہیں ہے مگر وہ نشہ والی ثابت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گرفت فرمائی اور ازراہِ عدل و انصاف انہیں سزا دی۔

گورنروں سے شرائط:

حضرت ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روائیت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو کہیں کا والی مقرر فرماتے تو اس سے چند شرطیں لکھواتے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کھانا نہیں کھائے گا۔ تیسرے یہ کہ وہ باریک کپڑا نہیں پہنے گا، چوتھے یہ کہ حاجت والوں کے لئے اپنے دروازے کو بند نہیں کرے گا اور دربان نہیں رکھے گا۔

پھر جو شخص ان شرائط کی پابندی نہیں کرتا تھا اس کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے۔ حاکم مصر عیاض بن غنم کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ریشم پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے تو آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ عیاض بن غنم کو جس حالت میں بھی پاؤ گرفتار کر کے لے آؤ۔ جب عیاض، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے ان کو کمبل کا کرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک ریوڑ ان کے سپرد کیا اور فرمایا کہ جاؤ ان بکریوں کو چراؤ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو۔ یعنی عیاض بن غنم کو گورنر سے ایک چرواہا بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پوری مملکت اسلامیہ کے حکام اور گورنر آپ کی ہیبت سے

کانپتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاروبار خلافت اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں اتنی شدت نہ کی جائے جو جبر نہ بن جائے اور نہ اتنی نرمی برتی جائے کہ جو سستی سے تعبیر ہو۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ کسی حاکم کو کسی صوبہ پر مقرر فرماتے تو اس کے تمام مال واثاثے کی فہرست لکھوا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتے تھے ایک بار آپ نے اپنے تمام عمال کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے اپنے موجودہ مال و اثاثے کی ایک ایک فہرست بنا کر ان کو بھیج دیں۔ انہیں عمال میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ جب انہوں نے اپنے اثاثوں کی فہرست بنا کر بھیجی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے سارے مال کے دو حصے کئے جن میں سے ایک حصہ ان کے لئے چھوڑ دیا اور ایک حصہ بیت المال میں جمع کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۶)

راتوں میں گشت:

برادرانِ اسلام! حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعایا کی خبر گیری کے لئے بدوی کا لباس پہن کر مدینہ طیبہ کے اطراف میں راتوں کو گشت لگایا کرتے تھے۔ ایک بار حسب معمول آپ گشت فرما رہے تھے کہ انہوں نے سنا ایک عورت کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ”رات بہت ہوگئی اور ستارے چمک رہے ہیں مگر مجھے یہ بات جگا رہی ہے کہ میرے ساتھ کوئی کھیلنے والا نہیں ہے تو میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر مجھے اللہ کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو اس چارپائی کی چولیں ہلتیں لیکن میں اپنے نفس کے ساتھ اس نگہبان اور مؤکل سے ڈرتی ہوں جس کا کاتب کبھی نہیں تھکتا۔“

اشعار کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ تیرا کیا معاملہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا شوہر کئی ماہ سے جنگ پر گیا ہوا ہے اسی کی ملاقات کے شوق میں یہ اشعار پڑھ رہی ہوں۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اس کے شوہر کو بلانے کے لئے قاصد روانہ فرما دیا اور چونکہ آپ کی زوجہ محترمہ وفات پا چکی تھیں اس

لئے آپ نے اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورت کتنے زمانے تک شوہر کے بغیر رہ سکتی ہے؟ اس سوال کو سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ حق بات میں شرم نہیں کرتا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تین مہینہ یا زیادہ سے زیادہ چار۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری فرما دیا کہ **لَایُحْبَسُ الْجُیُوْشُ فَوْقَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ**۔ یعنی چار مہینے سے زیادہ کسی سپاہی کو جنگ میں نہ روکا جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک رات آپ گشت فرما رہے تھے کہ ایک مکان سے آواز آئی بیٹی دودھ میں پانی ملا دے۔ دوسری آواز آئی جو لڑکی کی تھی، ماں امیر المؤمنین کا حکم تجھ کو یاد نہیں رہا جس میں اعلان کیا گیا ہے کہ دودھ میں کوئی شخص پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا امیر المؤمنین یہاں دیکھنے نہیں آئیں گے پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا کہ میں ایسا نہیں کر سکتی کہ خلیفہ کے سامنے اطاعت کا اقرار اور پیٹھ پیچھے ان کی نافرمانی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سالم رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اُس گھر کو یاد رکھو اور صبح کے وقت حالات معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں رپورٹ پیش کی کہ لڑکی بہت نیک جواں اور بیوہ ہے۔ کوئی مردان کا سرپرست نہیں ہے ماں بے سہارا ہے۔ آپ نے اسی وقت اپنے سب لڑکوں کو بلا کر فرمایا کہ تم میں سے جو چاہے اس لڑکی سے نکاح کر لے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔ آپ نے اس بیوہ لڑکی کو بلا کر حضرت عاصم سے عقد کر کے اپنی بہو بنا لیا۔ (عشرہ مبشرہ)

اس واقعہ کو ایک غیر مقلد مولوی نے ایک جلسہ میں بیان کرنے کے بعد ان لفظوں میں تبصرہ کیا کہ دیکھو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے اعلیٰ خاندان کے ہوتے ہوئے اپنے صاحبزادے کی شادی ایک گوالن سے کر دی لہٰذا حنفیوں کا کفو والا مسئلہ غلط ہے۔ اتفاق سے اس جلسہ کی تقریریں سننے کے لئے ایک سنی حنفی مولوی بھی گئے تھے۔ غیر مقلد کی اس تقریر سے متاثر ہو کر انہوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ واقعی کفو کا مسئلہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات انہوں نے ایک سنی حنفی مفتی سے بیان کی تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ غیر مقلد نے

فریب سے کام لیا جسے آپ بھانپ نہ سکے۔ حنفیوں کے یہاں لڑکا کی طرف سے کفو ہونے کا اعتبار نہیں ہے وہ چھوٹی سے چھوٹی برادری اور بہت کم درجہ کی لڑکی سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔ کفو ہونے کا اعتبار صرف لڑکی کی طرف سے ہے کہ بالغ ہونے کے باوجود اپنے ولی کی رضا کے بغیر وہ غیر کفو سے نکاح نہیں کر سکتی جیسا کہ فقہ حنفی کی عام کتابوں میں مذکور ہے تو مولوی صاحب نے اقرار کیا کہ واقعی میں غیر مقلد کے فریب میں آ گیا تھا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے بدمذہبوں کی تقریر سننے سے منع فرمایا گیا ہے کہ جب آپ دس سال علم دین حاصل کرنے کے باوجود اس کے فریب میں آ گئے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ کسی مولوی کی تقریر کا سننا بھی دین کا حاصل کرنا ہے اور حدیث شریف میں ہے اُنْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ یعنی دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۳۷)

لہٰذا کسی بدمذہب کی تقریر سننا حرام و ناجائز ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر کسی بدمذہب کی تقریر کا اثر نہیں ہو سکتا وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ جب دس سال کے پڑھے ہوئے مولوی پر بدمذہب کی تقریر کا اثر پڑ گیا تو دوسرے لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ بس دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے اور بدمذہبوں کی تقریر سے دور رہنے کی توفیق رفیق بخشے، آمین۔

بیت المال سے وظیفہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دن رات خلافت کے کام انجام دیتے تھے مگر بیت المال سے کوئی خاص وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو کچھ دنوں کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ میں پہلے تجارت کیا کرتا تھا اور اب تم لوگوں نے مجھ کو خلافت کے کام میں مشغول کر دیا ہے تو اب گزارہ کی صورت کیا ہوگی؟ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متوسط طریقہ پر جو آپ کے گھر والوں کے لئے اور آپ کے لئے کافی ہو جائے وہی مقرر فرمالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا۔ اس طرح بیت المال سے متوسط مقدار آپ کے لئے مقرر ہوگئی۔ کچھ دنوں کے

بعد ایک مجلس جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ طے پایا کہ خلیفۃ المسلمین کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہئے کہ گزر میں تنگی ہوتی ہے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ سے کہتا تو ان لوگو ں نے اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو وسیلہ بنایا اور تاکید کر دی کہ ہم لوگوں کا نام نہ بتائیے گا۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ آپ نے لوگوں کے نام دریافت کئے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو میں ان کو سخت سزا دیتا یعنی آپ نے لوگوں کی رائے کے باوجود وظیفہ کے اضافہ کو منظور نہیں فرمایا بلکہ ان پر اور ناراضگی ظاہر فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین ۔

وسیلہ:

آپ کے زمانہ خلافت میں ایک بار زبردست قحط پڑا۔ آپ نے بارش طلب کرنے کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز استسقا ادا فرمائی۔ حضرت ابن عون فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو بلند کر کے اس طرح بارگاہ الٰہی میں دعا کی: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ اَنْ تُذْھِبَ عَنَّا الْمَحْلَ وَاَنْ تَسْقِیَنَا الْغَیْثَ ۔ یعنی یا الٰہ العالمین! ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بنا کر تیری بارگاہ میں عرض کرتے ہیں قحط اور خشک سالی کو ختم فرما دے اور ہم پر رحمت والی بارش نازل فرما"۔ یہ دعا مانگ کر ابھی آپ واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی اور کئی روز تک مسلسل ہوتی رہی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۰)

معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں کو اپنی کسی حاجت کے لئے وسیلہ بنانا شرک نہیں ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اور ان کی سنت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ یعنی میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

آپ کی شہادت:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ

شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ ۔یعنی یااللہ العالمین! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت نصیب فرما۔(تاریخ الخلفاء ص۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی غلام ابولؤلوہ نے آپ سے شکایت کی کہ اس کے آقا حضرت مغیرہ روزانہ اس سے چار درہم وصول کرتے ہیں آپ اس میں کمی کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوہار اور بڑھئی کا کام خوب اچھی طرح جانتے ہو اور نقاشی بھی بہت عمدہ کرتے ہو تو چار درہم یومیہ تمہارے اوپر زیادہ نہیں ہیں۔ اس جواب کو سن کر وہ غصہ سے تلملاتا ہوں واپس چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پھر بلایا اور فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ ''اگر آپ کہیں تو میں ایسی چکی تیار کردوں جو ہوا سے چلے۔'' اس نے تیور بدل کر کہا کہ ہاں۔ میں آپ کے لئے ایسی چکی تیار کردوں گا جس کا لوگ ہمیشہ ذکر کیا کریں گے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔ مگر آپ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ ابولؤلوہ غلام نے آپ کے قتل کا پختہ ارادہ کرلیا۔ ایک خنجر پر دھار لگائی اور اس کو زہر میں بجھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور ان کا طریقہ تھا کہ وہ تکبیر تحریمہ سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ صفیں سیدھی کرلو۔ یہ سن کر ابولؤلوہ آپ کے بالکل قریب صف میں آ کر کھڑا ہو گیا اور پھر آپ کے کندھے اور پہلو پر خنجر سے دو وار کیئے جس سے آپ گر پڑے۔ اس کے بعد اس نے اور نمازیوں پر حملہ کرکے تیرہ آدمیوں کو زخمی کردیا جن میں سے بعد میں 6 افراد کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت جبکہ وہ لوگوں کو زخمی کررہا تھا ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈال دیا اور جب وہ اس کپڑے میں الجھ گیا تو اس نے اسی وقت خودکشی کرلی۔

چونکہ اب سورج طلوع ہونے ہی والا تھا اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو مختصر سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے مکان پر لائے۔ پہلے آپ کو نبیذ پلائی گئی جو زخموں کے راستے سے باہر نکل گئی پھر دودھ پلایا گیا مگر وہ بھی زخموں سے باہر نکل گیا۔ کسی شخص نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے

بعد خلیفہ مقرر کر دیں۔ آپ نے اس شخص کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کرے۔ تم مجھے ایسا غلط مشورہ دے رہے ہو جسے اپنی بیوی کو صحیح طریقہ سے طلاق دینے کا بھی سلیقہ نہ ہو کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دوں؟ پھر آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کی انتخابِ خلیفہ کے لئے ایک کمیٹی بنا دی اور فرمایا کہ ان ہی میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بتاؤ ہم پر کتنا قرض ہے۔ انہوں نے حساب کر کے بتایا کہ تقریباً ۸۶ ہزار قرض ہے آپ نے فرمایا کہ یہ رقم ہمارے مال سے ادا کر دینا اور اگر اس سے پورا نہ ہو تو بنو عدی سے مانگنا اور اگر ان سے بھی پورا نہ ہو تو قریش سے لینا۔ پھر آپ نے فرمایا جاؤ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے کہو کہ عمر اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور اپنے باپ کی خواہش کو ظاہر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھی تھی مگر میں آج اپنی ذات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ ہجری بدھ کے دن آپ زخمی ہوئے اور تین دن بعد ۱۰ برس ۶ ماہ ۴ دن امورِ خلافت کو انجام دے کر ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سَقَر — اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی — جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

....

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب روضہ منورہ کی دیوار گر پڑی اور لوگوں نے اس کی تعمیر (۸۷ ہجری میں) شروع کی تو (بنیاد کھودتے وقت) ایک قدم (گھٹنے تک) ظاہر ہوا تو سب لوگ گھبرا گئے اور لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے اور وہاں کوئی جاننے والا نہیں ملا۔ تو

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لَاوَاللّٰہِ مَاھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاھِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ۔ یعنی خدا کی قسم یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم شریف نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم مبارک ہے۔ (بخاری شریف ص ۱۸۶ ج ۱)

خلاصہ یہ کہ تقریباً ۶۴ برس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک بدستور سابق رہا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور نہ کبھی ہوگی۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے:

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیّدنا محمدٍ وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ اجمعین برحمتك یاارحم الراحمین۔

امیرالمؤمنین
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ۔ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیّدنا ونبینا محمدا عبدہ ورسولہٗ ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا (پارہ ۲۶ ع ۱۲) صدق اللہ العلی العظیم وبلغنا رسولہ النبی الکریم ونحن علٰی ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العلمین ۔

ایک بار سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں جہان کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کے دربار گہر بار میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیائے کرام اس دنیا میں مبعوث فرمائے گئے یا کچھ کم وبیش ۲ لاکھ ۲۴ ہزار انبیائے کرام نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس دنیا کو سرفراز فرمایا۔ وہ لوگ

صاحب اولاد بھی ہوئے۔ لڑکا والے ہوئے اور لڑکی والے بھی ہوئے تو جن لوگوں کے ساتھ انبیائے کرام نے اپنی صاحبزادیوں کو منسوب فرمایا وہ یقیناً عزت وعظمت والے ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ کے نبی کا داماد ہونا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے جو خوش نصیب انسانوں ہی کو نصیب ہوا ہے مگر اس سلسلے میں جو خصوصیت اور جو انفرادیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہ کسی کو نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم الانبیاء نبی کریم ﷺ تک کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئی ہیں لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں صرف نبی نہیں بلکہ نبی الانبیاء اور سید الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہاں تک روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اگر میری چالیس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے میں ان سب کا نکاح اے عثمان! تم سے کر دیتا یہاں تک کہ کوئی بھی باقی نہ رہتی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴)

اور بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ عبداللہ جُعفی بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ماموں حسین جُعفی نے دریافت کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین کیوں ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں نہیں آئیں گی اسی لئے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

سرکارِ اقدس ﷺ نے قبل اعلان نبوت اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کیا تھا جو غزوہ بدر کے موقع پر بیمار تھیں اور انہیں کی تیمارداری کے سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شرکت نہیں فرما سکے اور سیّد عالم ﷺ کی اجازت سے مدینہ طیبہ

میں ہی رہ گئے تھے مگر چونکہ حضور نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے آپ بدریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے فتح پانے کی خوشخبری لے کر جس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا جا رہا تھا۔ ان کے انتقال فرما جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو ان کا بھی ۹ ہجری میں وصال ہو گیا۔ غرض کہ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہوئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے جن کا نام عبداللہ تھا۔ وہ اپنی ماں کے بعد ۶ برس کی عمر پا کر انتقال کر گئے اور حضرت بی بی اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں)

صَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الخ

نام ونسب:

آپ کا نام ''عثمان''، کنیت ابوعمر اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ یعنی پانچویں پشت میں آپ کا سلسلہ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ کی نانی اُمّ حکیم جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آپ کی پیدائش عام الفیل کے چھ سال بعد ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

قبول اسلام اور مصائب:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ قدیم الاسلام ہیں یعنی ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لائے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کے بعد اسلام قبول کیا۔

ابن سعد محمد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کا پورا خاندان بھڑک اٹھا یہاں تک کہ آپ کا چچا حکم بن ابی العاص اس قدر ناراض اور برہم ہوا کہ آپ کو پکڑ کر ایک رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایک دوسرا نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ جب تک کہ تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح باندھ کر رکھیں گے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا وَاللّٰهِ لَا اَدَعُهٗ اَبَدًا وَّلَا اُفَارِقُهٗ ۔ یعنی خدائے ذوالجلال کی قسم دینِ اسلام کو میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور نہ کبھی اس دولت سے دستبردار ہو سکتا ہوں۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو یہ ہو سکتا ہے مگر دل سے دین اسلام نکل جائے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا حکم بن ابی العاص نے جب اس طرح آپ کا استقلال دیکھا تو مجبور ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

آپ کا حلیہ مبارک:

برادرانِ اسلام! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حلیہ اور سراپا ابن عساکر چند طریقوں سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ درمیانی قد کے خوبصورت شخص تھے۔ رنگ میں سفیدی کے ساتھ سرخی بھی شامل تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ جسم کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ کندھے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہاتھ لمبے تھے جن پر کافی بال تھے۔ داڑھی بہت گھنی تھی۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ دانت بہت خوبصورت تھے اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے۔ کنپٹیوں کے بال کانوں کے نیچے تک تھے اور پیلے رنگ کا خضاب کیا کرتے تھے۔

اور ابن عساکر عبداللہ بن حزم مازنی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا فَمَارَأَیْتُ قَطُّ ذَکَرًا وَّلَا اُنْثٰی اَحْسَنَ وَجْهًا مِّنْهُ ۔ یعنی تو میں نے عورتوں اور مردوں میں سے کسی کو ان سے زیادہ حسین وخوبصورت نہیں پایا۔

(تاریخ الخلفاء)

اور ابن عساکر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

ایک بار نبی کریم ﷺ نے مجھے گوشت کا ایک بڑا پیالہ دے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب میں آپ کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں کبھی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھتا تھا۔ جب میں آپ کے گھر سے واپس ہو کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اسامہ! عثمان (رضی اللہ عنہ) کے گھر کے اندر تم گئے تھے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جی ہاں میں گھر کے اندر گیا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے ان میاں بیوی سے حسین و خوبصورت کسی میاں بیوی کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کبھی نہیں دیکھا۔ (تاریخ الخلفاء)

یہ واقعہ غالباً آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

اور ابن عدی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو ان سے فرمایا کہ تمہارے شوہر عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد (ﷺ) سے شکل و صورت میں بہت مشابہ ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آیات قرآنی:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی قرآن مجید کی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ جنگ تبوک کا واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جبکہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور عام مسلمان بہت زیادہ تنگی میں تھے۔ یہاں تک کہ درخت کی پتیاں کھا کر لوگ گزارہ کرتے تھے۔ اسی لئے اس جنگ کے لشکر کو جیش عُسرہ کہا جاتا ہے یعنی تنگدستی کا لشکر۔ ترمذی شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا جبکہ آپ جیش عُسرہ کی مدد کے لئے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کے پر جوش لفظ سن کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں پیش کروں گا۔ اس کے بعد پھر حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سامان لشکر

کے بارے میں ترغیب دی اور امداد کے لئے متوجہ فرمایا۔ تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں دوسو اونٹ مع ساز وسامان اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نذر کروں گا۔ اس کے بعد پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان جنگ کی درستگی اور فراہمی کی طرف مسلمانوں کو رغبت دلائی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں تین سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں حاضر کروں گا۔ حدیث کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ ۔ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ ۔ یعنی ایک ہی جملہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اب عثمان کو وہ عمل کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جو اس کے بعد کریں گے۔

مراد یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل خیر ایسا اعلیٰ اور اتنا مقبول ہے کہ اب اور نوافل نہ کریں۔ جب بھی یہ ان کے مدارج علیا کے لئے کافی ہے اور اس مقبولیت کے بعد اب انہیں کوئی اندیشۂ ضرر نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ آپ نے ساز وسامان کے ساتھ ایک ہزار اونٹ اس موقع پر چندہ دیا تھا۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیش عُسرہ کی تیاری کے زمانہ میں ایک ہزار دینار اپنے کرتے کی آستین میں بھر کر لائے۔ (دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا سکہ ہوتا ہے) ان دیناروں کو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ ۔ یعنی آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اس جملہ کو دو بار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ فرض کرلیا جائے کہ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کوئی خطا واقع ہو تو آج کا

ان کا یہ عمل ان کی خطا کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش عسرہ کی اس طرح مدد فرمائی کہ ایک ہزار اونٹ ساز وسامان کے ساتھ پیش فرمائے اور ایک ہزار دینار بھی چندہ دیا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے چار ہزار درہم بارگاہ رسالت میں پیش کئے تو ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ یعنی جو لوگ کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دینے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں تو ان کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۴)

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرمایا ہے کہ آیت مبارکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔

ایک بار سب لوگ مل کر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر تھے کہ یکا یک وہ ہلنے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُثْبُتْ اُحُدُمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْ صِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدَانِ۔ یعنی اے احد! تو ٹھہر جا کہ تیرے اوپر صرف ایک نبی یا صدیق یا دو شہید ہیں۔

(تفسیر معالم التنزیل جلد ۶ ص ۲۱۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑوں پر بھی اپنا حکم نافذ فرماتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا تھا کہ برسوں

پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بارے میں حضور خبر دے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے، درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔ اس لئے آپ اپنی شہادت کا انتظار فرمارہے تھے۔ تو یہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو اپنی شہادت کے منتظر تھے جیسے کہ دولہا دولہن اپنی شادی کی تاریخ کے منتظر ہوتے ہیں تو ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ یعنی تو ان میں سے کوئی وہ ہے جو اپنی مَنّت پوری کر چکا (جیسے حضرت حمزہ و مصعب رضی اللہ عنہما کہ یہ لوگ جہاد پر ثابت رہے یہاں تک کہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے) اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو (اپنی شہادت کا) انتظار کر رہا ہے (جیسے حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما)

اور حضرت علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک منافق رہتا تھا اس کا درخت ایک انصاری پڑوسی کے مکان پر جھکا ہوا تھا جس کا پھل ان کے مکان میں گرتا تھا۔ انصاری نے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا۔ اس وقت تک منافق کا نفاق لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم درخت انصاری کے ہاتھ بیچ ڈالو۔ اس کے بدلے تمہیں جنت کا درخت ملے گا۔ مگر منافق نے انصاری کو درخت دینے سے انکار کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہوئی کہ منافق نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو منظور نہیں کیا تو آپ نے پورا ایک باغ دے کر درخت کو اس سے خرید لیا اور انصاری کو دے دیا۔ اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تعریف اور منافق کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ یعنی عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے

گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔ (پ ۳۰ ع ۱۴)

اس آیت مبارکہ میں مَنۡ یَّخۡشٰی سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور الۡاَشۡقٰی سے مراد اس درخت کا مالک منافق ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد دہم ص ۴۰۸)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت مُرّہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ آئندہ میں ہونے والے فتنوں کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب سر پر کپڑا ڈالے ہوئے ادھر سے گزرے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص اس روز ہدایت پر ہوگا۔ حضرت مُرّہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سے یہ الفاظ سن کر میں اٹھا اور اس شخص کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کا رخ کیا اور پوچھا کیا یہ شخص ان فتنوں میں ہدایت پر ہوں گے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا ہاں یہی۔

اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں ہونے والے فتنہ کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس فتنہ میں ظلم سے قتل کیا جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا کہ ایک صاحب آئے اور اس باغ کا دروازہ کھلوایا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: اِفۡتَحۡ لَهٗ وَبَشِّرۡهُ بِالۡجَنَّةِ۔ یعنی دروازہ کھول دو اور آنے والے شخص کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جنت کی خوشخبری دی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا کی۔ پھر ایک صاحب اور آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوایا۔ حضور نے ان کے بارے میں بھی فرمایا اِفۡتَحۡ لَهٗ وَبَشِّرۡهُ بِالۡجَنَّةِ یعنی ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان

کو بھی جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سے مطلع کیا انہوں نے خدائے عزوجل کی حمد و ثنا کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک تیسرے صاحب نے دروازہ کھلوایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ یعنی آنے والے کے لئے دروازہ کھول دو اور ان مصیبتوں پر جو اس شخص کو پہنچیں گی جنت کی خوشخبری دو۔ راوی حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا آنے والے شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوشخبری دی اور حضور انور کے فرمان سے ان کو آگاہ کیا۔ انہوں نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کا شکر ادا کیا اور فرمایا اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ یعنی آنے والی مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران[1] یا پنڈلی مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے حاضری کی اجازت چاہی حضور نے ان کو بلا لیا اور وہ اندر آ گئے مگر حضور اسی طرح لیٹے رہے اور گفتگو فرماتے رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے ان کو بھی اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئے لیکن حضور پھر بھی بدستور اسی طرح لیٹے رہے یعنی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا رہا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے اور آپ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ لوگ چلے گئے تو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا وجہ کہ میرے باپ حضرت صدیق اکبر

---

[1] شک راوی ست پس استدلال نبود ہر کسے را کہ رفتہ است بآنکہ فخذ عورت نیست زیرا کہ محتمل صلاحیت حجت ندارد۔ وبعضے تاویل کردہ اند کشف آنرا کہ از قمیص بود نہ میزر و گفتہ اند کہ ظاہر از حال شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم لیست واللہ اعلم (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۶۵۵)

رضی اللہ عنہ آئے تو آپ بدستور لیٹے رہے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے مگر آپ بدستور لیٹے رہے اور جنبش نہیں فرمائی لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کے جواب میں سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلَا اَسْتَحْیِیْ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْیِیْ مِنْهُ الْمَلَائِکَةُ یعنی میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

سبحان اللہ! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا درجہ کیا ہی بلند و بالا اور عظمت والا ہے کہ فرشتے آپ سے حیا کرتے ہیں یہاں تک کہ سید الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ سے حیاء فرماتے ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان کا حکم فرمایا اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب سب لوگ بیعت کر چکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان خدا اور رسول خدا کے کام سے گئے ہوئے ہیں پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت فرمائی لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے ان ہاتھوں سے بہتر ہے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے بیعت کی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی اس فضیلت سے ان کے سوا اور کوئی دوسرا صحابی کبھی مشرف نہیں ہوا۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عثمان! خدائے تعالیٰ تجھ کو ایک قمیص پہنائے گا یعنی خلعت خلافت سے سرفراز فرمائے گا۔ پھر اگر لوگ اس قمیص کے اتارنے کا تجھ سے مطالبہ کریں تو ان کی خواہش پر اس قمیص کو مت اتارنا یعنی خلافت کو نہ

چھوڑنا۔ اسی لئے جس روز ان کو شہید کیا گیا انہوں نے حضرت ابوسہلہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خلافت کے بارے میں وصیت فرمائی تھی۔ اسی لئے میں اس وصیت پر قائم ہوں اور جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے اس پر صبر کر رہا ہوں۔

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دو بار جنت خریدی ہے۔ ایک بار تو بیر رومہ خرید کر اور دوسری بار جیش عُسرہ کے لئے سامان دے کر۔ جیش عُسرہ کے لئے جو سامان آپ نے فراہم کیا تھا اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور بیر رومہ کی خریداری کا واقعہ یہ ہے کہ جب سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس زمانہ میں وہاں بیر رومہ کے علاوہ اور کسی کنویں کا پانی میٹھا نہ تھا۔ یہ کنواں وادی عقیق کے کنارے ایک پُرفضا باغ میں ہے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس کنویں کا مالک یہودی تھا جو اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا اور طے یہ پایا کہ ایک روز مسلمان پانی بھریں گے اور دوسرے دن یہودی، مگر جب یہودی نے دیکھا کہ مسلمان ایک روز میں دو روز کا پانی بھر لیتے ہیں اور میرا پانی خاطر خواہ نہیں بکتا تو پریشان ہو کر بقیہ آدھا بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں بیچ دیا۔ اس کنویں کو آج کل بیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین۔

حضرت عثمان بن عبداللہ بن مَوہَب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مصر کا رہنے والا ایک شخص حج کے ارادہ سے بیت اللہ شریف آیا۔ اس نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ لوگ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان لوگوں کا شیخ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کے شیخ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اب اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے ابن عمر! میں کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دیں کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان اُحد کی جنگ سے بھاگ گئے تھے۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوا تھا پھر اس شخص نے دریافت کیا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ بدر کی لڑائی سے عثمان غائب تھے اور معرکہ بدر میں وہ شریک نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ہاں وہ بدر کے معرکہ میں موجود نہ تھے۔ پھر اس شخص نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان بیعت رضوان کے موقع پر بھی غائب تھے اور اس میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہاں وہ بیعت رضوان کے موقع پر بھی موجود نہ تھے اور اس میں شامل نہ تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تینوں باتوں کی تصدیق سن کر اس شخص نے اللہ اکبر کہا بظاہر اس مصری شخص کا سوال تھا لیکن حقیقت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر اس کا اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ ادھر آ، میں تجھ سے حقیقت حال بیان کر کے تیرے شبہات دور کر دوں۔ اُحد کے معرکہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بھاگ جانے کے متعلق میں تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال نے ان کی غلطی کو معاف فرما دیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ یعنی بیشک وہ لوگ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں ان کے بعض اعمال کے سبب انہیں شیطان ہی نے لغزش دی اور بیشک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ (پ۴ع۷)

اور جنگ بدر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا موجود نہ ہونا' اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی اس زمانہ میں بیمار تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ عثمان غنی کو جنگ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے ایک مجاہد کا ثواب ملے گا اور مال غنیمت میں سے بھی ایک شخص کا حصہ دیا جائے گا۔ اب رہا معاملہ بیعت رضوان سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ باعزت اور ہر دلعزیز کوئی اور شخص ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو مکہ معظمہ بھیجتے مگر چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہر دلعزیز اور باعزت مکہ

شریف والوں کی نگاہ میں کوئی اور شخص نہ تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں کو مکہ معظمہ روانہ فرمایا تاکہ وہ آپ کی طرف سے کفار مکہ سے بات چیت کریں۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ اس طرح ان کی غیر موجودگی میں بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا اور حضور انور ﷺ نے بیعت رضوان کے وقت اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور پھر اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابھی جو میں نے تیرے سامنے بیان کیا ہے تو اس کو لے جا کہ یہی تیرے سوالات کے مکمل جوابات ہیں۔ (بخاری شریف)

آپ کی خلافت:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طبیعت جب زیادہ ناساز ہوئی تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین! آپ ہمیں کچھ وصیتیں فرمایئے اور خلافت کے لئے کسی کا انتخاب فرما دیجئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت کے لئے علاوہ ان چھ صحابہ کے جن سے نبی کریم ﷺ راضی اور خوش رہ کر اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں میں کسی اور کو مستحق نہیں سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام لئے اور فرمایا کہ میرے لڑکے عبداللہ مجلس شوریٰ میں ان کے ساتھ رہیں گے لیکن خلافت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اگر سعد بن ابی وقاص کا انتخاب ہو جائے تو وہ اس کا حق رکھتے ہیں ورنہ ان چھ صحابیوں میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ اور میں نے سعد بن ابی وقاص کو کسی عاجزی اور خیانت کے سبب معزول نہیں کیا تھا پھر آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد خلیفہ ہونے والے کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور سب انصار و مہاجرین اور ساری رعایا کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا رہے۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور لوگ ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ

ہو گئے تو تین روز بعد خلیفہ کو منتخب کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ پہلے تین آدمی اپنا حق تین آدمیوں کو دے کر دست بردار ہو جائیں۔ لوگوں نے اس بات کی تائید کی تو حضرت زبیر حضرت علی کو، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبدالرحمٰن کو اور حضرت طلحہ حضرت عثمان غنی کو اپنا حق دے کر دستبردار ہو گئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

یہ تینوں حضرات رائے مشورہ کرنے کے لئے ایک طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے خلافت پسند نہیں کرتا اب آپ لوگوں میں سے بھی جو خلافت کی ذمہ داری سے دستبردار ہونا چاہے وہ بتا دے۔ اس لئے کہ جو بری ہوگا ہم خلافت اسی کے سپرد کریں گے اور جو شخص خلیفہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ہو اور اصلاح امت کی بہت خواہش رکھتا ہو۔ اس بات کے جواب میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما یعنی دونوں حضرات چپ رہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا آپ لوگ اس انتخاب کا کام ہمارے سپرد کر دیں۔ قسم خدا کی میں آپ لوگوں میں سے بہتر اور افضل شخص کا انتخاب کروں گا۔ دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو منظور ہے ہم انتخاب خلیفہ کا کام آپ کے سپرد کرتے ہیں۔

اب اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک طرف گئے اور ان سے کہا کہ اے علی! آپ اسلام قبول کرنے میں سابقین اولین میں سے ہیں اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہیں لہٰذا آپ کو اگر میں خلیفہ مقرر کر دوں تو آپ قبول فرما لیں اور اگر میں کسی دوسرے کو آپ پر خلیفہ مقرر کر دوں تو اس کی اطاعت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے منظور ہے۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک طرف گئے اور ان سے بھی تنہائی میں اسی قسم کی گفتگو کی تو انہوں نے بھی دونوں باتوں کو تسلیم کر لیا۔ جب ان دونوں حضرات سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس قسم کا عہد و پیمان لے

لیا تو اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کرلی۔

تاریخ الخلفاء میں ابن عساکر کے حوالہ سے ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس لئے خلیفہ منتخب کیا کہ جو بھی صائب الرائے تنہائی میں ان سے ملتا وہ یہی مشورہ دیتا کہ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملنی چاہئے وہ اس کے لئے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! میں نے سب لوگوں کی رائے معلوم کرلی ہے۔ خلافت کے بارے میں سب کی رائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں سنت خدا، سنت رسول اور دونوں خلفاء کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ اس طرح سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی پھر تمام مہاجرین وانصار نے ان سے بیعت کی۔

اور مسند امام احمد میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ کر حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے کیوں بیعت کی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے پہلے حضرت علی ہی سے کہا کہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کے بعد میں نے حضرتَ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے اسی قسم کی گفتگو کی تو انہوں نے قبول کرلیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴)

غنیۃ الطالبین جو حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تصنیف مشہور ہے اس میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔

تو اس روایت کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلافت سے اس لئے انکار کردیا کہ ان پر عام صحابہ کا رجحان ظاہر ہوچکا تھا کہ وہ میری بجائے

حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے صحابہ کی مرضی کے خلاف زبردستی ان کا خلیفہ بنانا پسند نہ فرمایا۔ رضی اللہ عنہم

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تنہائی میں حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو مجھے آپ کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ علی سے۔ پھر میں نے اسی طرح تنہائی میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس کی بیعت کا مشورہ دیں گے؟ انہوں نے فرمایا حضرت عثمان غنی سے۔ پھر میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اسی طرح تخلیہ میں ان سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کی رائے دیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی یا حضرت عثمان غنی سے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت سعد کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا اور آپ کا ارادہ خلیفۃ المسلمین بننے کا تو ہے نہیں۔ تو پھر آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان سے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا تو اکثر لوگوں کی رائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پائی۔ اس لئے انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ (رضی اللہ عنہم)

ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے سرکارِ اقدس اور ان کی آل واصحاب پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کریں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

رافضی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے خلافت کے حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے مگر لوگوں نے ان کے حق کو غصب کر لیا کہ پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا رضی اللہ عنہم۔ اس طرح مسلسل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حق تلفی کی گئی۔

پھر رافضی اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حضرات خلفاء ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام کہ جنہوں نے ان کو خلیفہ منتخب کیا ان سب سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے جو لوگ خلیفہ ہوئے اور جنہوں نے ان کو خلیفہ بنایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی خدائے تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے اور ان کی تعریف و توصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً پ ۲۷ ع ۱۷ میں ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ م بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ط یعنی تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

اور پ ۱۱ ع ۲ میں ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یعنی اور سب میں اگلے پہلے مہاجرین و انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اور پ ۲۸ ع ۴ میں ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ یعنی ہجرت کرنے والے فقیروں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں۔

پھر اسی پ ۲۸ ع ۴ میں وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ یعنی اور جن لوگوں نے پہلے سے اس (مدینہ منورہ) شہر میں اور ایمان میں گھر بنالیا وہ دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور وہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو (مہاجرین مال غنیمت) دیئے گئے۔ اور (انصار) اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کی

لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اور پ۴ع۸ میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ یعنی بیشک اللہ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہوا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر خدائے تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔

حضرات! اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں خدائے عزوجل نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے اصحاب کی واضح لفظوں میں تعریف وتوصیف بیان فرمائی ہے مگر ہم بروقت انہیں چند آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

اب آپ لوگ غور کیجئے۔ پہلی آیت کریمہ جو ہم نے تلاوت کی ہے اس میں فرمایا گیا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور لڑائی کرنے والے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے

اور دوسری آیت مبارکہ میں ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

اور تیسری آیت کریمہ میں فرمایا گیا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یعنی وہی لوگ سچے ہیں۔

اور چوتھی آیت مبارکہ میں ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی وہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

اور پانچویں آیت کریمہ میں فرمایا گیا وَيُزَكِّيْهِمْ۔ نبی کریم ﷺ ان کا تزکیہ فرماتے ہیں یعنی ناپسندیدہ خصلتوں اور بری باتوں سے ان کو پاک وصاف کرتے ہیں اور صالح بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دی کہ نبی کریم ﷺ مزکّی ہیں تو اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ صحابہ کرام کے قلوب کا انہوں نے تزکیہ فرمایا۔ اس لئے کہ اگر ان کے قلوب کا تزکیہ نہیں فرمایا تو مزکّی نہیں ہو سکتے۔ اور جب نبی کریم ﷺ نے ان کے قلوب

کا تزکیہ فرمایا تو ماننا پڑے گا کہ وہ نیکوکار اور صالح ہیں۔ ان کے اخلاق بلند ہیں وہ اوصاف حمیدہ والے ہیں ان کی نیتیں صحیح ہیں اور ان کا عمل ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

لہٰذا صحابہ کرام کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور ایسے لوگ کہ جو فلاح یافتہ اور سچے ہیں اور جن کے قلوب مُزکّٰی و مُجلّٰی ہیں ان کے بارے میں فاسد اعتقاد رکھنا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق کو غصب کرلیا۔ انتہائی بدنصیبی و بدبختی ہے بلکہ قرآن شریف کو جھٹلانا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بادشاہ جس جماعت سے راضی ہو اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہو اس جماعت سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کی برائی کرنا بادشاہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ تو خدائے ذوالجلال جو صحابہ سے راضی ہے اور اپنی کتاب قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کی تعریف و توصیف بیان فرماتا ہے اس مبارک جماعت سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کی برائی کرنا خدائے تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے۔

حضرت علامہ ابوزرعہ رازی رضی اللہ عنہ جو تبع تابعین میں سے ہیں انہوں نے اس سلسلے میں نہایت ہی عمدہ بات فرمائی ہے، فرماتے ہیں: اِذَا رَأَیتَ الرَّجُلَ اَنَّهٗ یُنْقِصُ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ زِنْدِیْقٌ ۔یعنی جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے ان میں نقص نکالتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق اور بے دین ہے۔ اس لئے کہ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان ہمیں صحابہ ہی کے واسطے سے ملا ہے تو ان کی ذات میں برائی ثابت کرنا اور ان کو غلط ٹھہرانا قرآن و حدیث کو باطل قرار دینا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (الاصابہ ص ۱۱ ج ۱)

ایک بار آپ سب لوگ مل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف کی ڈالیاں پیش کریں۔ صلی اللہ الخ۔

آپ کا پہلا خطبہ:

تاریخ الخلفاء میں ابن سعد کے حوالہ سے ہے کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ کچھ بیان نہ کر سکے۔ صرف اتنا فرمایا کہ اے لوگو! پہلی مرتبہ گھوڑے پر سوار ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آج کے بعد بہت سے دن آئیں گے۔ اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے سامنے ضرور خطبہ دوں گا۔ ہمارے خاندان میں لوگ خطیب نہیں ہوئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عنقریب ہمیں خطبہ دینے پر قدرت عطا فرمائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ منبر کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تیسرے پر۔ جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا آیا پھر اوّل پر خطبہ فرمایا۔ سبب پوچھا گیا فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۷۰۰)

برادرانِ ملت! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جملے قابل غور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ ان کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہمسر گمان کرتے تو کیا اس میں کوئی خرابی تھی؟ بیشک خرابی تھی۔ اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ ہرگز منظور نہیں تھا کہ لوگ ان کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہمسر گمان کریں۔ اسی طرح ان کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ لوگ ان کے بارے میں وہم کریں کہ وہ فاروق اعظم کے برابر ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر تیسرے پر پڑھتا تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے برابری کا دعویٰ کرنا تو بہت دور کی بات ہے ان کو اتنا بھی گوارا نہیں تھا کہ ان کے بارے میں کوئی یہ وہم وگمان کرے کہ وہ حضرات شیخین کے ہمسر و برابر ہیں۔ اسی لئے وہ سب سے اوپر والے درجہ پر خطبہ پڑھتے۔

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ بھی قابل توجہ ہے کہ میں نے وہاں خطبہ پڑھا

جہاں یہ (یعنی ہمسری و برابری کا) احتمال متصور ہی نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کوئی بھی یہ تصور کر ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور سے برابری و ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ اگر کوئی آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے برابری و ہمسری کا دعویٰ کرے تو وہ گستاخ و بے ادب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے سے الگ ہے۔ اور حدیث شریف میں مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کے مطابق انہیں کے راستے پر چلنے والے جنتی ہیں باقی سب جہنمی۔

آپ کے زمانہ خلافت کی فتوحات:

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ برابر وسیع ہوتا رہا۔ چنانچہ آپ کے زمانہ خلافت کے پہلے سال یعنی ۲۴ ہجری میں ''رے'' فتح ہوا۔ رے خراسان کا ایک شہر ہے جو آج کل ایران کا دارالسلطنت ہے اور اسے طہران کہتے ہیں۔ ۲۶ ہجری میں شہر سابور فتح ہوا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ملک شام کے گورنر تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کئی بار یہ درخواست پیش کی تھی کہ بحری بیڑا کے ذریعہ قبرص پر حملہ کی اجازت دی جائے مگر آپ نے اجازت نہ دی لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اصرار بہت زیادہ ہوا تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ سمندر اور بادبانی جہازوں کی کیفیت مفصل طریقہ سے لکھ کر مجھے روانہ کرو۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے بادبانی جہاز کو دیکھا ہے جو ایک بڑی مخلوق ہے اور اس پر چھوٹی مخلوق سوار ہوتی ہے۔ جب وہ جہاز ٹھہر جاتا ہے تو لوگوں کے دل پھٹنے لگتے ہیں اور جب وہ چلتا ہے تو عقلمند لوگ بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں اچھائیاں کم ہیں اور خرابیاں زیادہ ہیں۔ اس میں سفر کرنیوالوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی ہے۔ اگر یہ سواری کسی طرف کو جھک جائے تو عموماً لوگ ڈوب جاتے ہیں اور اگر بچ جاتے ہیں تو اس حال میں ساحل تک پہنچتے ہیں کہ کانپتے رہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خط اس مضمون کا پڑھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا وَاللّٰہِ لَا اُحْمِلُ فِیْہِ مُسْلِمًا اَبَدًا۔ یعنی قسم ہے خدائے تعالیٰ کی میں ایسی سواری پر مسلمانوں کو کبھی سوار نہیں کر سکتا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۶)

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قبرص پر مسلمانوں کا حملہ نہیں ہو سکا۔ لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا تو ان کے حکم سے ۲۷ ہجری میں جہاز کے ذریعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر لے جا کر قبرص پر حملہ کیا۔ اس کو فتح کر لیا اور جزیہ لینے کی شرط منظور کر لی۔

جس لشکر نے بحری راستہ سے جا کر قبرص پر حملہ کیا تھا اس لشکر میں مشہور و معروف صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت اُمّ حرام بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی بیوی جانور سے گر کر انتقال کر گئیں تو ان کو وہیں قبرص میں دفن کر دیا گیا۔ اس لشکر کے متعلق اللہ تعالیٰ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ عبادہ بن صامت کی بیوی بھی اس لشکر میں ہو گی اور قبرص ہی میں اس کی قبر بنے گی۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ اور کیوں نہ ہو کہ ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے بلکہ بڑے سے بڑا پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور اسی ۲۷ھ میں جرجان اور دار بجرد فتح ہوئے۔ اور اسی سال جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنایا تو انہوں نے مصر پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے افریقہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے ساری سلطنتوں کو حکومت اسلامیہ میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں اس قدر مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار اور بعض روایات کے مطابق تین تین ہزار دینار ملے۔ دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ایک سکہ ہوتا ہے۔ اس فتح عظیم کے بعد اسی ۲۷ ہجری میں اسپین یعنی ہسپانیہ

بھی فتح ہو گیا اور ۲۹ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اُصطخر، فسا اور ان کے علاوہ بعض دوسرے ممالک بھی فتح ہوئے۔

اور ۳۰ ہجری میں جور، خراسان اور نیشا پور صلح کے ذریعہ فتح ہوئے۔ اسی طرح ملک ایران کے دوسرے شہر طوس، سرخس، مرو، اور بیہق بھی صلح سے فتح ہوئے۔ اس قدر فتوحات سے جب بے شمار مال غنیمت ہر طرف سے دارالخلافت میں پہنچنے لگا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان مالوں کی حفاظت کے لئے کئی محفوظ خزانے بنوانے پڑے اور لوگوں میں اس فراخ دلی سے مال تقسیم فرمایا کہ ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے ملے جبکہ ایک بدرہ ۱۰ ہزار درہم کا ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۶)

آپ کی کرامتیں:

برادرانِ اسلام! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کئی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند کرامتیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک اجنبی عورت کو گھور گھور کر غلط نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد یہ شخص امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس شخص کو دیکھ کر حضرت امیر المؤمنین نے نہایت ہی پر جلال لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگ ایسی حالت میں میرے سامنے آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں۔ شخص مذکور نے جل بھن کر کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وحی اترنے لگی ہے؟ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہیں؟

امیر المؤمنین نے ارشاد فرمایا کہ میرے اوپر وحی تو نہیں نازل ہوتی لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے یہ بالکل ہی قول حق اور سچی بات ہے اور خداوند قدوس نے مجھے ایک ایسی فراست (نورانی بصیرت) عطا فرمائی ہے جس سے میں لوگوں کے دلوں کے حالات و خیالات کو معلوم کر لیتا ہوں۔ (کرامات صحابہ بحوالہ حجۃ اللہ علی العالمین جلد دوم ص ۸۶۲)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد

نبوی کے منبر اقدس پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بدنصیب اور خبیث النفس انسان جس کا نام ''جہجاہ غفاری'' تھا کھڑا ہوگیا اور آپ کے دست مبارک سے عصا چھین کر اس کو توڑ ڈالا۔ آپ نے اپنے حلم وحیاء کی وجہ سے اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن خدائے تعالیٰ کی قہاری وجباری نے اس بے ادبی اور گستاخی پر اس مردود کو یہ سزا دی کہ اس کے ہاتھ میں کینسر کا مرض ہوگیا اور اس کا ہاتھ گل سڑ کر گر پڑا اور وہ یہ سزا پا کر ایک سال کے اندر ہی مر گیا۔ (کرامات صحابہ بحوالہ حجۃ اللہ علی العالمین جلد دوم ص ۸۶۲)

اور حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ملک شام کی سرزمین میں تھا تو میں نے ایک شخص کو بار بار یہ صدا لگاتے ہوئے سنا کہ ''ہائے افسوس! میرے لئے جہنم ہے۔'' میں اٹھ کر اس کے پاس گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہے اور اپنے چہرے کے بل زمین پر اوندھا پڑا ہوا بار بار لگاتار یہی کہہ رہا ہے کہ ''ہائے افسوس میرے لئے جہنم ہے۔'' یہ منظر دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اے شخص تیرا کیا حال ہے؟ اور کیوں اور کس بنا پر تجھے اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے؟ یہ سن کر اس نے یہ کہا کہ اے شخص! میرا حال نہ پوچھ میں ان بدنصیب لوگوں میں سے ہوں جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے ان کے مکان میں گھس پڑے تھے۔ میں جب تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو ان کی بیوی صاحبہ نے مجھے ڈانٹ کر شور مچانا شروع کیا تو میں نے ان کی بیوی صاحبہ کو ایک تھپڑ مار دیا۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی کہ ''اللہ تعالیٰ تیرے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ ڈالے اور تیری دونوں آنکھوں کو اندھی کردے اور تجھ کو جہنم میں جھونک دے''۔ اے شخص! میں امیر المؤمنین کے پرجلال چہرے کو دیکھ کر اور ان کی اس قاہرانہ دعا کو سن کر کانپ اٹھا اور میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہوگیا اور میں خوف و دہشت سے کانپتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔

امیر المؤمنین کی چار دعاؤں میں سے تین دعاؤں کی زد میں تو میں آچکا ہوں تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹ چکے ہیں اور دونوں آنکھیں اندھی

ہو چکیں ہیں اب صرف چوتھی دعا یعنی میرا جہنم میں داخل ہونا باقی رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ بھی یقیناً ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اب میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں اور اپنے جرم کو بار بار یاد کر کے نادم و شرمسار ہو رہا ہوں اور اپنے جہنمی ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔

(کرامات صحابہ بحوالہ ازالۃ الخفا مقصد۲ ص ۲۲۷)

مذکورہ بالا تینوں واقعات امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عظیم کرامتیں ہیں جو ان کی جلالت شان اور بارگاہ خداوندی میں ان کی مقبولیت اور ولایت کی واضح نشانیاں ہیں۔

آپ کی شہادت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت کل بارہ سال رہا۔ شروع کے چھ برسوں میں لوگوں کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی بلکہ ان برسوں میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ لوگوں میں مقبول و محبوب رہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ سختی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں سختی کا وجود نہ تھا آپ بہت بامروت تھے۔ لیکن آخری چھ برسوں میں بعض گورنروں کے سبب لوگوں کو آپ سے شکایت ہوگئی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ ابھی عبداللہ کے تقرر کو صرف دو سال گزرے تھے کہ مصر کے لوگوں کو ان سے شکایتیں پیدا ہوگئیں۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دادرسی چاہی آپ نے بذریعہ تحریر عبداللہ کو سخت تنبیہ فرمائی اور تاکید کی کہ خبردار! آئندہ تمہاری شکایت میرے پاس نہ پہنچے مگر عبداللہ نے آپ کے خط کی پروانہ کی بلکہ مصر کے جو لوگ دارالخلافہ مدینہ شریف میں شکایت لے کر آئے تھے ان کو قتل کر دیا۔ اس سے مصر کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی یہاں تک کہ وہاں سے سات سو افراد مدینہ شریف آئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عبداللہ کی زیادتیاں بیان کیں اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی شکایتیں کیں۔ تو بعض صحابہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے سخت کلامی کی اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے پاس آئے ہیں اور عبداللہ بن ابی سرح جس پر قتل کا الزام ہے اس کی معزولی اور برطرفی کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں مگر آپ ان

کی باتوں پر توجہ نہیں کرتے۔ آپ کو چاہئے کہ ایسے شخص کو مناسب سزا دیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ لوگ قتل ناحق کے سبب مصر کے گورنر کی معزولی چاہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں انصاف کیجئے اور عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ پر کسی اور کو گورنر مقرر کر دیجئے۔ آپ نے مصر کے لوگوں سے فرمایا کہ اِخْتَارُ وْارَجُلاً اُوَلِّیْهِ عَلَیْکُمْ مَکَانَهٗ یعنی آپ لوگ خود ہی کسی کو گورنر چن لیجئے۔ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے آپ لوگوں کے چنے ہوئے گورنر کو مقرر کر دوں گا۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یعنی محمد بن ابوبکر کو منتخب کیا۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے انتخاب کو منظور فرمالیا اور حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے لئے پروانہ تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں معزول کی تحریر لکھ دی۔ محمد بن ابوبکر مصر سے آئے ہوئے سات سو افراد اور کچھ انصار و مہاجرین کے ساتھ مصر کے لئے روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ سے ابھی یہ قافلہ تیسری ہی منزل پر تھا کہ ان کو ایک حبشی غلام سانڈنی پر بیٹھا ہوا نہایت تیزی کے ساتھ مصر کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے رنگ ڈھنگ اور اس کی تیز رفتاری سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ غلام یا تو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے اور یا تو کسی کا قاصد ہے۔ قافلہ والوں نے اسے بڑھ کر پکڑ لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو کہیں سے بھاگا ہے یا تجھے کسی کی تلاش ہے؟ اس نے کہا میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں پھر کہا کہ میں مروان کا غلام ہوں۔ ایک شخص نے اسے پہچان لیا اور بتایا کہ یہ امیر المؤمنین ہی کا غلام ہے۔ حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے؟ اس نے کہا مجھے مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے خشک مشکیزہ سے ایک خط نکلا جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عامل مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا۔ محمد بن ابوبکر نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے خط کھولا جس میں لکھا ہوا تھا کہ اِذَا اَتَاكَ مُحَمَّدٌ وَّفُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَاحْتَلْ فِیْ قَتْلِهِمْ وَاَبْطِلْ کِتَابَهٗ وَقِرَّعَلٰی عَمَلِكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ رَاْئِیْ۔ یعنی جب محمد بن ابوبکر اور

فلاں وفلاں تمہارے پاس پہنچیں تو ان کو کسی حیلے سے قتل کر دو۔ خط کو کالعدم قرار دو اور جب تک کہ میرا دوسرا حکم نامہ پہنچے اپنے عہدہ پر برقرار رہو۔

اس خط کو پڑھ کر قافلہ والے سب لوگ دنگ رہ گئے۔ محمد بن ابوبکر نے اس خط پر ساتھ کے چند ذمہ دار لوگوں کی مہریں لگوا دیں اور اسے ایک شخص کی تحویل میں دے دیا اور سب لوگ وہیں سے مدینہ منورہ کو واپس ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے خط کھول کر سب کو پڑھوایا اور اس حبشی غلام کا سارا واقعہ سنایا۔ اس پر سب لوگ بہت سخت برہم ہوئے اور تمام صحابہ کرام غیظ وغضب میں بھرے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے مگر محمد بن ابوبکر نے اپنے قبیلہ بنو تمیم اور مصریوں کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عمار اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ وہ خط غلام اور اونٹنی بھی تھی جو راستے میں پکڑی گئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ غلام آپ کا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں یہ میرا غلام ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کیا یہ اونٹنی بھی آپ ہی کی ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا ہاں یہ اونٹنی بھی ہماری ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ خط پیش فرمایا اور پوچھا یہ خط آپ نے لکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کے کہا کہ نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا ہے اور نہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ اونٹنی آپ کی اور خط پر مہر بھی آپ کی جسے آپ ہی کا غلام یہاں سے لے کر جا رہا تھا مگر آپ کو کوئی علم نہیں۔ تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کے فرمایا کہ نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ میں نے غلام کو یہ خط دے کر مصر کی طرف روانہ کیا ہے۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ ان کا دامن اس جرم سے پاک ہے لوگوں نے تحریر کو بغور دیکھا تو یہ خیال قائم کیا کہ تحریر مروان کی ہے اور ساری شرارت اسی کی ذات سے ہے۔ مروان اس وقت امیر المؤمنین کے مکان میں موجود تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے مروان کو سزا دیتے اور اسے قتل کر دیتے حالانکہ تحریر سے یقین کامل نہیں ہوتا اس لئے کہ اَلْخَطُّ یَشْبَہُ الْخَطَّ۔ یعنی ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے تو انہیں مروان کی تحریر ہونے کا صرف شبہ تھا اور شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو پہنچتا ہے۔ اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مروان کو ان کے سپرد نہیں کیا۔ علاوہ اس کے سپرد کرنے میں بہت بڑے فتنہ کا اندیشہ بھی تھا۔

بہر حال جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مروان کو لوگوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو صحابہ کرام ان کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عثمان کبھی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے مگر کچھ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ شک سے بری نہیں ہو سکتے جب تک کہ مروان کو ہمارے سپرد نہ کر دیں اور ہم اس سے تحقیق نہ کر لیں اور یہ معلوم نہ ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ خط انہوں نے ہی لکھا ہے تو ہم انہیں خلافت سے الگ کر دیں گے اور اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت عثمان کی طرف سے مروان نے خط لکھا ہے تو ہم اسے سزا دیں گے۔

محاصرہ میں سختی:

جب اکابر صحابہ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو بلوائیوں نے محاصرہ میں اور سختی پیدا کر دی یہاں تک کہ ان پر پانی کو بند کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اوپر سے جھانک کر مجمع سے دریافت فرمایا کیا تم میں علی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تم میں سعد موجود ہیں؟ جواب دیا گیا کہ سعد بھی نہیں موجود ہیں۔ یہ جواب سن کر آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا کوئی شخص علی کو یہ خبر پہنچا دے کہ وہ ہمارے لئے پانی مہیا

کردیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچائی گئی تو انہوں نے آپ کے لئے پانی سے بھرے ہوئے تین مشکیزے بھجوادیئے مگر وہ پانی بمشکل تمام آپ تک پہنچا کہ اس کے سبب بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کئی غلام زخمی ہو گئے۔ اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں صاحبزادگان یعنی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر حضرت عثمان غنی کے دروازہ پر جاؤ پہرے داروں کی طرح ہوشیار کھڑے رہو اور خبردار کسی بھی بلوائی کو اندر ہرگز نہ جانے دو۔ اسی طرح حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے صاحبزادگان کو امیر المؤمنین کے دروازہ پر بھیج دیا جو برابر نہایت مستعدی کے ساتھ ان کی حفاظت کرتے رہے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب بلوائیوں نے محاصرہ سخت کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چند مہاجرین کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دولت خانہ پر تشریف لائے اور ان سے کہنے لگے کہ یہ جس قدر بلوائی آپ پر چڑھ آئے ہیں یہ وہی ہیں جو ہماری تلواروں سے مسلمان ہوئے ہیں اور اب بھی ڈر کے مارے کپڑے ہی میں پاخانہ کئے دیتے ہیں۔ یہ سب شیخیاں اور اونچی اونچی اڑانیں اس سبب سے ہیں کہ کلمہ پڑھتے ہیں اور آپ کلمہ کی حرمت کا پاس ولحاظ کرتے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم ان کو ان کی حقیقت معلوم کرادیں۔ اور ان کی بھولی ہوئی بات پھر ان کو یاد دلا دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم ایسی بات نہ کہو صرف میری جان کی خاطر اسلام میں ہرگز پھوٹ نہ پیدا کرو۔

پھر آپ کے سارے غلام جو ایک فوج کے برابر تھے اسباب وہتھیار سے تیار ہو کر آپ کے سامنے آئے اور بڑی بے چینی و بے قراری کے ساتھ آپ سے کہنے لگے کہ ہم وہی تو ہیں جن کی تلواروں کی تاب خراسان سے افریقہ تک کوئی نہ لا سکا۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم مغروروں کو ان کے کام کا تماشا دکھادیں۔ گفتگو اور بات چیت سے ان کی درستگی نہیں ہوسکتی۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ کلمہ کی حرمت کے سبب ہمیں کوئی نہیں چھیڑے گا

اسی لئے وہ راہ راست پر نہیں آتے اور آپ کی نیز دیگر صحابہ کرام کی باتوں کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتے لہٰذا آپ ہمیں ان سے لڑنے کی اجازت دیجئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غلاموں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ میری رضا و خوشنودی چاہتے ہو اور میری نعمت کا حق ادا کرنا چاہتے ہو تو ہتھیار کھول دو اور اپنی اپنی جگہوں پر جا کر بیٹھو اور سن لو کہ تم لوگوں میں سے جو غلام بھی ہتھیار کھول دے اس کو میں نے آزاد کر دیا۔ وَاللّٰهِ لَاَنْ اُقْتَلَ قَبْلَ الدِّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ بَعْدَالدِّمَاءِ۔ یعنی اللہ کی قسم خونریزی سے پہلے میرا قتل ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اس سے کہ میں خونریزی کے بعد قتل کیا جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ میری شہادت لکھ دی گئی ہے اور اللہ کے رسول پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بشارت مجھ کو دے دی ہے۔ اگر تم لوگوں نے بلوائیوں سے جنگ بھی کی تو بھی میں ضرور قتل کر دیا جاؤں گا لہٰذا ان سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

بلوائیوں کا آپ کو شہید کر دینا:

محمد بن ابوبکر نے جب دیکھا کہ دروازہ پر ایسا سخت پہرہ ہے کہ اندر پہنچنا بہت مشکل ہے تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تیر چلانا شروع کیا جس میں سے ایک تیر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو لگ گیا اور آپ زخمی ہو گئے۔ ایک تیر مروان کو بھی لگا۔ محمد بن طلحہ بھی زخمی ہو گئے اور ایک تیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر بھی زخمی ہو گئے۔ محمد بن ابوبکر نے جب ان لوگوں کو زخمی دیکھا تو ان کو خوف لاحق ہوا کہ بنی ہاشم اگر حضرت حسن اور دوسرے لوگوں کو زخمی دیکھ لیں گے تو وہ بگڑ جائیں گے۔ اس طرح ایک نئی مصیبت پیدا ہو جائے گی لہٰذا انہوں نے دو آدمیوں کے ہاتھ پکڑ کر ان سے کہا کہ اگر بنی ہاشم اس وقت آ گئے اور انہوں نے حضرت حسن کو زخمی حالت میں دیکھ لیا تو وہ ہم سے الجھ پڑیں گے اور ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا لہٰذا ہمارے ساتھ چلو ہم پڑوس کے مکان میں پہنچ کر عثمان کے گھر میں کود پڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔ اس گفتگو کے بعد محمد بن ابوبکر اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک انصاری کے مکان میں گھس گئے اور وہاں سے چھت پھاند کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان میں پہنچ گئے۔ ان لوگوں کے پہنچنے کی دوسرے لوگوں کو خبر نہ ہوئی اس لئے کہ جو

لوگ گھر پر موجود تھے وہ چھت پر تھے۔ نیچے امیر المؤمنین کے پاس صرف ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے محمد بن ابو بکر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر ان کی داڑھی پکڑ لی تو امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا اگر تمہارے باپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تجھے میرے ساتھ ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ کیا کہتے۔ اس بات کو سن کر محمد بن ابو بکر نے ان کی داڑھی چھوڑ دی لیکن اسی درمیان میں ان کے دونوں ساتھی آ گئے جو امیر المؤمنین پر جھپٹ پڑے اور ان کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اور دشمن ان کو شہید کر رہے تھے اس وقت آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا بہت چیخی چلائیں۔ لیکن بلوائیوں نے چونکہ بڑا شور و غوغا کر رکھا تھا اس لئے آپ کی چیخ و پکار کو کسی نے نہیں سنا۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ کوٹھے پر گئیں اور لوگوں کو بتایا کہ امیر المؤمنین شہید کر دیئے گئے۔ لوگوں نے نیچے اتر کر دیکھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پورا جسم خون آلود تھا اور ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ شہادت کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے جب تلوار لگی تو آیت کریمہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ (البقرۃ:۱۳۷) پر خون کے چند قطرات پڑے اور آپ کی بیوی صاحبہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے تلوار کے وار کو جب اپنے ہاتھوں سے روکا تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برہمی:

جب حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور دیگر صحابہ و اہل مدینہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو سب کے ہوش اڑ گئے۔ آپ کے مکان پر آئے آپ کو شہید دیکھ کر سب نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس صورتحال سے اتنا غصہ پیدا ہوا کہ حضرت امام حسن کو ایک طمانچہ اور حضرت امام حسین کے سینہ پر ایک گھونسا مارا اور فرمایا كَيْفَ قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْتُمَا عَلَى الْبَابِ۔ یعنی جب کہ تم دونوں دروازہ پر موجود تھے تو امیر المؤمنین کیسے شہید کر دیئے گئے۔

پھر آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد اور حضرت زبیر کے صاحبزادے عبداللہ کو بھی سخت سست اور برا بھلا کہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ قاتل دروازہ سے نہیں داخل ہوئے تھے بلکہ پڑوس کے مکان سے کود کر آئے تھے تو آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سے دریافت فرمایا کہ امیرالمؤمنین کو کس نے شہید کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں ان لوگوں کو تو نہیں جانتی جنہوں نے امیرالمؤمنین کو شہید کیا البتہ ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر تھے جنہوں نے امیرالمؤمنین کی داڑھی بھی پکڑی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر کو بلا کر قتل کے بارے میں ان سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ حضرت نائلہ سچ کہتی ہیں بیشک میں گھر کے اندر ضرور داخل ہوا تھا اور قتل کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن جب انہوں نے میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا تو میں ان کو چھوڑ کر ہٹ گیا۔ میں اپنے اس فعل پر نادم و شرمندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں خدا کی قسم میں نے ان کو قتل نہیں کیا ہے۔ ابن عساکر نے کنانہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جس نے شہید کیا وہ مصر کا رہنے والا تھا اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور اس کا نام ''حمار'' تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے قاتل کا نام ''اَسْوَدْ'' تھا بہت ممکن ہے کہ محمد بن ابوبکر کے ساتھ دو بلوائی جو آپ کے مکان میں کودے تھے اس میں سے ایک کا نام ''حمار'' اور دوسرے کا نام ''اسود'' رہا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۳۵ ہجری ماہ ذی الحجہ کے ایام تشریق میں شہید ہوئے جبکہ آپ کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ حش کوکب کے مقام پر جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

دُرِّ منثورِ قرآں کی سِلک بہی — زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحبِ قمیصِ ہُدیٰ — حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم
سیّدنا محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ اجمعین۔

امیرالمؤمنین

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّد المرسلین وعلی اٰلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واھل بیتہ اجمعین اما بعد فقدقال اللہ تعالیٰ فی القران المجید والفرقان الحمید اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ۲۶ ع۱۲)

صدق اللہ مولینا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم الامین علیہ وعلی اٰلہٖ افضل الصلوات واکمل التسلیم ۔

ایک بار ہم سب مل کر ساری کائنات کے آقا ومولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ دُرَر بار میں بلند آواز سے جھوم جھوم کر درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرات! دنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوئے جن میں سے اکثر ایسے ہوئے کہ ان میں کوئی کمال وخوبی نہیں اور بعض لوگ ایسے ہوئے جو صرف چند خوبیاں رکھتے تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ ذات گرامی ہے جو بہت سے کمال وخوبیوں کی جامع ہے کہ آپ

شیر خدا بھی ہیں اور داماد مصطفیٰ بھی، حیدر کرار بھی ہیں اور صاحب ذوالفقار بھی، حضرت فاطمہ زہرا کے شوہر نامدار بھی اور حسنین کریمین کے والد بزرگوار بھی، صاحب سخاوت بھی اور صاحب شجاعت بھی، عبادت و ریاضت والے بھی اور فصاحت و بلاغت والے بھی، علم والے بھی اور حلم والے بھی، فاتح خیبر بھی اور میدان خطابت کے شہسوار بھی، غرضکہ آپ بہت سے کمال وخوبیوں کے جامع ہیں اور ہر ایک میں ممتاز و یگانہ روزگار ہیں۔ اسی لئے دنیا آپ کو **مظہر العجائب والغرائب** سے یاد کرتی ہے اور قیامت تک اسی طرح یاد کرتی رہے گی۔

مرتضیٰ شیرِ حق اَشجع الاشجعین ۔۔۔ بابِ فضل وولایت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن ۔۔۔ پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

نام ونسب:

آپ کا نام نامی ''علی بن ابی طالب'' اور کنیت ''ابوالحسن وابوتراب'' ہے۔ آپ سرکارِ اقدس ﷺ کے چچا ابوطالب کے صاحبزادے ہیں یعنی حضور کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ اور یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۳)

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ آپ ۳۰ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور اعلان نبوت سے پہلے ہی مولائے کل سیدالرسل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی پرورش میں آئے کہ جب قریش قحط میں مبتلا ہوئے تھے تو حضور نے ابوطالب پر عیال کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو لے لیا تھا۔ اس طرح حضور کے سائے میں آپ نے پرورش پائی اور انہیں کی گود میں ہوش سنبھالا۔ آنکھ کھلتے ہی حضور کا جمال جہاں آرا دیکھا، انہیں کی باتیں سنیں اور انہیں کی عادتیں سیکھیں۔ اس لئے بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا یعنی آپ نے کبھی بت پرستی نہ کی اور اسی لئے کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ کا لقب ہوا۔

(تنزیہ المکانۃ الحیدریہ وغیرہ)

آپ کا قبول اسلام:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نوعمر لوگوں میں سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جب آپ ایمان لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک دس سال تھی بلکہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق نو سال اور بعض کہتے ہیں آٹھ سال اور کچھ لوگ اس سے بھی کم بتاتے ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تنزیہ المکانۃ الحیدریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بوقت اسلام آپ کی عمر آٹھ دس سال تھی۔

آپ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل' محمد بن اسحاق نے اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب یہ لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا دین ہے جس کو اس نے اپنے لئے منتخب کیا ہے اور اسی کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے رسول کو بھیجا ہے لہٰذا میں تم کو بھی ایسے معبود کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں تم کو اسی کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک میں اپنے باپ ابو طالب سے دریافت نہ کرلوں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا چونکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راز کا فاش ہونا منظور نہ تھا اس لئے آپ نے فرمایا اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو ابھی اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ اس وقت رات میں ایمان نہیں لائے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایمان کو راسخ کر دیا تھا۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی پیش کی ہوئی ساری باتوں کو قبول کرلیا اور اسلام لے آئے۔

آپ کی ہجرت:

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خدائے تعالیٰ کے حکم کے مطابق مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے

ہجرت کا حکم ہو چکا ہے لہٰذا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے بستر پر میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر سو رہو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ قریش کی ساری امانتیں جو میرے پاس رکھی ہوئی ہیں ان کے مالکوں کو دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا۔

یہ موقع بڑا ہی خوفناک اور نہایت خطرہ کا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار قریش سونے کی حالت میں حضور کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اسی لئے خدائے تعالیٰ نے آپ کو اپنے بستر پر سونے سے منع فرما دیا ہے۔ آج حضور کا بستر قتل گاہ ہے لیکن اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ "تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی قریش کی امانتیں دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پورا یقین تھا کہ دشمن مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے میں زندہ رہوں گا اور مدینہ ضرور پہنچوں گا لہٰذا سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جو آج بظاہر کانٹوں کا بچھونا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے پھولوں کی سیج بن گیا۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ سورج پورب کی بجائے پچھم سے نکل سکتا ہے مگر حضور کے فرمان کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ

میں رات بھر آرام سے سویا صبح اٹھ کر لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو سونپنا شروع کیا اور کسی سے نہیں چھپا۔ اسی طرح مکہ میں تین دن رہا پھر امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں بھی مدینہ کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں بھی کسی نے مجھ سے کوئی تعارض نہ کیا یہاں تک کہ میں قبا میں پہنچا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے میں بھی وہیں ٹھہر گیا۔

ایک بار ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بلند آواز سے درود شریف کی ڈالیاں پیش کریں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الخ۔

اُخوتِ رسول:

برادرانِ ملت! حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور چچازاد بھائی ہونے کے

ساتھ ''عقد مواخاۃ'' میں بھی آپ کے بھائی ہیں جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ طیبہ میں اخوت یعنی بھائی چارہ قائم کیا کہ دو دو صحابہ کو بھائی بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے سارے صحابہ کے درمیان اخوت قائم کی ایک صحابی کو دوسرے صحابی کا بھائی بنایا مگر مجھ کو کسی کا بھائی نہ بنایا میں یوں ہی رہ گیا۔ تو سرکارِ اقدس ﷺ نے فرمایا اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۔ یعنی تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۶۴)

آپ کی شجاعت:

برادرانِ اسلام! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری شہرہ آفاق ہے، عرب وعجم میں آپ کی قوت بازو کے سکے بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کے رعب ودبدبہ سے آج بھی بڑے بڑے پہلوانوں کے دل کانپ جاتے ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر سرکارِ اقدس ﷺ نے آپ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرمادیا تھا اس لئے اس میں حاضر نہ ہو سکے باقی تمام غزوات وجہاد میں شریک ہو کر بڑی جانبازی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا اور بڑے بڑے بہادروں کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جنگِ بدر میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسود بن عبدالاسد مخزومی کو کاٹ کر جہنم میں پہنچایا تو اس کے بعد کافروں کے لشکر کا سردار عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر میدان میں نکلا اور چلا کر کہا کہ: اے محمد! اشراف قریش میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا اے بنی ہاشم! اٹھو اور حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کو سن کر حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم دشمن کی طرف بڑھے۔ لشکر کا سردار عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابل ہوا اور ذلت کے ساتھ مارا گیا۔ ولید جسے اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور ڈینگیں مارتا ہوا آپ پر حملہ کیا مگر شیر خدا علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے تھوڑی ہی دیر میں اسے مار

گرایا اور ذوالفقار حیدری نے اس کے گھمنڈ کو خاک و خون میں ملا دیا۔ اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا ہے تو آپ نے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا اور اسے بھی جہنم میں پہنچا دیا۔

اور جنگ اُحد میں کہ مسلمان آگے اور پیچھے سے کفار کے بیچ میں آ گئے جس کے سبب بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ تو اس وقت سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی کافروں کے گھیرے میں آ گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی قتل کر دیئے گئے۔ اس اعلان کو سن کر مسلمان بہت پریشان ہو گئے یہاں تک کہ اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے بلکہ ان میں سے بہت لوگ بھاگ بھی گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کافروں نے مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو پہلے میں نے حضور کو زندوں میں تلاش کیا مگر نہیں پایا پھر شہیدوں میں تلاش کیا وہاں بھی نہیں پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضور میدان جنگ سے بھاگ جائیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس لئے اب بہتر یہی ہے کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں میں گھس جاؤں یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تلوار لے کر ایسا سخت حملہ کیا کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور میں نے یقین کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی۔ میں دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا کفار گروہ در گروہ حضور پر حملہ کرنے کے لئے آنے لگے۔ آپ نے فرمایا: علی! ان کو روکو، تو میں نے تنہا ان سب کا مقابلہ کیا اور ان کے منھ پھیر دیئے اور کئی ایک کو قتل بھی کیا۔ اس کے بعد پھر ایک گروہ اور حضور پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا۔ آپ نے پھر میری طرف اشارہ فرمایا تو میں نے پھر اس گروہ کا اکیلے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل نے آ کر حضور سے میری بہادری اور مدد کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا اِنَّهٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ یعنی بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ علی کو مجھ سے کمال قرب حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْكُمَا یعنی میں تم دونوں سے

ہوں۔

سرکارِاقدس ﷺ کو نہ پاکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہوجانے کی نیت سے کافروں کے جتھے میں تنہا گھس جانا اور حضور پر حملہ کرنے والے گروہ در گروہ سے اکیلے مقابلہ کرنا آپ کی بے مثال بہادری اور انتہائی دلیری کی خبر دیتا ہے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ سے آپ کے عشق اور سچی محبت کا بھی پتا دیتا ہے۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

اور حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کے روز عمرو بن عبدود (جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا) ایک جھنڈا لئے ہوئے نکلا تاکہ وہ میدان جنگ کو دیکھے۔ جب وہ اور اس کے ساتھ کے سوار ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمرو! تو قریش سے اللہ کی قسم دے کر کہا کرتا تھا کہ جب کبھی مجھ کو کوئی شخص دو اچھے کاموں کی طرف بلاتا ہے تو میں اس میں سے ایک کو ضرور اختیار کرتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں، میں نے ایسا کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ ورسول (جل جلالہ، ﷺ) اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا مجھے ان میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو اب میں تجھ کو مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں عمرو نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے کس لئے مقابلہ کی دعوت دیتا ہے خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو کا خون گرم ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا دونوں میدان میں آگئے اور تھوڑی دیر مقابلہ ہونے کے بعد شیر خدا نے اسے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم میں پہنچا دیا۔

اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ عمرو بن عبدود میدان میں اس طرح پر نکلا کہ لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے تھا اور اس نے بلند آواز سے کہا' ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے۔ اس آواز کو سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور مقابلہ کے لئے حضور سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ یہ عمرو بن عبدود ہے دوسری بار عمرو نے پھر وہی آواز دی کہ میرے مقابلہ کے لئے کون آتا ہے؟ اور مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی۔ کہنے لگا

تمہاری وہ جنت کہاں ہے جس کے بارے میں تم دعویٰ کرتے ہو کہ جو بھی تم میں سے مارا جاتا ہے وہ سیدھے اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ میرے مقابلہ کے لئے کسی کو کیوں نہیں کھڑا کرتے ہو۔ دوبارہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضور سے اجازت طلب کی مگر آپ نے پھر وہی فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، تیسری بار عمرو نے پھر وہی آواز دی اور کچھ اشعار بھی پڑے۔ راوی کا بیان ہے کہ تیسری بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضور سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اس کے مقابلہ کے لئے نکلوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے حضرت علی نے عرض کیا چاہے عمرو ہی کیوں نہ ہو۔ تیسری بار حضور نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چل کر اس کے پاس پہنچے اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

"اے عمرو! جلدی نہ کر، جو عاجز نہیں ہے وہ تیرے پاس تیری آواز کا جواب دینے والا سچی نیت اور بصیرت کے ساتھ آ گیا اور ہر کامیاب ہونے والے کو سچائی ہی نجات دیتی ہے، مجھے پوری امید ہے کہ میں تیرے جنازہ پر ایسی ضرب وسیع سے نوحہ کرنے والیوں کو قائم کروں گا کہ جس کا ذکر لوگوں میں باقی رہے گا"۔

عمرو نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں علی ہوں۔ اس نے کہا عبد مناف کے بیٹے ہو؟ آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ اس نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے! تیرے چچاؤں میں سے ایسے بھی تو ہیں جو عمر میں تجھ سے زیادہ ہیں۔ میں تیرا خون بہانے کو برا سمجھتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مگر خدا کی قسم میں تیرا خون بہانے کو قطعاً برا نہیں سمجھتا۔ یہ سن کر وہ غصہ سے تلملا اٹھا۔ گھوڑے سے اتر کر آگ کے شعلہ جیسی تلوار سونت لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لپکا۔ اور ایسا زبردست وار کیا کہ آپ نے ڈھال پر روکا تو تلوار اسے پھاڑ کر گھس گئی یہاں تک کہ آپ کے سر پر لگی اور زخمی کر دیا۔ اب شیر خدا نے سنبھل کر اس کے کندھے کی رگ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ گر پڑا اور غبار اڑا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر سنا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔ شیر خدا کی اس بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر میدان جنگ کا ایک ایک ذرہ زبان حال سے پکار اٹھا:

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لَافَتٰی اِلَّا عَلِی لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بہادروں کے بادشاہ، خدا کے شیر اور قوت پروردگار ہیں۔ ان کے سوا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔

ایک بار ہم سب لوگ مل کر پھر بلند آواز سے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف کا نذرانہ پیش کریں صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الخ۔

اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شجاعت اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے جس کا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا اور لوگوں کے دلوں میں جوش وولولہ پیدا کرتا رہے گا۔

خیبر کا وہ قلعہ جو مرحب کا پایہ تخت تھا اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ اس قلعہ کو سر کرنے کے لئے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا لیکن فاتح خیبر ہونا تو کسی اور کے لئے مقدر ہو چکا تھا اس لئے ان حضرات سے وہ فتح نہ ہوا جب اس مہم میں بہت زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو دوں گا کہ جس کے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ شخص اللہ ورسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ ورسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشخبری کو سن کر صحابہ کرام نے وہ رات بڑی بے قراری میں کاٹی اس لئے کہ ہر صحابی کو یہ تمنا تھی کہ اے کاش! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل صبح ہمیں جھنڈا عنایت فرمائیں تو اس بات کی سند ہو جاتی کہ ہم اللہ ورسول کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور اللہ ورسول ہمیں چاہتے ہیں اور اس نعمت عظمیٰ وسعادت کبریٰ سے بھی سرفراز ہو جاتے کہ فاتح خیبر بن جاتے۔ اس لئے کہ وہ صحابی تھے وہابی نہیں تھے۔ ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے حضور کو اس کی کیا خبر؟ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ کل ہو کر رہے گا۔ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں ہو سکتا۔

جب صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرام امیدیں لئے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ دیکھنے لگے کہ نبی کریم ﷺ آج کس کو سرفراز فرماتے ہیں۔ سب کی ارمان بھری نگاہیں حضور ﷺ کے لب مبارک کی جنبش پر قربان ہو رہی تھیں کہ سرکار نے فرمایا اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ ۔ یعنی علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جا کر ان کو بلا لائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ لائے گئے تو رحمت عالم ﷺ نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا تو وہ بالکل ٹھیک ہو گئیں۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں: فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْهِ فَبَرَأَ ۔ اور ان کی آنکھیں اس طرح اچھی ہو گئیں گویا دکھتی ہی نہ تھیں۔ پھر حضور انور ﷺ نے ان کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو پہلے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور پھر بتلاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیا حقوق ہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہاری کوشش سے ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۶۴)

اسلام قبول کرنے یا صلح کرنے کی بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کے لئے مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا:

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مُرَحَّبْ
شَاكِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبْ

"یعنی بیشک خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں سے لیس، بہادر اور تجربہ کار ہوں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَهْ
كَلَیْثِ غَابَاتٍ كَرِیْهِ الْمَنْظَرَهْ

''یعنی میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام ''شیر'' رکھا ہے میری صورت جھاڑوں میں رہنے والے شیر کی طرح خوفناک ہے''۔

مرحب بڑے گھمنڈ سے آیا تھا لیکن شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے فتح کا اعلان فرما دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس روز آپ نے خیبر کا دروازہ اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا تھا اور اس پر مسلمانوں نے چڑھ کر قلعہ کو فتح کر لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے وہ دروازہ پھینک دیا۔ جب لوگوں نے اسے گھسیٹ کر دوسری جگہ ڈالنا چاہا تو چالیس آدمیوں سے کم اسے اٹھا نہ سکے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۴)

اور ابن عساکر نے ابو رافع سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ خیبر میں قلعہ کا پھاٹک ہاتھ میں لے کر اس کو ڈھال بنا لیا وہ پھاٹک ان کے ہاتھ میں برابر رہا اور وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر کو فتح فرمایا۔ اس کے بعد پھاٹک کو آپ نے پھینک دیا۔ لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کئی آدمیوں نے مل کر اسے پلٹنا چاہا مگر وہ نہیں پلٹا۔ (تاریخ الخلفا ص ۱۱۴)

ایک بار آپ حضرات پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں: صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الخ۔

آپ کا حلیہ مبارک:

حضرت علی رضی اللہ عنہ جسم کے فربہ تھے۔ اکثر خود استعمال کرنے کی وجہ سے سر کے بال اڑے ہوئے تھے۔ آپ نہایت قوی اور میانہ قد مائل بہ پستی تھے۔ آپ کا پیٹ دیگر اعضا کے اعتبار سے کسی قدر بھاری تھا۔ مونڈھوں کے درمیان کا گوشت بھرا ہوا تھا۔ پیٹ سے نیچے کا جسم بھاری تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ تمام جسم پر لمبے بال' آپ کی ریش مبارک گھنی اور دراز تھی۔

مشہور ہے کہ ایک یہودی کی داڑھی بہت مختصر تھی ٹھوڑی پر صرف چند گنتی کے بال تھے

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک بڑی گھنی اور لمبی تھی۔ ایک دن وہ یہودی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: اے علی! تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں سارے علوم ہیں اور تم باب مدینۃ العلم ہو تو بتاؤ قرآن میں تمہاری گھنی داڑھی اور میری مختصر داڑھی کا بھی ذکر ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں سورۂ اعراف میں ہے: وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ج وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ط (آیت نمبر ۵۸) یعنی جو اچھی زمین ہے اس کی ہریالی اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے نہیں نکلتی مگر تھوڑی بمشکل۔

تو اے یہودی! وہ اچھی زمین ہماری ٹھوڑی ہے اور خراب زمین تیری ٹھوڑی ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم بہت وسیع تھا کہ اپنی گھنی داڑھی اور یہودی کی مختصر داڑھی کا ذکر آپ نے قرآن مجید میں ثابت کر دکھایا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن سارے علوم کا خزانہ ہے مگر لوگوں کی عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے:

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لٰكِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں بلکہ امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جتنی حدیثیں آپ کی فضیلت میں ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں اتنی حدیثیں نہیں ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں رہنے کا حکم فرمایا اور اپنے ساتھ نہیں لیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے جاتے ہیں تو سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى ۔ یعنی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے کے وقت چالیس دن کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی طرح جنگ تبوک کی روانگی کے وقت میں تم کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر جارہا ہوں لہٰذا جو مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا وہی مرتبہ ہماری بارگاہ میں تمہارا ہے۔ اس لئے اے علی! تمہیں خوش ہونا چاہئے تو ایسا ہی ہوا کہ اس خوشخبری سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلی ہو گئی۔

رافضی اس حدیث شریف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلا فصل ہونے کا استدلال کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خلیفہ مطلق نہیں بنایا تھا بلکہ ان کی خلافت محض خانگی امور کی نگرانی اور اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لئے تھی۔ اسی سبب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو مدینہ طیبہ کا صوبیدار، حضرت سباع عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور حضرت ابن اُمّ مکتوم کو اپنی مسجد کا امام بنایا تھا۔ (رضی اللہ عنہم)۔

مزید جوابات کے لئے تحفہ اثنا عشریہ کا مطالعہ کریں۔

اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علی سے بغض وعداوت نہیں رکھتا۔ (ترمذی)

سبحان اللہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا ہی بلند وبالا شان ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے محبت نہ کرنے کو منافق ہونے کی علامت ٹھہرایا اور آپ سے بغض وعداوت رکھنے کو مومن نہ ہونے کا معیار قرار دیا یعنی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہ کرے وہ منافق ہے اور جو ان سے بغض وعداوت رکھے وہ مومن نہیں۔

اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِي۔ یعنی جس نے علی کو برا بھلا کہا تو تحقیق اس نے مجھ کو برا بھلا کہا۔ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قرب اور نزدیکی حاصل ہے کہ جس نے ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی تو گویا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

میں گستاخی و بے ادبی کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی توہین کرنا حضور کی توہین کرنا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کھلے ہوئے میدان میں بہت سے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ غدیر خم میں میرے متعلق کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تو اس مجمع سے ۳۰ آدمی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ حضور نے اس روز فرمایا تھا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ یعنی میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں یَا اِلٰـهَ الْعَالَمِیْنَ! جو شخص علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو شخص علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ (تاریخ الخلفاء)

اور طبرانی و بزار حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی و حاکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا ۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور جنہوں نے اس کو موضوع کہا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶)

اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ ۔ یعنی جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی وَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَنِیْ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰہَ یعنی جس نے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ طبرانی)

اور بزار، ابو یعلیٰ اور حاکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ

---

[1] فیحصل علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسیلۃ علی رضی اللہ عنہ وبغیرہ لان مدینۃ یکون لھا فی العادۃ ابواب ولا توجد مدینۃ لھا باب واحد فمدینۃ العلم اوسع المدائن ینبغی ان یکون لھا ابواب کثیرۃ ۱۲

(حاشیہ تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہاری حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے ان سے یہاں تک دشمنی کی کہ ان کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو اس قدر حد سے بڑھ گئے کہ ان کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو کان کھول کر سن لو! میرے بارے میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک میری محبت میں حد سے تجاوز کرے گا اور میری ذات سے ان باتوں کو منسوب کرے گا جو مجھ میں نہیں ہیں اور دوسرا گروہ اس قدر بغض وعداوت رکھے گا کہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

اس حدیث شریف کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو فرقے گمراہ ہو کر ہلاک ہوئے۔ ایک رافضی اور دوسرے خارجی۔ رافضی اس لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حد سے بڑھایا یہاں تک کہ ان کو خدا کہہ دیا (دیکھئے تحفہ اثنا عشریہ باب اول) اور خارجیوں نے ان سے اس قدر بغض وعداوت رکھا کہ ان کو کافر کہہ دیا۔ (معاذ اللہ رب العالمین)

ابو تراب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک کنیت "ابو تراب" بھی ہے جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے جب کوئی شخص آپ کو ابو تراب کہہ کر پکارتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے اور رحمت عالم ﷺ کے لطف وکرم کے مزے لیتے تھے۔ اس لئے کہ یہ کنیت آپ کو حضور ہی سے عنایت ہوئی تھی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ مسجد میں آ کر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے جسم پر کچھ مٹی لگ گئی تھی کہ اتنے میں نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے بدن کی مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا:

قُمْ یَا اَبَاتُرَابْ۔ یعنی اے مٹی والے! اٹھو

اس روز سے آپ کی کنیت ابو تراب ہوگئی۔

خلفائے ثلاثہ اور حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ میں سے ہر ایک کی خلافت کو بخوشی منظور فرمایا ہے اور کسی کی خلافت سے انکار نہیں کیا ہے جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے تو ابن الکواء اور قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر آپ سے پوچھا کہ آپ ہمیں یہ بتلایئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ ہو گے تو یہ بات کہاں تک سچ ہے۔ اس لئے کہ آپ سے زیادہ اس معاملہ میں صحیح بات اور کون کہہ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا جب میں نے سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تو اب میں غلط بات آپ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا کوئی وعدہ مجھ سے کیا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور کے منبر پر نہ کھڑا ہونے دیتا۔ میں ان دونوں کو انہیں ہاتھوں سے قتل کر ڈالتا چاہے میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوتا۔ یہ تو سب لوگ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک کسی نے قتل نہیں کیا اور نہ آپ کا یکایک وصال ہوا بلکہ کئی دن تک آپ کی طبیعت ناساز رہی اور جب آپ کی بیماری نے زور پکڑا اور مؤذن نے آپ کو نماز کے لئے بلایا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا اور مشاہدہ فرماتے رہے۔ مؤذن نے پھر آپ کو نماز کے لئے بلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے فرمایا۔ ازواج مطہرات میں سے ایک نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا کہ تم لوگ تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم نے خلافت کے متعلق غور کرنے کے بعد پھر انہیں کو اپنی دنیا کے لئے اختیار کر لیا جس کو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے منتخب فرمایا تھا چونکہ نماز دین کی اصل ہے اور حضور

دین و دنیا دونوں کے قائم فرمانے والے تھے اس لئے ہم سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور سچی بات یہی ہے کہ وہی اس کے اہل بھی تھے۔ اسی لئے کسی نے آپ کی خلافت میں اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور نہ کسی نے آپ کی خلافت سے روگردانی کی۔ اسی بنا پر میں نے بھی آپ کا حق ادا کیا اور آپ کی اطاعت کی۔ میں نے آپ کے لشکر میں شریک ہو کر کافروں سے جنگ کی۔ مال غنیمت یا بیت المال سے جو آپ نے دیا وہ ہم نے بخوشی قبول کیا اور جہاں کہیں آپ نے مجھے جنگ کے لئے بھیجا میں گیا اور دل کھول کر لڑا۔ یہاں تک کہ ان کے حکم سے شرعی سزائیں بھی دیں یعنی حدود جاری کئے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بہترین جانشین اور سنت نبوی پر عمل کرنے والے تھے تو ہم نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے پر بھی کسی شخص نے بالکل اختلاف نہیں کیا اور نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوا اور ایک فرد بھی آپ کی خلافت سے بیزار نہیں ہوا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حقوق بھی ادا کئے اور پورے طور پر ان کی اطاعت کی اور ان کے لشکر میں بھی شریک ہو کر دشمنوں سے جنگ کی اور انہوں نے جو کچھ مجھے دیا میں نے خوشی سے لے لیا۔ انہوں نے مجھے لڑائیوں پر بھیجا میں نے دل کھول کر کافروں سے مقابلہ کیا اور آپ کے زمانہ خلافت میں بھی اپنے کوڑوں سے مجرموں کو سزائیں دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی قرابت، اسلام لانے میں سبقت اور اپنی دوسری فضیلتوں کی جانب دل میں غور کیا تو مجھے یہ خیال ضرور پیدا ہوا کہ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میری خلافت کے بارے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں ایسا خلیفہ نامزد نہ کر دیں کہ جس کے اعمال کا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبر میں جواب دینا پڑے۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے اپنی اولاد کو بھی

خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلیفہ کے مقرر کرنے کا مسئلہ چھ قریشیوں کے سپرد کیا جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب ان چھ ممبروں نے انتخاب خلیفہ کے لئے کمیٹی طلب کی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب خلافت میرے سپرد کردی جائے گی، یہ کمیٹی میرے برابر کسی دوسرے کو حیثیت نہیں دے گی اور مجھی کو خلیفہ منتخب کرے گی۔ جب کمیٹی کے سب افراد جمع ہوگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ہم لوگوں سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جس کو خلیفہ مقرر فرمادے، ہم سب اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکام کو خوشی سے بجا لائیں گے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ میری اطاعت میری بیعت پر غالب آ گئی اور مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ اصل میں دوسرے کی بیعت کے لئے تھا۔ بہر حال میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلی اور خلیفہ اوّل و دوم کی طرح ان کی اطاعت بھی قبول کرلی۔ ان کے حقوق ادا کیے، ان کی سرکردگی میں جنگیں لڑیں، ان کے عطیات کو قبول کیا اور مجرموں کو شرعی سزائیں بھی دیں۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ وہ دونوں خلیفہ کہ جن سے میں نے نماز کے سبب بیعت کی تھی وصال فرما چکے اور جن کے لئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی رخصت ہوگئے لہٰذا یہ سوچ کر میں نے بیعت لینی شروع کردی، مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے باشندوں نے اور کوفہ و بصرہ کے رہنے والوں نے میری بیعت کرلی۔ اب خلافت کے لئے میرے مقابل وہ شخص کھڑا ہوا ہے (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) جو قرابت، علم اور سبقت اسلام میں میرے برابر نہیں اس لئے میں اس شخص کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تفصیلی بیان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان کو خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا تھا اور نہ ان سے اس قسم کا کوئی وعدہ فرمایا تھا اسی لئے آپ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کی مخالفت کی بلکہ ہر طرح ان سے تعاون کیا اور ان کے عطیات کو قبول فرمایا۔

دراصل راز یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سرکارِ اقدس ﷺ کی وفات کے بعد بلافصل خلیفہ منتخب ہو جاتے تو خلفائے ثلاثہ محبوب خدا ﷺ کی خلافت و نیابت کی نعمت سے سرفراز نہ ہو پاتے۔ سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد ہی میں انتقال کر جاتے حالانکہ علم الٰہی میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ تینوں حضرات بھی حضور کی نیابت سے سرفراز ہوں گے۔ تو خدائے تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اسی ترتیب سے خلیفہ منتخب کریں کہ جس ترتیب کے ساتھ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تاکہ ان میں سے کوئی حضور کی نیابت سے محروم نہ رہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

آپ کا علم:

حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کے اعتبار سے بھی علمائے صحابہ میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ سرکارِ اقدس ﷺ کی بہت سی حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ کے فتوے اور فیصلے اسلامی علوم کے انمول جواہر پارے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے جب بھی آپ سے کسی مسئلہ کو دریافت کیا تو ہمیشہ درست ہی جواب پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ علی سے زیادہ مسائل شریعہ کا جاننے والا کوئی اور نہیں ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں علم فرائض اور مقدمات کے فیصلہ کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا اور حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوئی یہ کہنے والا نہیں تھا کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ اور حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے کہ مقدمہ کا فیصلہ کہیں غلط نہ ہو جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت پیش کی گئی کہ جسے زنا کا حمل تھا۔ ثبوت شرعی کے بعد آپ نے اس کے سنگسار کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یاد دلایا کہ حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ حاملہ عورت کو بچہ پیدا ہونے کے بعد سنگسار کیا

جائے۔ اس لئے کہ زنا کرنے والی عورت اگرچہ گنہگار ہوتی ہے مگر اس کے پیٹ کا بچہ بے قصور ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاددہانی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا اور فرمایا لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ علی کی موجودگی نے عمر کو ہلاکت سے بچالیا۔ رضی اللہ عنہما

آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلے

برادرانِ ملت! حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے ایسے عجیب وغریب اور نادر روزگار ہیں کہ جنہیں پڑھ کر بڑے بڑے عقلمندوں اور دانشوروں کی عقلیں حیران ہیں اور یہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور ان کی دعا کی برکت ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی جانب قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ابھی ناتجربہ کار جوان ہوں معاملات طے کرنا نہیں جانتا ہوں اور آپ مجھے یمن بھیجتے ہیں۔ یہ سن کر حضور نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا الٰہ العالمین! اس کے قلب کو روشن فرما دے اور اس کی زبان میں تاثیر عطا فرما دے۔ قسم ہے اس ذات کی جو چھوٹے بیج سے بڑا درخت پیدا کرتا ہے اس دعا کے بعد سے پھر کبھی مجھے کسی مقدمہ کے فیصلہ میں کوئی تردد نہیں رہا بغیر کسی شک وشبہ کے میں نے ہر مقدمہ کا تصفیہ کر دیا۔

اب آپ حضرات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے چند فیصلے ملاحظہ فرمائیں

آقا اور غلام:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یمن کے ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنے لڑکے کے ساتھ کوفہ بھیجا اتفاق سے راستہ میں دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا لڑکے نے غلام کو مارا اور غلام نے اسے گالیاں دیں۔ کوفہ پہنچ کر غلام نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرا غلام ہے اور اسے بیچنا چاہا۔ یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچا آپ نے خادم قنبر سے فرمایا کہ اس کمرہ کی دیوار میں دو بڑے بڑے سوراخ بناؤ اور ان دونوں سے کہو کہ اپنے اپنے سر ان سوراخوں سے باہر نکالیں۔ جب یہ سب ہوگیا تو آپ نے فرمایا اے قنبر! نبی

کریم ﷺ کی تلوار لاؤ۔ جب حضرت قنبر تلوار لے آئے تو آپ نے فرمایا فوراً غلام کا سر کاٹ لو۔ اتنا سنتے ہی غلام نے فوراً اپنا سر اندر کھینچ لیا اور دوسرا نوجوان اپنی حالت پر قائم رہا۔ اس طرح آپ کے اجلاس میں بغیر کسی گواہ وشہادت کے فیصلہ ہوگیا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔ آپ نے غلام کو سزا دی اور اسے یمن بھیج دیا۔ (عشرۂ مبشرہ)

حقیقی ماں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتیں ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا کرتی ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں دونوں کا کہنا تھا کہ یہ لڑکا ہمارا ہے۔ آپ نے پہلے ان دونوں کو بہت سمجھایا لیکن جب ان کی ہنگامہ آرائی جاری رہی تو آپ نے حکم دیا آرا لاؤ۔ انہوں نے پوچھا آرا کس لئے منگا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو آدھا آدھا دوں گا۔ حقیقت میں اس لڑکے کی جو ماں تھی یہ سن کر بے قرار ہوگئی اور اس کے چہرہ سے غمگینی ظاہر ہوئی۔ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کیا یا امیر المؤمنین! میں اس لڑکے کو نہیں لینا چاہتی۔ یہ اسی عورت کا ہے آپ اسی کو دے دیجئے۔ مگر خدا کے واسطے اس کو قتل نہ کیجئے۔ آپ نے وہ لڑکا اسی بے قرار عورت کو دے دیا اور جو عورت خاموش کھڑی رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ تم کو شرم آنی چاہیے کہ تم نے میرے اجلاس میں جھوٹا بیان دیا۔ یہاں تک کہ اس عورت نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔

(عشرۂ مبشرہ)

ایک شخص کی وصیت:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مرتے وقت اپنے ایک دوست کو دس ہزار درہم دیئے اور وصیت کی کہ جب تم سے میرے لڑکے کی ملاقات ہو تو اس میں سے جو تم چاہو وہ اس کو دے دینا۔ اتفاق سے کچھ روز بعد اس کا لڑکا وطن میں آگیا۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے پوچھا کہ بتاؤ تم مرحوم کے لڑکے کو کتنا دو گے؟ اس نے کہا ایک ہزار درہم۔ آپ نے فرمایا اب تم اس کو نو ہزار دو۔ اس لئے کہ جو تم نے چاہا وہ نو ہزار ہیں اور مرحوم نے یہ وصیت کی ہے کہ جو تم چاہو وہ اس کو دے

دینا۔(عشرۂ مبشرہ)

سترہ اونٹ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں تین شخص آئے۔ان کے پاس سترہ اونٹ تھے۔ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ان اونٹوں کو آپ ہمارے درمیان تقسیم کردیں۔ ہم میں ایک شخص آدھے کا حصہ دار ہے۔دوسرا تہائی کا اور تیسرا نویں حصہ کا۔مگر شرط یہ ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں۔کاٹ کر تقسیم نہ کریں اور نہ کسی سے کچھ پیسہ دلائیں۔

بڑے بڑے دانشور جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے آپس میں کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں اور وہ کاٹے نہ جائیں نہ کسی سے کچھ پیسے دلائے جائیں۔اس لئے کہ جو شخص آدھے کا حصہ دار ہے اسے سترہ میں ساڑھے آٹھ ملے گا اور جو شخص تہائی کا حقدار ہے 2\3-5 ہی اونٹ پائے گا۔سترہ میں سے پورا چھ اسے بھی نہیں ملے گا اور جس کا حصہ نوواں ہے سترہ میں سے وہ بھی دو سے کم ہی پائے گا تو ایک دو نہیں بلکہ تین اونٹوں کو ذبح کئے بغیر سترہ اونٹوں کی تقسیم ان لوگوں کے درمیان ہرگز نہیں ہوسکتی۔

مگر قربان جایئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقل ودانائی اوران کی قوت فیصلہ پر کہ آپ نے بلا تامل فوراً ان اونٹوں کو ایک لائن میں کھڑا کروادیا اور اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ایک اونٹ اسی لائن کے آخر میں لاکر کھڑا کردو۔جب آپ کے اونٹ کو ملا کر کل اٹھارہ اونٹ ہوگئے تو جو شخص آدھے کا حصہ دار تھا آپ نے اسے اٹھارہ میں سے نو دیا اور تہائی حصہ والے کو اٹھارہ میں سے چھ، پھر نویں کے حصہ دار کو اٹھارہ میں سے دو دیا۔اور اپنے اونٹ کو پھر اپنی جگہ پر بھجوادیا۔

اس طرح آپ نے نہ تو کوئی اونٹ کاٹا اور نہ ہی کسی کہ کچھ نقد پیسہ دلوایا اور سترہ اونٹوں کو ان کی شرط کے مطابق تقسیم فرمادیا جس پر کسی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

آپ کے اس فیصلہ کو دیکھ کر سارے حاضرین دنگ ہوگئے اور سب بیک زبان پکار

اٹھے کہ بیشک آپ کا سینہ فضل و کمال کا خزینہ ہے، حکمت و عدالت کا سفینہ اور علم نبوت کا مدینہ ہے۔ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔

آٹھ روٹیاں:

دو آدمی سفر میں ایک ساتھ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے۔ ان میں سے ایک کی پانچ روٹیاں تھیں دوسرے کی تین۔ اتنے میں ایک شخص ادھر سے گزرا۔ اس نے ان دونوں سے سلام کیا۔ انہوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا اور تینوں نے مل کر وہ سب روٹیاں کھائیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس تیسرے شخص نے آٹھ درہم دیئے اور کہا آپس میں بانٹ لینا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو پانچ روٹیوں والے نے کہا کہ میں پانچ درہم لوں گا کہ میری پانچ روٹیاں تھیں اور تم تین درہم لو کہ تمہاری تین ہی تھیں۔ تین روٹی والے نے کہا نہیں بلکہ آدھے درہم ہمارے ہیں اور آدھے تمہارے اس لئے کہ ہم دونوں نے مل کر روٹیاں کھائی ہیں لہٰذا دونوں کا حصہ برابر چار چار درہم ہوگا۔ جب دونوں میں معاملہ طے نہ ہوا تو اس جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں پہنچے۔ آپ نے سارا واقعہ سننے کے بعد تین روٹی والے سے فرمایا کہ تمہارا ساتھی جو تین درہم تم کو دے رہا ہے لے لو۔ اس لئے کہ تمہاری روٹیاں کم تھیں۔ تین روٹیوں والے نے کہا کہ میں اس غیر منصفانہ فیصلہ پر راضی نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ غیر منصفانہ فیصلہ نہیں ہے۔ حساب سے تو تمہارا ایک ہی درہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپ حساب ہمیں سمجھا دیجئے تو ہم ایک ہی درہم لے لیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کان کھول کر سنو! تمہاری تین روٹیاں تھیں اور اس کی پانچ۔ کل آٹھ روٹیاں ہوئیں۔ اور کھانے والے کل تین تھے۔ تو ان آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کرو تو کل چوبیس ٹکڑے ہوئے۔ اب ان چوبیس ٹکڑوں کو تین کھانے والوں پر تقسیم کرو تو آٹھ آٹھ ٹکڑے سب کے حصے میں آئے۔ یعنی آٹھ ٹکڑے تم نے کھائے آٹھ تمہارے ساتھی نے اور آٹھ اس تیسرے شخص نے۔ اب غور سے سنو! تمہاری تین روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کریں تو نو ٹکڑے بنتے ہیں اور تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے تین تین

ٹکڑے کریں تو پندرہ ٹکڑے بنتے ہیں۔ تو تم نے اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے خود کھائے اور تمہارا صرف ایک ٹکڑا بچا جو اس تیسرے شخص نے کھایا لہٰذا تمہارا صرف ایک درہم ہوا ہے اور تمہارے ساتھی نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور اس کے سات ٹکڑے اس تیسرے شخص نے کھائے لہٰذا سات درہم اس کے ہوئے۔ یہ فیصلہ سن کر تین روٹی والا حیران ہوگیا۔ مجبوراً اسے ایک ہی درہم لینا پڑا اور دل میں کہنے لگا اے کاش! میں تین درہم لے لیتا تو اچھا تھا۔

ایک مرتبہ آپ حضرات پھر بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الخ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرامتیں

برادرانِ اسلام! امیر المؤمنین حضرت سیّدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر آپ لوگوں کے سامنے کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن علامہ جامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ایک شخص سے فرمایا کہ فلاں مقام پر جاؤ وہاں ایک مسجد ہے جس کے پہلو میں ایک مکان واقع ہے اس میں ایک مرد ایک عورت آپس میں لڑتے ہوئے ملیں گے انہیں ہمارے پاس لے آؤ۔ وہ شخص وہاں پہنچا تو دیکھا واقعی وہ دونوں آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں۔ آپ کے حکم کے مطابق ان دونوں کو ساتھ لے کر آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج رات تم دونوں میں بہت لڑائی ہوئی۔ نوجوان نے کہا اے امیر المومنین! میں نے اس عورت سے نکاح کیا لیکن جب میں اس کے پاس آیا تو اس کی صورت سے مجھے سخت نفرت ہوگئی۔ اگر میرا بس چلتا تو اس عورت کو میں اسی وقت اپنے پاس سے دور کر دیتا۔ اس نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا اور صبح تک لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ کا بھیجا ہوا آدمی ہمیں بلانے کے لئے پہنچا۔ حاضرین کو آپ نے جانے کا اشارہ فرمایا وہ چلے

گئے۔ اس کے بعد آپ نے اس عورت سے پوچھا تم اس جوان کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ کل سے میرا شوہر ہے۔ آپ نے فرمایا اب تو اچھی طرح جان لے گی مگر سچ سچ کہنا جھوٹ ہرگز نہیں بولنا۔ اس نے کہا میں وعدہ کرتی ہوں جھوٹ قطعی نہیں بولوں گی۔ آپ نے فرمایا تم فلاں کی بیٹی فلاں ہو؟ اس نے کہا ہاں حضور! میں وہی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارا چچازاد بھائی تھا جو تم پر عاشق تھا اور تو بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا تو ایک دن کسی ضرورت سے رات کے وقت گھر سے باہر نکلی تو اس نے تجھے پکڑ کر تجھ سے زنا کیا اور تو حاملہ ہوگئی۔ اس بات کو تو نے اپنے باپ سے چھپا رکھا۔ اس نے کہا بیشک ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا مگر تیری ماں سارا واقعہ جانتی تھی اور جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آیا تو رات تھی۔ تیری ماں تجھے گھر سے باہر لے گئی تجھے لڑکا پیدا ہوا تو نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دیوار کے پیچھے ڈال دیا اتفاق سے وہاں ایک کتا پہنچ گیا جس نے اسے سونگھا تو نے اس کتے کو ایک پتھر مارا جو بچے کے سر پر لگا جس سے وہ زخمی ہوگیا۔ تیری ماں نے اپنے ازار بند سے کچھ کپڑا پھاڑ کر اس کے سر کو باندھ دیا پھر تم دونوں واپس چلی آئیں اور پھر تمہیں اس لڑکے کا کوئی پتا نہ چلا۔ اس عورت نے جواب دیا ہاں حضور ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر اے امیر المومنین! اس واقعہ کو میرے اور میری ماں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جانتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب صبح ہوئی تو فلاں قبیلہ اس لڑکے کو اٹھا کر لے گیا اور اس کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا کوفہ شہر میں آیا اور اب تجھ سے شادی کر لی۔ پھر آپ نے اس نوجوان سے کہا اپنا سر کھولو۔ اس نے اپنا سر کھولا تو زخم کا اثر ظاہر تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارا لڑکا ہے۔ خدائے عزوجل نے اسے حرام چیز سے محفوظ رکھا۔ فرمایا لے اسے اپنے ساتھ لے جا تو اس کی بیوی نہیں ماں ہے اور یہ تیرا شوہر نہیں بیٹا ہے۔ (شواہد النبوۃ)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے محبوب بندے عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ ان کے اندر ایسا کمال ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے سارے حالات جانتے ہیں۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

حال تو دانند یک مو بمو زانکہ پر ہستند از اسرار ہو

یعنی اللہ کے محبوب تمہارے ہر حال سے ذرہ ذرہ آگاہ ہیں، اس لئے کہ ان کے اندر اسرار ربانی بھرے ہوئے ہیں۔

فرات میں طغیانی:

کوفہ والوں نے آپ سے عرض کیا اے امیر المؤمنین! اس سال دریائے فرات کی طغیانی کے سبب ہماری کھیتیاں برباد ہورہی ہیں کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ دریا کا پانی کم ہوجائے۔ آپ اٹھ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ لوگ گھر کے دروازہ پر آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک آپ سرکارِ اقدس ﷺ کا جبہ پہنے، عمامہ سر پر باندھے اور عصائے مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے باہر تشریف لائے ایک گھوڑا منگا کر اس پر سوار ہوئے اور فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ عوام وخواص میں سے بہت لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ جب آپ فرات کے کنارے پہنچے تو گھوڑے سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اٹھ کر عصاء مبارک ہاتھ میں لیا اور فرات کے پل پر آگئے اس وقت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ تھے آپ نے عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا تو پانی کی سطح ایک ہاتھ کم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کیا اتنا کافی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں آپ نے پھر عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا پانی ایک ہاتھ پھر کم ہوگیا۔ اس طرح جب تین فٹ پانی کی سطح نیچے ہوگئی تو لوگوں نے کہا یا امیر المؤمنین! بس اتنا کافی ہے۔ (شواہد النبوۃ)

سچ فرمایا مولانا روم علیہ الرحمۃ والرضوان نے کہ:

یادِ او گر مونس جانت بود
ہر دو عالم زیر فرمانت بود

یعنی خدائے تعالیٰ کی یاد اگر تمہاری جان کی ساتھی بن جائے تو دونوں عالم تمہارے تابع فرمان ہوجائیں۔

پانی کا چشمہ:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں مشغول تھے آپ کے ساتھیوں کو پانی کی سخت

ضرورت پڑی۔ لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر پانی دستیاب نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا اور آگے چلو۔ کچھ دور چلے تو ایک گرجا نظر آیا۔ آپ نے اس گرجا میں رہنے والے سے پانی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا یہاں سے چھ میل کے فاصلے پر پانی موجود ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ ہمیں اجازت دیجئے شاید ہم اپنی قوت کے ختم ہونے سے پہلے پانی تک پہنچ جائیں۔ آپ نے فرمایا اس کی حاجت نہیں۔ پھر اپنی سواری کو پچھم کی طرف موڑا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہاں سے زمین کھودو۔ ابھی تھوڑی ہی زمین کھودی گئی تھی کہ نیچے ایک بڑا پتھر ظاہر ہوا۔ جسے ہٹانے کے لئے کوئی ہتھیار بھی کارگر نہ ہوسکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ پتھر پانی پر واقع ہے کسی طرح سے اسے ہٹاؤ۔ آپ کے ساتھیوں نے بہت کوشش کی مگر اسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اب شیر خدا نے اپنی آستین چڑھا کر انگلیاں اس پتھر کے نیچے رکھ کر زور لگایا تو پتھر ہٹ گیا اور اس کے نیچے نہایت ٹھنڈا میٹھا اور صاف پانی ظاہر ہوا جو اتنا اچھا تھا کہ پورے سفر میں انہوں نے ایسا پانی نہ پیا تھا۔ سب نے شکم سیر ہو کر پیا اور جتنا چاہا بھر لیا۔ پھر آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر چشمہ پر رکھ دیا اور فرمایا اس پر مٹی ڈال دو۔ جب راہب نے یہ دیکھا تو آپ کی خدمت میں کھڑے ہو کر نہایت ادب سے پوچھا کیا آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کیا آپ فرشتہ مقرب ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا تو پھر آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد اور ان کا خلیفہ ہوں۔ راہب نے کہا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو راہب نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

آپ نے راہب سے دریافت فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم مدت سے اپنے دین پر قائم تھے اور آج تم نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا حضور! یہ گرجا اسی ہاتھ پر فتح ہونا تھا جو اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے اور ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اس چٹان کا ہٹانے والا یا تو پیغمبر ہوگا اور یا تو پیغمبر کا داماد۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس پتھر کو ہٹا دیا تو میری مراد پوری ہوگئی اور مجھے جس چیز کا انتظار تھا وہ مل گئی۔ جب راہب سے آپ نے یہ بات سنی

تو اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی کے بال تر ہو گئے پھر فرمایا سب تعریف خدائے تعالیٰ کے لئے ہے کہ میں اس کے یہاں بھولا بسرا نہیں ہوں بلکہ میرا ذکر اس کی کتابوں میں موجود ہے۔ (شواہد النبوۃ)

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں کہاں کیا چیز ہے اور یہ درحقیقت علم غیب ہے جو سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل میں انہیں حاصل ہوتا ہے۔

آپ کی خلافت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے روز حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے علاوہ مدینہ طیبہ کے سب رہنے والوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ امیر المؤمنین ہو گئے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے بصرہ پہنچ کر قاتلین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا مطالبہ آپ سے شروع کیا اور بہت سے لوگ اس مطالبہ میں شریک ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے بصرہ راستے میں ہی پڑتا تھا یہاں ''جنگ جمل'' ہوئی جس میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی دونوں طرف سے ہزاروں آدمی کام آئے۔ بصرہ میں آپ نے پندرہ روز قیام فرمایا اور پھر کوفہ تشریف لے گئے۔

آپ کے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ پر خروج کیا ان کے ساتھ شامی لشکر تھا۔ کوفہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بڑھے اور صفین کے مقام پر کئی روز تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی۔ طرفین کے لوگ اپنے اپنے مقام کو واپس ہو گئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس چلے آئے۔

جب آپ کوفہ تشریف لائے تو ایک جماعت جس کو ''خارجی'' کہا جاتا ہے آپ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئی اور آپ کی خلافت سے انکار کر کے لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ کا نعرہ بلند کیا یہاں تک کہ آپ سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا سر کچلنے

کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا طرفین میں جنگ ہوئی خارجی شکست کھا کر کچھ تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور کچھ بھاگ کر نہروان چلے گئے اور وہاں پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی۔ آخر شیر خدا نے وہاں جا کر ان کو تہ تیغ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء)

خارجیوں کی سازش:

تین خارجی یعنی عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم تینوں آدمی تین افراد (حضرت) علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابوسفیان اور عمرو بن العاص کو قتل کر دیں۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، برک نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص کو ایک ہی معین تاریخ پر قتل کرنے کا عہد کیا اور یہ تینوں بدبخت ان شہروں کو روانہ ہو گئے جہاں جہاں ان کو اپنے اپنے نامزد کردہ شخص کو قتل کرنا تھا۔ ان میں سب سے پہلے ابن ملجم کوفہ پہنچا۔ وہاں خارجیوں سے رابطہ قائم کر کے ان پر اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی رات میں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دے گا۔

امام سُدّی فرماتے ہیں کہ ابن ملجم ایک خارجیہ عورت پر عاشق ہو گیا تھا جس کا نام قَطَام تھا اس نے اپنا مہر تین ہزار درہم، ایک غلام ایک باندی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل رکھا تھا۔ فَرَزْدَق شاعر نے اپنے ان اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمْ اَرَمَهْرًا سَاقَهُ ذُوسَمَاحَةٍ　　كَمَهْرِ قَطَامِ بَيِّنٍ غَيْرِ مُعْجَمِ
ثَلٰثَةُ اٰلَافٍ وَّعَبْدٌ وَّ قَيْنَةٌ　　وَضَرْبُ عَلِيٍّ بِالْحُسَامِ الْمُصَمَّمِ
فَلَامَهْرَ اَغْلٰى مِنْ عَلِيٍّ وَّاِنْ غَلَا　　وَلَا فَتْكَ اِلَّا دُوْنَ فَتْكِ ابْنِ مُلْجَمِ

یعنی میں نے کسی سخاوت کرنے والے کو ایسا مہر دیتے نہیں دیکھا جیسا مہر کہ قطام کا مقرر ہوا۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک باندی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل۔ تو آپ کے قتل سے بڑھ کر کوئی مہر نہیں ہو سکتا۔ اور ابن ملجم نے جو آپ کو دھوکے سے قتل کیا تو اس سے بڑھ کر کوئی قتل نہیں ہو سکتا۔

آپ کی شہادت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ھ کو علی الصبح بیدار ہو کر اپنے بڑے صاجزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا آج رات خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی امت نے میرے ساتھ کجروی اختیار کی ہے اور سخت نزاع برپا کر دیا ہے۔ حضور نے فرمایا تم ظالموں کے لئے دعا کرو۔ تو میں نے اس طرح دعا کی یا الہ العالمین! تو مجھے ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے۔ اور میری جگہ ان لوگوں پر ایسا شخص مسلط کر دے جو برا ہو۔ ابھی آپ یہ بیان ہی فرما رہے تھے کہ ابن نباح موذن نے آواز دی اَلصَّلٰوۃُ اَلصَّلٰوۃُ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لئے گھر سے چلے۔ راستے میں لوگوں کو نماز کے لئے آواز دے دے کر آپ جگاتے جاتے تھے کہ اتنے میں ابن ملجم آپ کے سامنے آ گیا اور اس نے اچانک آپ پر تلوار کا بھرپور وار کیا وار اتنا سخت تھا کہ آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ شمشیر لگتے ہی آپ نے فرمایا فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ آپ کے زخمی ہوتے ہی چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قاتل کو پکڑ لیا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی وصیت:

حضرت عقبہ بن ابی صہبا کہتے ہیں کہ جب بدبخت ابن ملجم نے آپ پر تلوار کا وار کیا یعنی آپ زخمی ہو گئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا بیٹے! میری چار باتوں کے ساتھ چار باتیں یاد رکھنا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کیا ہیں فرمایئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اوّل سب سے بڑی تونگری عقل کی توانائی ہے دوسرے بیوقوفی سے زیادہ کوئی مفلسی اور تنگدستی نہیں، تیسرے غرور و گھمنڈ سب سے سخت وحشت ہے، چوتھے سب سے عظیم خلق کرم ہے۔۔۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری چار باتیں بھی بیان فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اوّل احمق کی محبت سے بچو، اس لئے کہ نفع پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن

نقصان پہنچا جاتا ہے۔ دوسرے جھوٹے سے پرہیز کرو۔ اس لئے کہ وہ دور کو نزدیک اور نزدیک کو دور کر دیتا ہے۔ تیسرے بخیل سے دور رہو۔ اس لئے کہ وہ تم سے ان چیزوں کو چھڑا دے گا جن کی تم کو حاجت ہے۔ چوتھے فاجر سے کنارہ کش رہو اس لئے کہ وہ تمہیں تھوڑی سی چیز کے بدلے میں فروخت کر ڈالے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہونے کے باوجود جمعہ و سنیچر تک بقید حیات رہے لیکن اتوار کی رات میں آپ کی روح بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ۱۹ رمضان جمعہ کی شب میں آپ زخمی ہوئے اور ۲۱ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔

چار برس آٹھ ماہ نو دن آپ نے امور خلافت کو انجام دیا اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی نماز جنازہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد امیر المؤمنین کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا پھر اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر ایک ٹوکرے میں ڈال دیا اور اس میں آگ لگا دی جس سے اس کی لاش جل کر راکھ ہوگئی۔

آپ کا مزار شریف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور ایک مصلحت سے آپ کا مزار لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا اس لئے وہ کہاں ہے اس میں اقوال مختلف ہیں۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ آپ کی قبر شریف کو اس لئے نہیں ظاہر کیا گیا تھا کہ خارجی بدبخت کہیں اس کی بھی بے حرمتی نہ کریں۔ شریک کہتے ہیں کہ آپ کے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے جسم مبارک کو دارالامارۃ کوفہ سے مدینہ طیبہ کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ مبرد نے محمد بن حبیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی جانے والی پہلی نعش حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی اور ابن عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو آپ کے جسم مبارک کو مدینہ منورہ لے جانے لگے تاکہ وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے پہلوئے مبارک میں دفن کریں۔ نعش ایک اونٹ پر رکھی ہوئی تھی رات کا وقت تھا وہ اونٹ راستہ میں کسی طرف کو بھاگ گیا اور اس کا پتا نہیں چلا۔ اسی لئے اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ بادلوں میں تشریف فرما ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تلاش و جستجو کے بعد وہ اونٹ سرزمین طے میں مل گیا اور آپ کے جسم مبارک کو اسی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۲۰)

آپ کے اقوال زریں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے اقوال ہیں جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں سے چند آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱- علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

۲- عالم وہی شخص ہے جو علم پر عمل بھی کرے اور اپنے عمل کو علم کے مطابق بنائے۔

۳- حلال کی خواہش اسی شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کمائی چھوڑنے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔

۴- تقدیر بہت گہرا سمندر ہے اس میں غوطہ نہ لگاؤ۔

۵- خوش اخلاقی بہترین دوست ہے اور ادب بہترین میراث ہے۔

۶- جاہلوں کی دوستی سے بچو کہ بہت سے عقلمندوں کو انہوں نے تباہ کر دیا ہے۔

۷- اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرو کہ ہر خیر خواہ کے لئے کوئی خیر خواہ ہوتا ہے۔

۸- انصاف کرنے والے کو چاہئے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی نبینا الکریم وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ وخلفائہٖ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

فضائلِ اہل بیت رضی اللہ عنہم

الحمدللہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علیٰ نبینا سیدالمرسلین وعلیٰ اٰلہ الطیبین الطاھرین ۔ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی القران المبین ۔ اعوذباللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُاللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○(پ۲۲ع۱) صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب العٰلمین ۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر بلند آواز سے مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار دونوں عالم کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ دُرر بار میں درود وسلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

برادرانِ اسلام! آج ہم اہل بیت کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بیان کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں لہٰذا حمد وصلوٰۃ اور آیت کریمہ و درود شریف پڑھنے کی برکت حاصل کرنے کے بعد ہم آپ کے سامنے اہل بیت کی شان میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بھائی حضرت حسن رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ایک منقبت پیش کرتے ہیں اسے سماعت فرمائیں مگر اس سے

۔ پہلے ایک مرتبہ اور بلند آواز سے درود شریف پڑھیں......

کس زباں سے ہو بیان عزوشانِ اہل بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہل بیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
"آیۂ تطہیر" سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت

ان کے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہل بیت

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
کربلا میں ہورہا ہے امتحانِ اہل بیت

پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہل بیت

حوریں کرتی ہیں عروسانِ شہادت کا سنگار
خوبرو دولہا بنا ہے ہر جوانِ اہل بیت

اے شبابِ فصل گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستانِ اہل بیت

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہل بیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہل بیت

وقت رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگانِ اہل بیت

گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدا اے خاندانِ اہل بیت

بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستانِ اہل بیت

ایک مرتبہ پھر بلند آواز سے درود شریف پڑھیں:

اللهم صلی علیٰ سیّدنا و مولانا محمدواٰله واصحابه وبارك وسلم۔

برادرانِ ملت! شروع میں جس آیت کریمہ کے پڑھنے کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے یعنی **اِنَّمَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا** ○ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل بیت یعنی اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے۔

اس آیت کریمہ میں سرکارِ اعظم ﷺ کے اہل بیت کرام کی عظمت وفضیلت اور ان کے درجات ومراتب کا واضح طور پر بیان ہے۔

حضرت امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اے آلِ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بری باتوں اور فحش چیزوں کو دور رکھے اور تمہیں گناہوں کے میل کچیل سے صاف رکھے۔

(برکات آل رسول ترجمہ الشرف المؤبد لآل محمد للعلامۃ النبھانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۱)

اور حضرت سعید بن قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ سے اہل بیت مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے پاک رکھا اور اپنی مخصوص رحمت سے نوازا۔ (برکات آل رسول ص ۳۱)

حضرت علامہ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں جو رجس کا لفظ ہے وہ گناہ، عذاب، نجاستوں اور نقائص کے معانی پر بولا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ساری چیزیں اپنے پیارے نبی ﷺ کے اہل بیت سے دور فرمادیں۔ (برکات آل رسول ص ۳۲)

اور امام زہری نے فرمایا کہ رجس ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں چاہے وہ عمل ہو یا غیر عمل۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ رب العزت نے اہل بیت کرام سے ہر قسم کی ناپسندیدہ چیزیں دور فرمادیں۔ (برکات آل رسول ص ۳۲)

اس آیت کریمہ میں اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ امام بغوی، خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جن میں صحابیِ رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں اس طرف گئی ہے کہ اہل بیت سے مراد ہیں اہل عبا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم۔

(برکاتِ آلِ رسول ص ۳۲)

اور دوسری جماعت جس میں صحابیِ رسول حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ جو تابعی ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ اہل بیت سے امہات المؤمنین مراد ہیں۔ اس لئے کہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا تک مسلسل سات آیتیں امہات المؤمنین سے متعلق ہیں تو بیچ میں ایسا کلام کیسے آ جائے گا جو ان سے متعلق نہ ہو۔

جو لوگ کہ اھل البیت سے اہل عبا یعنی پنجتن پاک مراد لیتے ہیں وہ دوسری جماعت کو جواب دیتے ہیں کہ یہ جملۂ معترضہ کے طور پر آیا ہے جو کلام عرب میں عام ہے اور کہتے ہیں کہ متعدد صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں تشریف لائے کہ ان کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم تھے اور ہر ایک ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت فاطمہ زہرا کو قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور حسنین کریمین کو ایک ایک ران پر بٹھایا پھر ان پر اپنی چادر مبارک لپیٹی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یوں فرمایا اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْلُ بَیْتِیْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا۔ یعنی یا الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ہر ناپاکی دور فرما اور انہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے چادر اٹھائی تا کہ وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے چادر کھینچ لی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔ حضور نے

فرمایا اِنَّكِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی خَیْرٍ۔ یعنی تم نبی ﷺ کی ازواج میں سے ہو بھلائی پر ہو۔ (برکات آل رسول ص ۳۴)

جو لوگ کہ اہل بیت سے پنجتن پاک مراد لیتے ہیں وہ اپنے دعویٰ کی دلیل میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ حسن اور صحیح طریقوں سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد جب فجر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے ہوئے فرماتے اَلصَّلٰوةَ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ یعنی اے اہل بیت! نماز پڑھو۔ پھر آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ آخر تک تلاوت فرماتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد چالیس روز تک صبح کے وقت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر تشریف لائے۔ اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلصَّلٰوةَ رَحِمَکُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اے اہل بیت! تم پر خدائے تعالیٰ کی سلامتی رحمت اور برکت ہو۔ نماز پڑھو تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ پھر آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ الخ تلاوت فرمائی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور کا یہ طریقہ سات مہینے تک جاری رہا اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے تک اور یہ حضور ﷺ کی جانب سے تصریح ہوگئی کہ آیت مبارکہ میں اہل بیت سے مراد پنجتن پاک ہیں۔

(برکات آل رسول ص ۳۵)

بہر حال اہل بیت سے امہات المؤمنین مراد لینے والے اور پنجتن پاک مراد لینے والے دونوں گروہ کے پاس دلائل ہیں لہٰذا جمہور علمائے امت نے فرمایا کہ آیت مبارکہ میں اہل البیت سے امہات المؤمنین اور پنجتن پاک دونوں مراد ہیں اور یہ انہوں نے اس لئے فرمایا تاکہ سارے دلائل پر عمل ہو جائے۔

اس سلسلے میں حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح کربلا میں بہت خوب لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ دولت سرائے اقدس میں سکونت رکھنے والے اس میں داخل ہیں کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں چونکہ اہل بیت نسب کا مراد

ہونا مخفی تھا اس لئے سرور عالم ﷺ نے اپنے اس فعل مبارک سے (یعنی چادر میں لپٹا کر) بیان فرمادیا کہ مراد اَھلَ البَیت سے عام ہیں خواہ بیت مسکن کے اہل ہوں جیسے کہ ازواج یا بیت نسب کے اہل بنی ہاشم ومطلب۔ اھ

چنانچہ امام ثعلبی نے فرمایا کہ بعض حضرات نے کہا اَھلَ البَیت سے مراد بنی ہاشم ہیں۔ اس لئے کہ بیت سے مراد بیت نسب ہے لہٰذا حضرت عباس، حضور کے دوسرے مسلمان چچا اور چچازاد بھائی سب اہل بیت میں سے ہوں گے۔ یہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسا کہ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے۔ (برکات آل رسول ص ۴۱)

اور علامہ خطیب نے اپنی تفسیر میں اس سے بھی زیادہ عام فرمایا وہ لکھتے ہیں کہ اہل بیت میں اختلاف ہے اور بہتر وہ ہے جو امام بقاعی نے فرمایا کہ اہل بیت وہ سب حضرات ہیں جو نبی کریم ﷺ سے خاص وابستگی رکھتے ہیں۔ مرد، عورتیں ازواج مطہرات کنیزیں اور قریبی رشتے دار۔ ان میں سے جو شخص زیادہ قریب ہوگا اور نبی کریم ﷺ سے خاص تعلق رکھنے والا ہوگا وہ مراد ہونے کے زیادہ لائق ہے۔ (برکات آل رسول ص ۴۱)

حضرت امام بقاعی کے قول کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ طبرانی وغیرہ کئی محدثین کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے چادر اٹھا کر اپنا سر اندر داخل کر لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں تو حضور نے دو مرتبہ فرمایا اِنَّكِ عَلٰی خَیرٍ یعنی تم بھلائی پر ہو۔ (برکات آل رسول ص ۳۸)

اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کو اپنی کالی کملی میں لپٹایا اور آیت تطہیر تلاوت فرمائی تو حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ جو اصحاب صفہ میں سے ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل میں سے ہوں تو حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا وَاَنتَ مِن اَھلِی۔ یعنی ہاں تم بھی میرے اہل میں سے ہو اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سَلمَانُ مِنَّا اَھلِ البَیت۔ یعنی سلمان ہم میں سے اہل بیت میں سے ہیں۔

(برکات آل رسول ص ۴۲)

اور اسی لئے امام العارفین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فتوحات مکیہ کے انیسویں باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ قیامت تک سادات کرام، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد اور جو اہل بیت میں سے ہیں مثلاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سب اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر صوفیاء کے امام ہیں ان کا ارشاد حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ (شرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۳)

ایک بار ہم سب مل کر بلند آواز سے رحمت عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود و سلام کا نذرانہ و ہدیہ پیش کریں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الخ۔

حضرات! سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اہل بیت چاہے اہل بیت نسب ہوں یا اہل بیت سکنیٰ یا اہل بیت ولادت یا اور کسی کو اہل بیت میں شامل کر لیا گیا ہو سب عزت و عظمت والے ہیں لیکن حضور جن کو ہر خاص موقع پر علیحدہ کر کے فرماتے ہیں وہ یہی چار نفوس قدسیہ حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ اسی لئے اہل بیت کا لفظ انہیں چار حضرات کے لئے شائع و مشہور ہے۔

(اشعۃ اللمعات ص ۶۸۱ ج ۴ میں ہے اطلاق اہل بیت بریں چہار تن پاک شائع و مشہور ست ۱۲)

اب آپ حضرات ایک آیت کریمہ اور ملاحظہ فرمائیں جس سے اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فضیلت و منزلت ظاہر ہوتی ہے پارہ ۳ رکوع ۱۴ میں ہے فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ یعنی اے محبوب! پھر جو لوگ تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں بعد اس کے کہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو ان سے فرما دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم مباہلہ کریں یعنی گڑگڑا کر دعا مانگیں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم ﷺ سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ طیبہ آیا اور حضور ﷺ سے کہا کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں بیشک وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جو کنواری مریم کی طرف القاء کئے گئے۔ یہ سن کر عیسائی بہت غصہ میں ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ)! کیا آپ نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے؟ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ تو صرف بغیر باپ ہی کے پیدا کئے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کئے گئے تو جب انہیں اللہ رب العزت کا بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے؟

سرکارِ اقدس ﷺ نے واضح دلیل کے ساتھ حق کو بیان فرمایا مگر عیسائی برابر جھگڑتے رہے اور اپنی معاندانہ روش سے باز نہ آئے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا کہ عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دو۔

جب نبی کریم ﷺ نے اللہ رب العزت کے فرمان کے مطابق نجران کے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور آیت کریمہ پڑھ کر سنائی تو عیسائی کہنے لگے کہ ہم غور اور مشورہ کر لیں پھر کل آپ کو جواب دیں گے۔ جب وہ لوگ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے پادری اور صاحب الرائے شخص عاقب سے کہا کہ اے عبدالمسیح! اس معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اے جماعت نصاریٰ! تم پہچان چکے ہو کہ محمد (ﷺ) نبی مرسل ضرور ہیں تو اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب اگر عیسائیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑ دو اور گھر کو لوٹ چلو۔

یہ مشورہ کرنے کے بعد عیسائی حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور کی گود میں امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور دست مبارک میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اور حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما حضور کے پیچھے ہیں اور حضور ﷺ ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے سب سے بڑے پادری

عبدالمسیح نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا اے جماعت نصاریٰ! اِنِّی لَاَرٰی وُجُوْھًا لَوْسَأَلُوا اللّٰہَ اَنْ یُّزِیْلَ جَبَلًا مِّنْ مَّکَانِہٖ لَاَزَالَہٗ یعنی بیشک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو ہٹانے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے۔ (تفسیر خازن ص ۳۶۰ ج ۱)

پھر پادری نے کہا کہ اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔

عیسائیوں نے پادری کی بات مان لی اور جزیہ دینا منظور کیا مگر مباہلہ کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوئے۔ رسولِ کائنات ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں پر عذاب بالکل قریب آ چکا تھا اگر وہ ہم سے مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں مسخ کر دیئے جاتے اور عذاب الٰہی کی آگ سے جنگل جل جاتے۔ نجران اور وہاں کے رہنے والے چرند و پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کی مدت میں تمام روئے زمین کے عیسائی ہلاک و برباد ہو جاتے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

برادرانِ اسلام! غور کیجئے کہ فرمان خداوندی کے مطابق عیسائیوں سے طے یہ ہوا تھا کہ تم اپنے بیٹوں کو لے کر نکلو اور ہم اپنے بیٹوں کو، تم اپنی عورتوں کو لے کر میدان میں آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم خود بھی آؤ اور ہم بھی آئیں۔ اس موقع پر سرکارِ اقدس ﷺ نے پوری دنیائے اسلام میں سے جن پاک اور برگزیدہ ہستیوں کا انتخاب فرمایا وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا: ھٰـذَانِ اِبْنَایَ یعنی یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۰)

یہی وجہ ہے کہ جب مباہلہ کے لئے اپنے بیٹوں کو لے کر میدان میں نکلنا ہوا تو حسنین کریمین کو لے کر آئے اور اسی سبب سے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما آج تک ابن رسول اللہ کہے جاتے ہیں اور قیامت تک ایسے ہی کہے جائیں گے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان حضرات کو ہمراہ لے کر مباہلہ کے لئے مکان سے باہر نکلے تو یہ فرمایا اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِي ۔ یعنی اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۸)

ایک مرتبہ پھر آپ حضرات نہایت خلوص ومحبت کے ساتھ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب اور اہل بیت کرام پر بلند آواز سے درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

برادرانِ اسلام! اہل بیت کرام کی شان میں اور بھی آیات مبارکہ نازل ہوئی ہیں تفسیر خازن اور معالم التنزیل وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے تو سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام عیادت کے لئے گئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ نذر مانیں اگر خدائے تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے تو نذر پوری کریں۔ حضرت علی نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اسی طرح حضرت سیّدہ فاطمہ اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی رضی اللہ عنہم۔ خدائے عزوجل نے حضرات حسنین کو شفا عطا فرمائی۔ اب نذر پوری کرنے کا وقت آیا۔ سب لوگوں نے روزے رکھے مگر کاشانۂ حیدری میں کوئی چیز روزہ افطار کرنے کے لئے نہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک یہودی کے یہاں سے تھوڑا جو قرض کے طور پر یا بعوض اجرت لائے۔ جو کا ایک تہائی حصہ پیسا گیا اور شام کے وقت روٹیاں تیار کی گئیں۔ جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں کھانے کے لئے سامنے رکھی گئیں تو اچانک دروازہ پر ایک شخص نے آواز دی کہ اے اہل بیت رسول اللہ! میں مسکین ہوں بھوکا ہوں کچھ اللہ کے نام پر دیجئے۔ تو سب روٹیاں اسے دے دی گئیں اور خود سادہ پانی پی پی کر سب لوگوں نے روزہ افطار کیا۔ پھر دوسرے روز ایک تہائی جو کی روٹیاں بنائی گئیں اور جب اہل بیت کرام افطار کے لئے بیٹھے تو پھر دروازہ پر دستک ہوئی۔ آواز آئی کہ اے رسول اللہ! کے گھرانے والو! میں بھوکا ہوں یتیم ہوں تو دوسرے روز بھی سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں اور صرف پانی سے روزہ

افطار کر لیا گیا۔ تیسرے دن پھر روزہ رکھا گیا اور ماقبی تہائی جو کی روٹیاں بنائی گئیں اور جب افطار کے وقت سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو پھر ایک سائل نے آواز دی کہ اے اہل بیت کرام! میں اسیر ہوں بھوکا ہوں تو تیسرے دن بھی جب کل روٹیاں اسے دے دی گئیں اور سادہ پانی پی پی کر روزہ افطار کیا گیا تو اہل بیت رسول اللہ کی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُمِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَاشُكُوْرًا ○ یعنی اور وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں اس (اللہ) کی محبت پر مسکین یتیم اور قیدی کو اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ (پ ۲۹ ع ۱۹)

اللہ اللہ! یہ ہے سخاوت اہل بیت رسول اللہ کی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی کہ تین دن مسلسل صرف پانی پی پی کر روزہ افطار کرتے ہیں مگر سائلوں کو اپنے دروازہ سے محروم نہیں فرماتے اور ان پر یہ بات بھی واضح کر دیتے ہیں کہ اس بھلائی کا وہ ان سے کوئی بدلہ نہیں طلب کریں گے بلکہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا چرچا کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ کام انہوں نے خالصاً لوجہ اللہ صرف اپنے رب کریم کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔

اہل بیت اور احادیث کریمہ

برادرانِ ملت! اہل بیت کرام کی تعریف و توصیف اور ان کی مدح و ستائش میں سرکارِ اقدس ﷺ کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔ مسلم شریف میں ہے صحابی رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان (مقام جحفہ میں) غدیر خم[1] کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا تو پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر آپ نے ہم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! میں انسان ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ یعنی ملک الموت

---

[1] اشعۃ اللمعات ص ۶۸۵ ج ۴ میں ہے کہ غدیر حوض آب و خم نام آں موضع ست۔

میرے پاس آئے تو میں خدائے تعالیٰ کے حکم کو قبول کروں۔ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اور میں تم میں دو نفیس اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تو خدائے تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

راوی حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے بارے میں لوگوں کو ابھارا اور رغبت دلائی پھر اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ۔ یعنی اور دوسری گراں قدر چیز میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور اس سے ڈراتا ہوں اور اس جملہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ میں تاکید کے ساتھ تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ان کے حق کی ادائیگی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔

(مشکوۃ شریف ص ۵۶۸)

اور ترمذی شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور خطبہ دے رہے تھے میں نے سنا آپ یہ فرمارہے تھے يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ۔ یعنی اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیز ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسرے میری اولاد و ذریت میرے اہل بیت۔

(مشکوۃ شریف ص ۵۶۹)

اور طبرانی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَّفْسِهٖ وَتَكُوْنَ عِتْرَتِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ عِتْرَتِهٖ وَاَهْلِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَذَاتِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ ذَاتِهٖ۔ یعنی کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ مجھے اپنی جان سے میری اولاد (حسنین وغیرہ) کو اپنی اولاد سے، میرے اہل کو اپنے اہل

سے اور میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔ (الشرف المؤبد ص ۸۵)

اور امام احمد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ ھٰذَیْنِ وَاُمَّھُمَا وَاَبَاھُمَا کَانَ مَعِیَ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔یعنی جس نے مجھ سے محبت رکھی اور ان دونوں سے اور ان کے والدین سے محبت رکھی تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

(الشرف المؤبد ص ۸۶)

یعنی پنجتن پاک سے محبت رکھنے والا بصورت خدمتگار حضور انور ﷺ کے درجہ میں دکھائی دے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا مقام بھی وہی ہوگا۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کا دروازہ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اَلَاۤ اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ مَثَلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَاوَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ ۔(مشکوۃ شریف ص ۵۷۳)

یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ میرے اہل بیت تم لوگوں کے لئے نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہیں جو شخص کشتی میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو کشتی میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ۔یعنی میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تو ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۴)

حضرت علامہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل سنت و جماعت محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار ہیں اور ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہدایت پائے لہٰذا ہم لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۶۱۰ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محبت اہل بیت کی کشتی پر سوار نہیں ہوئے جیسے خارجی کہ انہوں نے محبت کے بجائے اہل بیت سے دشمنی کی تو وہ ہلاک ہو گئے اور رافضی جو اس کشتی

میں سوار تو ہوئے مگر ہدایت کے ستارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہدایت نہیں حاصل کیے تو وہ بھی کفر وضلالت کی تاریکی میں کھو گئے۔

اور حدیث صحیح میں ہے جسے بہت سے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ جب ابولہب کی صاحبزادی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائیں تو کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہاری ہجرت تمہیں بے نیاز نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ تم جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہوں۔ انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے بیان کی تو آپ بہت سخت ناراض ہوئے پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا مَابَالُ اَقْوَامٍ یُؤْذِیْنِیْ فِیْ نَسَبِیْ وَذَوِیْ رَحِمِیْ اَلَا وَمَنْ اٰذٰی نَسَبِیْ وَذَوِیْ رَحِمِیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ یعنی ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے نسب اور رشتہ داروں کے بارے میں اذیت دیتے ہیں خبردار جس نے میرے نسب اور رشتہ داروں کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۵۷)

اور طبرانی و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَوْ اَنَّ رَجُلًا صَفَدَ بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمُقَامِ فَصَلّٰی وَصَامَ ثُمَّ مَاتَ وَهُوَ مُبْغِضٌ لِاَهْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) دَخَلَ النَّارَ۔ یعنی اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک گوشہ اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت کی دشمنی پر مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ (الشرف المؤبد ص ۹۲)

اہل بیت کی دشمنی سے خدا کی پناہ کہ بیت اللہ شریف کے سایہ میں مقام ابراہیم جیسی متبرک جگہ پر نمازیں پڑھنے والا اور روزہ رکھنے والا بھی اگر اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ بھی جہنم کا ایندھن بنے گا اور کوئی بھی نیک عمل اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ایک مرتبہ پھر آپ حضرات نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ آقائے دوعالم ﷺ اور ان کی آل واصحاب اور اہل بیت پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کریں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اہل بیت اور اکابرین سلف وخلف کے ارشادات

برادرانِ ملت! اکابرین سلف وخلف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ لوگوں کو ان سے محبت رکھنے کی تاکید فرماتے رہے اور خود ان سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔

اس امت کے سید الاکابرین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صِلَةُ قَرَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ صِلَةِ قَرَابَتِیْ۔ یعنی رسول اکرم ﷺ کے رشتہ داروں کی خدمت کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے۔ (الشرف المؤبد ص ۸۷)

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی اور سابقین اولین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔ یعنی آل رسول کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (الشرف المؤبد ص ۸۵)

صحابی رسول کے اس قول سے معلوم ہوا کہ جو شخص پوری زندگی اہل بیت کی محبت میں گزارے گا وہ قیامت کے دن عظیم خوبیوں والا ہوگا۔

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتویٰ دیا کہ لازمی طور پر ان کے ساتھ اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قید و بند اصل میں اسی بنا پر تھی اگرچہ ظاہر میں سبب یہ تھا کہ انہوں نے قاضی کا منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (الشرف المؤبد ص ۸۸)

اور روایت ہے کہ جعفر بن سلیمان نے جب امام مالک رضی اللہ عنہ کو کوڑے لگوائے اور جو سزا دینی تھی دی اور انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا لوگ آپ کے پاس آئے۔ جب افاقہ ہوا تو فرمایا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مارنے والے کو معاف کر دیا۔ بعد میں آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا مجھے خوف ہے کہ مرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضری ہوگی تو مجھے حضور نبی کریم ﷺ سے حیاء آئے گی کہ میری

وجہ سے آپ کی آل کے ایک فرد سے مواخذہ ہو۔

کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں جعفر سے آپ کا بدلہ دلواتا ہوں۔ تو امام نے فرمایا خدا کی پناہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم جب چابک میرے جسم سے اٹھتا تھا تو میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے سبب معاف کردیتا تھا۔

(برکات آل رسول ص ۲۶۲)

اور حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک سے بہت محبت کرنے کے سبب اس حال میں بغداد لے جائے گئے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی تھیں بلکہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کچھ لوگوں نے انہیں رافضی کہہ دیا تو آپ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

لَوْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِیْ

یعنی اگر آلِ رسول کی محبت ہی کا نام رافضی ہونا ہے تو جن وانسان گواہ ہوجائیں کہ اس معنی میں بیشک میں ''رافضی'' ہوں۔

اور جوش عقیدت وجذبہ محبت میں اہل بیت رسالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یَا اَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہُ حُبُّکُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰہِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَہٗ

یعنی اے رسول اللہ کے اہل بیت! آپ لوگوں کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور یہ حکم خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں نازل فرمادیا ہے اور وہ آیت کریمہ یہ ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط یعنی اے محبوب! تم فرماؤ کہ میں اس پر تم لوگوں سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ (پ ۲۵ ع ۴)

آل رسول کی عظمت و بزرگی ظاہر کرتے ہوئے امام شافعی رضی اللہ عنہ اور فرماتے ہیں:

یَکْفِیْکُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْفَخْرِ اَنَّکُمْ
مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

یعنی اے آل رسول! آپ لوگوں کے لئے یہ عظیم فخر کافی ہے کہ جو شخص آپ پر درود نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

علامہ صبان نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ آل رسول پر درود نہ پڑھنے والے کی نماز کامل نہیں ہوتی اور امام شافعی کے مرجوع قول کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی۔

(الشرف المؤبد ص ۸۸)

اور حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ منن کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگرچہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں۔ میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء اور اولیاء کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں۔ پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں جتنی والیٔ مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہو سکتی ہے۔

سادات کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم ان سے عمدہ بستر، اعلیٰ مرتبے اور بہتر طریقے پر نہ بیٹھیں۔ ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں۔ اسی طرح کسی سیدزادی سے نکاح نہ کریں ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم ان کی تعظیم کا حق واجب ادا کر سکتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے۔

(برکات آل رسول ص ۲۵۳)

اور یہی حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ ''البحر المورود فی المواثیق والعہود'' میں فرماتے ہیں ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم ہرگز سیّدزادی سے نکاح نہ کریں مگر اس وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں ان کی نافرمانی کروں گا تو میں نافرمان غلام اور گنہگار ہوں گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے لائق نہیں ہے۔ جو شخص تبرک کے لئے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے گا کہ سلامتی غنیمت سے مقدم ہے یعنی یہ خطرہ بہر حال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کما حقہ ادا نہ ہو سکے۔ اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے۔ رہی برکت کی بات تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اورفرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بے شمار ہو اور کوئی ایسے سیّد اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس اس کے مہر اور صبح وشام کھانے کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہم ان سے نکاح کر دیں اور انہیں مایوس نہ کریں کیونکہ فقر عیب نہیں ہے جس کی بنا پر پیغام نکاح رد کر دیا جائے بلکہ یہ تو شرافت ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ اپنے رب کریم جل مجدہ سے دعا کی ہے کہ آپ (ﷺ) کو قیامت کے دن فقراء اور مساکین کے گروہ میں اٹھائے۔ اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا قُوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح وشام اس سے کچھ نہ بچے۔

تو جس چیز کو نبی کریم ﷺ نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لئے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے۔ لہٰذ جو شخص نادار سیّد کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کرے اس پر خدائے عزوجل کی ناراضگی کا خوف ہے۔

اور علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی سیّد یا سیّدہ کے پاس سے گذریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انہیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے، کھانا یا کپڑے پیش کریں یا ان سے عرض کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجئے تا کہ حسب استطاعت آپ کی ضروریات شرعیہ پوری کی جائیں۔ جو شخص نبی کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات کس قدر بری ہے کہ وہ آپ کی اولاد کے پاس سے گزرے اور وہ راستے میں سوال کر رہے ہوں مگر یہ شخص انہیں کچھ پیش نہ کرے۔ (برکات آل رسول ۲۵۶)

ایک مرتبہ آپ حضرات پھر بلند آواز سے تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم، نور مجسم ﷺ اور ان کی آل واصحاب اور اہل بیت پر درود وسلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الخ۔

خصوصیات اہل بیت

برادرانِ ملت اسلام! اب آپ حضرات اہل بیت رسول اللہ کی وہ خصوصیات ملاحظہ فرمائیں جوان کے علاوہ کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی خصوصیت:

ہے زکوٰۃ کا حرام ہونا۔ یعنی اہل بیت کرام کو زکوٰۃ صدقہ واجبہ دینا اور لینا حرام ہے اگرچہ وہ مالک نصاب نہ ہوں۔ مسلم شریف میں حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اَنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاَنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ ۔ یعنی زکوٰۃ کے مال لوگوں کی میل ہیں اور وہ محمد اور آل محمد بنی ہاشم کے لئے جائز نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱)

حضور کے اس کلام میں بہترین تشبیہ ہے کہ آپ نے زکوٰۃ کو اَوْسَاخُ النَّاس یعنی لوگوں کی میل اس لئے فرمایا کہ ان کی آلودگیوں کو پاک کرتی ہے اور ان کے اموال ونفوس کو صاف کرتی ہے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔ یعنی اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ لو اس زکوٰۃ کے ذریعہ انہیں پاک وصاف کرو۔ (پ ۱۱ ع ۲)

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی ایک کھجور اٹھائی اور منھ میں رکھ لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَخ کَخ یعنی چھی چھی اسے پھینک دو۔ اس کے بعد فرمایا اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ زکوٰۃ نہیں کھایا کرتے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱)

اور ولی کبیر حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ "البحر المورود" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر فرمادیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ اَسْتَعْمِلَكَ عَلٰی غُسَالَةِ ذُنُوْبِ النَّاسِ ۔ یعنی خدا کی پناہ کہ میں تمہیں لوگوں کے گناہوں کے دھوون وصول کرنے پر مقرر کردوں۔ (الشرف المؤبد ص ۳۵)

اور ترمذی و ابوداؤد میں نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے بنومخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرما کے بھیجا تو انہوں نے ابورافع سے کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو بھی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ حق المحنت مل جائے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اِن سے دریافت نہ کرلوں گا آپ کے ہمراہ اس کام کے لئے نہ جاؤں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابورافع حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے جانے کی اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱)
یعنی زکوٰۃ ہم بنی ہاشم کے لئے جائز نہیں اور بنی ہاشم کا آزاد کردہ غلام بنی ہاشم ہی کے حکم میں ہے جب ہمارے لئے زکوٰۃ جائز نہیں تو ہمارے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی جائز نہیں۔
اسی لئے فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ نہ دوسرا کوئی شخص انہیں دے سکتا ہے نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ یہاں تک کہ بنی ہاشم کے آزاد کئے ہوئے غلام کو بھی نہیں دے سکتے۔ بنی ہاشم سے مراد ہیں حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبدالمطلب کی اولاد یعنی ان سب کی اولاد کو زکوٰۃ (صدقہ واجبہ) دینا جائز نہیں۔ البتہ صدقہ نافلہ اور اوقاف کی آمدنی ان کو دینا جائز ہے۔

دوسری خصوصیت:

یہ ہے کہ اہل بیت حسب ونسب میں سارے انسانوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ کنانہ کو منتخب فرمایا۔ کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ (برکات آل رسول ص ۹۱)
اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو اس میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا پھر بنی آدم میں سے عرب کو۔ عرب میں سے مضر کو۔ مضر

میں سے قریش کو۔ قریش میں سے بنی ہاشم کو پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا تو میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ (برکات آل رسول ص ۹۱)

اور امام احمد اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل امین نے مجھ سے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب الٹ ڈالے لیکن میں نے محمد ﷺ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے

سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا، تجھے یک نے یک بنایا

اور حضرت جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان ڈالے مگر مجھے بنی ہاشم سے زیادہ فضیلت والے کسی باپ کے بیٹے نہیں ملے۔

(برکات آل رسول ص ۹۱)

اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل امین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا، میں زمین کے مشرق و مغرب، نرم زمین اور پہاڑوں میں پھرا تو میں نے عرب سے افضل کوئی خاندان نہیں پایا۔ پھر مجھے حکم فرمایا تو میں عرب میں پھرا مجھے مضر سے افضل کوئی قبیلہ نہیں ملا۔ پھر مجھے حکم دیا میں مضر میں پھرا تو میں نے کنانہ سے افضل کوئی قبیلہ نہیں پایا۔ پھر مجھے حکم فرمایا میں کنانہ میں پھرا تو میں نے قریش سے بہتر کوئی قبیلہ نہ پایا۔ پھر مجھے حکم دیا میں قریش میں پھرا تو میں نے بنی ہاشم سے افضل کوئی قبیلہ نہ پایا۔ پھر مجھے ان میں سے کسی کے منتخب کرنے کا حکم دیا تو میں نے آپ (ﷺ) سے افضل کسی کو نہ پایا۔

(برکات آل رسول ص ۹۲)

اور طبرانی و دارقطنی میں ہے سرکارِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر دوسرے لوگوں کی اور میں جس کی پہلے شفاعت کروں گا وہ زیادہ فضیلت والا ہے مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ اَوَّلًا فَهُوَ اَفْضَلُ۔

(الشرف المؤبد ص ۳۹)

یہ تمام حدیثیں واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں کہ اہل بیت کرام حسب و نسب میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور اسی لئے دوسرے لوگ نکاح میں ان کے کفو نہیں۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق نکاح میں آپ کے اہل بیت کی ہمسر نہیں ہے۔ (برکات آل رسول ص ۹۳)

تیسری خصوصیت:

یہ ہے کہ سرکارِ اقدس ﷺ کی رشتہ داری اور نسب کے علاوہ قیامت کے دن ہر رشتہ داری اور نسب منقطع ہو جائے گا۔ حدیث شریف ہے كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا سَبَبِىْ وَنَسَبِىْ ۔ (الشرف المؤبد ص ۲۲)

روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت اُم کلثوم بنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی کم سنی کا عذر پیش کیا اور یہ فرمایا کہ میں ان کا نکاح اپنے بھائی حضرت جعفر کے صاحبزادے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا:

اے لوگو! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی کے بارے میں اس لئے اصرار کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ وَّصِهْرٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا سَبَبِىْ وَنَسَبِىْ وَصِهْرِىْ ۔ یعنی قیامت کے دن میرے تعلق، نسب اور رشتے کے علاوہ ہر تعلق نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کر دیا ان سے حضرت زید پیدا ہوئے جو جوان ہو کر انتقال کر گئے۔ (الشرف المؤبد ص ۳۹)

اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رحمت عالم ﷺ کے اہل بیت سے رشتہ قائم کرنے میں بہت فائدہ ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

اگر کوئی شخص کہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا

حضرت عباس، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور دیگر عزیز و اقارب سے فرمایا لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یعنی میں تمہیں خدا کے عذاب سے کچھ بے نیاز نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ اپنی لختِ جگر نورِ نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا یَافَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یعنی اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ)، میرے مال میں سے جو تم چاہو مانگ لو لیکن خدائے تعالیٰ کا عذاب اور اس کی گرفت ہو تو میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۰)

اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے اہل بیت کے کام نہیں آسکتے اور جب حضور اپنے اہل بیت کے کام نہیں آسکتے تو اہل بیت کی رشتہ داری دوسروں کے کیا کام آسکتی ہے؟

اس شبہ کے جواب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ کلام خدائے تعالیٰ سے خوف دلانے اور ڈرانے میں انتہائی مبالغہ ہے اس لئے کہ اہل بیت کی فضیلت و بزرگی، ان کے لئے حضور کی شفاعت اور ان کا جنتی ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ (اشعۃ اللمعات ص ۲۷۲ ج ۴)

اور محب طبری نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور انور از خود کسی کے نفع و ضرر کے مالک نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اہل بیت اور عزیز و اقارب بلکہ تمام امت کو شفاعت عامہ اور خاصہ سے نفع پہنچانے کا مالک بنادے گا۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ کا یہ خطاب اس وقت کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابھی اس بات سے آگاہ نہیں فرمایا تھا آپ کی نسبت فائدہ دینے والی ہے۔

ایک مرتبہ پھر آپ لوگ حضور انور اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت کرام پر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ بلند آواز سے درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حضرت علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ رحمتِ عالم ﷺ کے نسب اور ان کی رشتہ داری کا فائدہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم کی طرف منسوب ہو اسے مناسب نہیں کہ جو کچھ ذکر ہوا اس پر کلی اعتماد کرے اور علم و عمل کی ضرورت محسوس نہ کرے اس لئے کہ یہ ساری

باتیں اس کے لئے ہیں جو واقعی نبی کریم ﷺ سے تعلق رکھتا ہو اور آپ کے اہل بیت میں سے ہو۔ اور اس کا یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ ممکن ہے کچھ عورتوں سے لغزش ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آباؤ اجداد میں سے کسی شخص نے منسوب ہونے میں غلط بیانی کی ہو اگرچہ یہ احتمال ظاہر کے خلاف ہے لیکن اسے بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اہل بیت کے اکابر سے منقول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شدید خشیت، اس کے عذاب کے عظیم خوف اور معمولی سی کوتاہی پر بہت زیادہ افسوس کرنے کے خوگر تھے۔ (الشرف المؤبد ص ۴۰)

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں پر عموماً اور اہل بیت پر خصوصاً چند امور کی رعایت لازم ہے۔ اوّل علوم شرعیہ کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا اس لئے کہ علم کے بغیر نسب کا کامل فائدہ نہیں ہے۔ دوم باپ دادا پر فخر نہ کرنا اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بغیر محض ان پر اعتماد نہ کرنا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (پ ۲۶ ع ۱۴) یعنی تم میں سے بارگاہِ الٰہی میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

(برکات آل رسول بحوالہ الصواعق المحرقہ ص ۱۸۱)

چوتھی خصوصیت:

یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں اصطلاح یہ تھی کہ اشراف کا لفظ صرف اہل بیت پر بولا جاتا تھا دوسروں پر نہیں۔ پھر یہ لقب حسنی اور حسینی سادات کے لئے مخصوص ہو گیا حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ زینبیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانے میں شریف (سید) کا لفظ ہر اس فرد پر بولا جاتا تھا جو اہل بیت رسالت سے ہو۔ چاہے وہ حسنی، حسینی ہو یا علوی، حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیگر اولاد سے۔ اور حضرت جعفر یا حضرت عقیل کی اولاد سے ہو یا حضرت عباس کی۔ رضی اللہ عنہم۔ پھر جب مصر میں فاطمی حضرات تختِ وخلافت کے مالک ہوئے تو انہوں نے شریف (سید) کا لفظ حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا اور مصر میں آج تک یہ اصطلاح جاری ہے۔ (الشرف المؤبد ص ۴۰)

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ اصطلاح مشرق و مغرب کے اسلامی شہروں میں مشہور ہے جب عربی میں شریف کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے حسنی یا

حسینی سیّد مراد ہوں گے۔ بہت سے شہروں میں یہ اصطلاح بھی عام ہے کہ سیّد کا لفظ صرف حسنی اور حسینی سادات پر بولا جاتا ہے جب یہ لفظ بولا جائے گا تو ان کے سوا کوئی دوسرا مراد نہیں ہوگا۔ یہ اہل حجاز کے ماسوا کی اصطلاح ہے اہل حجاز کی اصطلاح یہ ہے کہ شریف کا استعمال حسنی سادات کے لئے اور سیّد کا استعمال حسینی ساداتِ کے لئے کرتے ہیں تاکہ دونوں میں واضح فرق ہو جائے۔ (الشرف المؤبد ص ۴۱)

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چیز اشراف کے لئے وقف کی گئی یا ان کے لئے وصیت کی گئی تو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اولاد کے علاوہ دوسرا کوئی ان میں داخل نہ ہوگا اس لئے کہ وقف اور وصیت کا دارومدار شہر کے عرف پر ہے۔
(الشرف المؤبد ص ۴۱)

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان حق ہے مگر اب شہروں کا عرف بدل رہا ہے۔ حضرت علامہ نبہانی تحریر فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں سیّد کا لفظ اشراف کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس شہر کے صرافہ بازار میں جا کر دیکھئے تو شاید ہی کوئی ایسی مہر نظر آئے کہ جس پر سیّد نہ لکھا ہو سوائے اس شخص کے جو سیّد صحیح النسب ہو یا دیندار با حیا آدمی ہو۔ اشراف اپنی مہروں میں لفظ سیّد نہیں لکھتے اس خوف سے کہ ان کے نسب میں لوگوں کو شبہ نہ ہو جائے۔
(الشرف المؤبد ص ۴۲)

یہی حال عنقریب اس ملک میں بھی ہونے والا ہے کہ جو سیّد صحیح النسب ہوگا وہ اپنے نام کے ساتھ سیّد نہیں لکھے گا اس لئے کہ اب بہت سے دوسرے لوگ اپنے کو سیّد لکھنے لگے ہیں تو وہ اپنے نسب کو اشتباہ سے بچانے کے لئے اپنے نام کے ساتھ سیّد لکھنے سے پرہیز کریں گے جیسے کہ بہت سے لوگوں نے جب اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھنا شروع کر دیا مدینہ طیبہ کا انصاری خاندان جو اس ملک میں ہے اس نے انصاری لکھنا چھوڑ دیا۔

جو لوگ اپنا نسب غلط بتاتے ہیں وہ اس حدیث شریف سے نصیحت حاصل کریں جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا ۔یعنی جو اپنے

باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۶۶۷ ج ۵)

پانچویں خصوصیت:

یہ ہے کہ اہل بیت میں سے جو بے عمل ہوں ان کی بھی تعظیم کا حکم ہے۔ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "سید سے جب تک کفر نہ صادر ہو واجب التعظیم ہے"۔ (حجۃ واہرہ ص ۱۱)

اور یہ اس لئے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا اور خدائے عزوجل ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا اگرچہ اس طرح کہ انہیں موت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ (پ ۲۲ ع ۱) یعنی اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں ہر قسم کے گناہوں سے پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اور سرکارِ اقدس ﷺ نے فرمایا اِنَّ فَاطِمَةَ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَهَا اللّٰهُ وَذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ۔ یعنی بیشک فاطمہ نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو جہنم پر حرام فرمادیا۔ (الشرف المؤبد ص ۴۵)

اہل بیت کے فاسق کی عزت ان کے فسق اور بے عملی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی مبارک نسبت کی بنا پر ہے اور یہ خوبی جیسے کہ ان کے نیک لوگوں میں ہے ویسے ہی ان کے فاسق میں بھی موجود ہے یعنی کسی کا فاسق ہونا اسے اہل بیت نبوت سے خارج نہیں کر دے گا اس لئے کہ اہل بیت کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں لہٰذا فسق ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہوگا البتہ صالحین کے درمیان ان کے مقام کو کم کر دیتا ہے۔

حضرت ابو محمد فاسی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسینی سیدوں سے بغض رکھتا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ خلافِ سنت افعال کے مرتکب ہیں۔ میں ایک دن مسجد نبوی میں روضہ مبارکہ کے سامنے سو گیا۔ مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور

نے مجھ سے میرا نام لے کر فرمایا کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ میری اولاد سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی پناہ میں انہیں ناپسند نہیں رکھتا۔ مجھے سنت کے خلاف ان کا عمل ناپسند ہے۔ حضور نے فرمایا کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ نافرمان اولاد ہے۔ حضرت ابومحمد فاسی فرماتے ہیں۔ جب میں بیدار ہوا تو میرے دل سے ان کی عداوت دور ہو چکی تھی۔ پھر تو میں ان میں سے جس کسی سے بھی ملتا ان کی خوب تعظیم و تکریم کرتا۔ (برکات آل رسول ص ۱۰۴)

سید حضرات ملاحظہ فرمائیں کہ رحمت عالم ﷺ نے سنت کے خلاف عمل کرنے والے کو نافرمان اولاد فرمایا اور جبکہ عام والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے تو سادات کا اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نافرمانی پر کیا حال ہوگا۔

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ کے خاتمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نسبت نبی کریم ﷺ کے اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خانوادے سے قائم ہو اس کا بڑا جرم اور دیانت و پرہیزگاری سے عاری ہونا اسے نسب عالی سے خارج نہیں کردے گا۔ اسی لئے بعض محققین نے فرمایا کہ خدانخواستہ اگر کسی سیّد سے زنا، شراب نوشی یا چوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد جاری کریں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں کو غلاظت لگ جائے اور اس کا کوئی خادم اسے دھو ڈالے۔ (برکات آل رسول ص ۱۰۵)

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کی سیادت یقینی ہو اور اس کا نسب ثابت ہو تو سیادت کے پیش نظر اس کی تعظیم و تکریم کی جائے گی اور اس کے غلط کاموں پر ناپسندیدگی ظاہر کی جائے گی اور اگر اس کا نسب ثابت نہیں ہے مگر وہ اس نسب کا دعویدار ہے اور اس کا جھوٹ ہونا معلوم نہیں ہے تو اس کی تکذیب میں توقف کیا جائے گا کہ ہر شخص اپنے نسب کا ذمہ دار ہے۔ اگر جھوٹ بولتا ہے تو مستحق لعنت ہے مگر دوسرے لوگ اسے بغیر ثبوت جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔

چھٹی خصوصیت:

یہ ہے کہ وہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کے باوجود رسول کریم ﷺ کی اولاد کہلاتے ہیں اور صحیح نسب کے ساتھ آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔ امام طبرانی نے

حدیث بیان کی ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِہٖ وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد ان کی پشت میں رکھی اور میری اولاد علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی۔ (الشرف المؤبد ص ۴۸)

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ماں کی اولاد اپنے پدری رشتہ داروں کی طرف منسوب ہوتی ہے ماسوا اولاد فاطمہ کے کہ میں ان کا ولی ہوں اور ان کا عصبہ ہوں۔

(برکات آل رسول ص ۱۱۰)

اسعاف الراغبین میں ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے لئے ہے دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لئے نہیں ہے (یعنی اگر ان کی اولاد زندہ رہتی تو) ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ حضور انور ﷺ ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں جس طرح کہ یہ بات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کے لئے کہی جاتی ہے۔

(برکات آل رسول ص ۱۱۰)

ساتویں خصوصیت:

یہ ہے کہ اہل بیت کا زمین میں موجود ہونا زمین والوں کے لئے باعث امن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلنُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَھْلِ السَّمَآءِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاَھْلِ الْاَرْضِ ۔یعنی ستارے آسمان والوں کے لئے باعث امن ہیں اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے باعث امن ہیں اور ایک روایت میں ہے اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ۔ یعنی میرے اہل بیت میری امت کے لئے باعث امن ہیں۔

(الشرف المؤبد ص ۴۶)

آٹھویں خصوصیت:

یہ ہے کہ وہ پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ امام ثعلبی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے بارگاہ رسالت میں لوگوں کے حسد کی شکایت کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم چار میں سے چوتھے ہو؟ سب سے پہلے

جنت میں مَیں تم اور حسنین کریمین داخل ہوں گے، ہماری ازواج مطہرات ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری ازواج کے پیچھے ہوگی۔ (برکات آلِ رسول ص ۱۰۹)

نویں خصوصیت:

علامہ صبان نے ان کی یہ خصوصیت شمار کی ہے کہ جو شخص ان میں سے کسی پر احسان کرے گا نبی کریم ﷺ قیامت کے دن اسے بدلہ عطا فرمائیں گے جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص وسیلہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کے سبب میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں اسے چاہئے کہ میرے اہل بیت کی خدمت کرے اور انہیں خوش کرے۔ (برکات آلِ رسول ص ۱۱۱ الصواعق المحرقہ ص ۱۰۷)

دسویں خصوصیت:

علامہ صبان نے فرمایا ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی محبت درازی عمر اور قیامت کے دن چہرہ سفید ہونے کا سبب ہے اور ان کا بغض اس کے برعکس اثر رکھتا ہے جیسا کہ صواعق محرقہ میں حدیث شریف نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اپنی آرزوؤں سے بہرہ ور ہو اسے میرے بعد میرے اہل بیت سے اچھی طرح پیش آنا چاہئے اور جو میرے بعد ان سے اچھی طرح پیش نہیں آئے گا اس کی عمر قطع کردی جائے گی اور قیامت کے دن اس حالت میں میرے پاس آئے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا''۔ (برکات آلِ رسول ص ۱۱۱)

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہم سب لوگوں کو محبین اہل بیت کے گروہ میں شامل فرمائے اور ان کے جد کریم علیہ افضل الصلوٰات واکمل التسلیم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین۔

پارہائے صحف غنچہائے قدس — اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
آب تطہیر سے جس میں پودے جمے — اس ریاض نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر — ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ بِرَحْمَتِكَ يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔

مناقبِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الْوَرٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُجْتَبٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ (پ۲۵ ع۴)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ الْاَمِيْنُ الْكَرِيْمُ ۔

وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر انتہائی خلوص و محبت کے ساتھ تمام عالم کے محسنِ اعظم، رحمت عالم بنورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں:

صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃً وسلامًا علیك یارسول اللہ۔

برادران ملت! خطبہ کے بعد جس آیت مبارکہ کے پڑھنے کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے آپ حضرات پہلے اس کا ترجمہ سماعت فرمائیں خداوند قدوس کا ارشاد ہے اے محبوب قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا تم فرماؤ کہ میں اس پر یعنی تبلیغ رسالت اور ارشاد و ہدایت پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى مگر قرابت کی محبت۔ یعنی میں تم سے قرابت کی محبت کا مطالبہ کرتا ہوں۔ (پ۲۵ ع۴)

حضرت صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور انصار نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ مصارف بہت ہیں اور مال کچھ بھی نہیں ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حضور کے حقوق واحسانات یاد کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بہت سا مال جمع کیا اور اس کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور کی بدولت ہی ہمیں ہدایت ہوئی اور ہم نے گمراہی سے نجات پائی ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے مصارف بہت زیادہ ہیں اس لئے ہم یہ مال خدام آستانہ کی خدمت میں نذر کے لئے لائے ہیں قبول فرما کر ہماری عزت افزائی کی جائے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اموال واپس فرما دیئے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اور حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے کہ انصاری صحابہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت نبوت نے ہم لوگوں کے قول وفعل سے فخر محسوس کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تم لوگوں پر فضیلت حاصل ہے جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ ان لوگوں کی مجلس میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے گروہِ انصار! کیا تم لوگ بے عزت نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ عزت عطا فرمائی؟ انصار نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! حضور نے فرمایا کیا تم مجھے جواب نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کیا حضور ہم کیا کہیں؟ فرمایا کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ کیا آپ کی قوم نے آپ کو نہیں نکال دیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی۔ کیا انہوں نے نہیں جھٹلایا تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؟ کیا انہوں نے آپ کو نہیں چھوڑ دیا تھا تو ہم نے آپ کی امداد کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ انصار گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اَمْوَالُنَا وَمَا فِیْ اَیْدِیْنَا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔ یعنی ہمارے مال اور ہماری سب ملکیت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (الشرف المؤبد ص ۲)

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں اور مقریزی نے فرمایا مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ''اے حبیب! اپنے پیروکار مومنوں کو فرمادو کہ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو اور حضرت ابوالعالیہ حضرت سعید بن جُبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں اور ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن شعیب سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''قربیٰ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔'' (برکات آلِ رسول ص ۲۲۰)

رہا یہ سوال کہ رشتہ دار سے کون سے رشتہ دار مراد ہیں تو علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں اور بہت سے دیگر مفسرین نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی، فاطمہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم۔

(الشرف المؤبد ص ۷۲)

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اگر کوئی شخص کہے کہ تبلیغ وحی پر قوم سے معاوضہ طلب کرنا جائز نہیں اسی لئے پارہ ۱۹ سورہ شعراء میں کئی جگہوں پر مختلف انبیائے کرام کا یہ اعلان مذکور ہے کہ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔ یعنی انہوں نے اپنی قوموں سے فرمایا کہ میں تبلیغ وحی اور ارشاد و ہدایت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اور جب دیگر انبیائے کرام نے اپنی قوموں سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کسی فائدہ کی خواہش کی تو سید الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں انہیں تبلیغ دین پر بدرجہ اولیٰ اجرت نہیں طلب کرنی چاہیے۔

اور پھر تبلیغ آپ پر واجب تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ یعنی جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا اس کی تبلیغ کرو۔ (پ ۲ ع

۱۴)اور واجب کے ادا کرنے پر اجرت کا طلب کرنا مناسب نہیں۔

اور پھر یہودی اور عیسائی وغیرہ ہمیں طعنہ دے سکتے ہیں کہ ہمارے رہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اور تمہارے رسول نے رشتہ داروں کی محبت کا مطالبہ کر کے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ طلب کیا جیسا کہ آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بیشک تبلیغ وحی پر اجر طلب کرنا جائز نہیں اور ہمارے رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد و ہدایت پر اپنی قوم سے کسی معاوضہ کو طلب نہیں کیا اور نہ ان سے کسی فائدہ کی خواہش کی جیسا کہ (پ۲۳ ع۱۴) کی آیت مبارکہ قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ٥ یعنی تم فرماؤ کہ میں تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ رہا آیت مبارکہ میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی تو حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس قبیل سے ہے جو کسی کہنے والے نے کہا ہے:

لَاعَیْبَ فِیْهِمْ غَیْرَ اَنَّ سُیُوْفَهُمْ
بِهَا مِنْ قِرَاعِ الدَّارِعِیْنَ فُلُوْلٌ

یعنی ان لوگوں میں علاوہ اس کے اور کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کی تلواروں میں زرہ پوش دشمنوں سے ٹکرانے کے سبب دندانے ہیں (یعنی جبکہ یہ ان کا عیب ہے تو عیب نہیں ہے بلکہ خوبی ہے) اسی طرح آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے اس کے سوا کچھ اجر نہیں چاہتا اور یہ حقیقت میں اجر نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۔ یعنی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (پ۱۰ ع۱۵) اور سرکار اقدس ﷺ کی حدیث شریف ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ۔ یعنی مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ہر ایک حصہ دوسرے حصہ کو طاقت و قوت دیتا

ہے اور مدد پہنچاتا ہے۔ اور جب مسلمانوں میں باہمی محبت واجب ہوئی تو اشرف المسلمین اوران کے اکابر یعنی اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت بدرجہ اولیٰ واجب ہے[1]۔ (تفسیر کبیر ص ۳۹۰ ج ۷) خلاصہ یہ ہوا کہ میں ہدایت وارشاد پر کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا لیکن میرے رشتہ داروں کی محبت جو تم پر واجب ہے اس کا خیال رکھنا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں استثنا منقطع ہے یعنی پر قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا پر کلام پورا ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى لیکن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو[2]۔

امام سُدّی ابوالدیلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو گرفتار کر کے لایا گیا تو انہیں دمشق کے راستے میں کھڑا کیا گیا تو وہاں کا ایک باشندہ آیا اور کہنے لگا، خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا، تمہارا استیصال و خاتمہ کیا اور فتنے کی سینگ کاٹ دی۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کیا تو نے قرآن پاک پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تم نے آل حٰمٓ پڑھی ہے؟ اس نے کہا میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن آل حٰمٓ نہیں پڑھی۔ آپ نے فرمایا تم نے آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نہیں پڑھی؟ اس نے کہا وہ لوگ آپ ہی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو ایمان والا نہیں سمجھتا۔ ہاں اس کا ایمان بتوں اور مصنوعی خداؤں پر تھا اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والوں کی زبان سے ایسی بکواس صادر نہیں ہو سکتی۔ اس شخص کے دل میں ایمان کیسے ٹھہر سکتا ہے جو اہل بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کئے جانے پر خدا کا شکر ادا کرے۔ میں اللہ اور رسول کا اس ملحد سے زیادہ دشمن ابوجہل کو نہیں سمجھتا۔ (الشرف المؤبد ص ۷۴)

ہم کہتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ بہت ہیں جو اہل بیت نبوت و خاندانِ رسالت سے نفرت کرتے ہیں، ان کے فضائل و مناقب نہیں سن سکتے۔ اگر کوئی محبت والا ان

[1] تفسیر کبیر ص ۳۹۰ ج ۷۔ [2] تفسیر خازن ص ۱۲۲ ج ۶۔

حضرات کی تعریف وتوصیف بیان کرتا ہے تو ان کی پیشانیوں میں بل پڑ جاتے ہیں، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور فوراً یزید خبیث کی حمایت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسے حق پر بتاتے ہیں اور امیر المومنین و رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسے یاد کرتے ہیں اور نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگاتے ہیں اور انہیں باغی قرار دیتے ہیں۔

(العیاذ باللہ تعالیٰ)

اور وہ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے پیارے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں، ان کے علم کو بچوں،، پاگلوں اور جانوروں کے علم کے برابر بتاتے ہیں۔ (حفظ الایمان ص ۸)

اور شیطان وملک الموت سے حضور کا علم کم ٹھہراتے ہیں۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

تو ایسے لوگ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگائیں اور ان کو باغی قرار دیں اور کوئی تعجب نہیں کہ اللہ کے پیاروں کی توہین و گستاخی یہی ان کا مذہب ہے۔ حضور اور ان کے اہل بیت کی محبت جو مدار ایمان ہے اس سے ان کے قلوب خالی ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان نہیں کہ ایمان والے کبھی ایسی بکواس نہیں کر سکتے۔

خدائے عزوجل ان کو ایمان عطا فرمائے، یزید پلید جیسے فاسق و فاجر کی محبت اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بغض و عداوت سے ان کے دلوں کو پاک فرمائے اور امام عالی مقام کی محبت ان کو نصیب فرمائے تا کہ ان کی سمجھ میں آ جائے کہ:

تیغ بہر عزت دین ست و بس
مقصد او حفظ آئین ست و بس
بہر حق درخاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است (ڈاکٹر اقبال)

ایک مرتبہ پھر آپ حضرات بلند آواز سے رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں۔ اللھم صل علیٰ سیّدنا محمد وّعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وبارك وسلم۔

آیت کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کی تفسیر میں حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کشاف سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں کہ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ شَهِيْدًا ۔ جو اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اس نے شہادت کی موت پائی۔ اور فرمایا: اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کی محبت میں فوت ہوا وہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ پھر فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ تَائِبًا سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا۔ اور فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ مُؤْمِنًا مُّسْتَكْمِلَ الْاِيْمَانِ ۔ خبردار ہو کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہو گا وہ مکمل ایمان کے ساتھ فوت ہو گا۔ پھر فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ بَشَّرَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ مُنْكَرٌ وَّنَكِيْرٌ ۔ کان کھول کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اسے حضرت عزرائیل علیہ السلام اور پھر منکر نکیر جنت کی بشارت دیتے ہیں اور فرمایا: اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ يُزَفُّ اِلَى الْجَنَّةِ كَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ اِلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اسے ایسی عزت کے ساتھ جنت روانہ کیا جاتا ہے جیسے دولہن دولہا کے گھر بھیجی جاتی ہے۔ پھر فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ فُتِحَ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ بَابَانِ اِلَى الْجَنَّةِ ۔ جان لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَعَلَ اللّٰهُ قَبْرَهٗ مَزَارَ مَلَائِكَةِ الرَّحْمَةِ آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے پھر اس کے بعد آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ عَلَى السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ خبردار ہو کر سن لو! جو شخص اہل بیت کی محبت پر فوت ہوا وہ مسلک اہل سنت و جماعت پر فوت ہوا۔ (تفسیر کبیر ص ۳۹۰ ج ۷)

یہ ساری خوشخبریاں اور بشارتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اہل بیت نبوت و خاندان رسالت سے محبت رکھتے ہیں اور جو لوگ کہ ان حضرات سے دشمنی اور بغض و عداوت رکھتے

ہیں ان کا حال کیا ہوگا اس کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَکْتُوْبًا بَیْنَ عَیْنَیْهِ اٰیِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّاتَ کَافِرًا، اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ لَمْ یَشُمَّ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ یعنی خبردار ہو کر سن لو! جو شخص اہل بیت کے بغض وعداوت پر مراوہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید" اور آگاہ ہو جاؤ! جو شخص اہل بیت کے بغض وعداوت پر مراوہ کافر مرا۔ اور کان کھول کر سن لو! جو شخص اہل بیت کے بغض وعداوت پر مراوہ جنت کی خوشبو سے محروم کر دیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ص ۳۹۰ ج ۷)

پوری حدیث شریف میں آل محمد (ﷺ) کا ترجمہ اہل بیت اس لئے کیا گیا کہ اہل بیت کے آلِ رسول ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور دوسروں کا آلِ رسول ہونا اختلافی ہے۔

حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا کہ آل سے مراد آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ وہ آپ کی امت ہیں۔ اگر ہم آل کو قریبی رشتہ داروں پر محمول کریں تو اہل بیت ہی آلِ رسول ہیں اور اگر اس امت پر محمول کریں جس نے آپ کی دعوت وتبلیغ کو قبول کیا تو بھی اہل بیت آلِ رسول میں داخل ہیں۔ ثابت ہوا کہ وہ بہر صورت آلِ رسول ہیں اور دوسروں کا حضور ﷺ کی آل میں داخل ہونا اختلافی ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۹۰ ج ۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل بیت کرام کی محبت میں فوت ہونے والا اللہ ورسول کا پیارا ہے اوران کی دشمنی میں مرنے والا اللہ ورسول کا دشمن ہے۔ جل جلالہ، وﷺ۔

اہل بیت نبوت میں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اب حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے کچھ فضائل اور حالات الگ الگ ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆☆

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

نام ولقب اور سال پیدائش:

آپ کا نام ''فاطمہ'' اور لقب ''زہرا و بتول'' ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی لیکن سب سے زیادہ پیاری اور لاڈلی ہیں۔ آپ کی پیدائش کے سال میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف ۴۱ برس کی تھی، آپ پیدا ہوئیں اور کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ اعلانِ نبوت سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی اور علامہ ابن جوزی نے تحریر فرمایا ہے کہ اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے جبکہ خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی آپ پیدا ہوئیں۔

آپ کا نکاح:

مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور بعض روایتوں کے مطابق ساڑھے پندرہ سال کی عمر ۲ھ میں ان کا نکاح شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔

امام نسائی کی روایت ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بارے میں پیغام بھیجا مگر حضور اکرم ﷺ نے منظور نہیں فرمایا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے پیام بھیجا تو حضور نے ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۵)

مہر کہ جس پر عقد اقدس ہوا چار سو مثقال چاندی تھی یعنی پورے ایک سو ساٹھ روپے بھر۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۵ ص ۳۲۵)

آپ کا جہیز:

شہنشاہ کونین ﷺ نے اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کو جو جہیز دیا وہ بان کی ایک چارپائی تھی اور چمڑے کا ایک گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور ایک

چھاگل، ایک مشک دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے۔ (سیر الصحابیات ص ۱۰۰)

اب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد الگ گھر کی ضرورت ہوئی تو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان ان کو دے دیا۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس نئے گھر میں گئیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی پھر اندر گئے۔ ایک برتن میں پانی منگوا کر دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور وہ پانی حضرت علی کے سینہ اور بازو پر چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان پر بھی چھڑکا اور فرمایا کہ میرے خاندان میں جو شخص سب سے بہتر ہے میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے۔ (زرقانی وغیرہ)

آپ کی گھریلو زندگی:

شہنشاہِ دو عالم ﷺ کی صاحبزادی ہونے کے باوجود حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا کاروبار خود کرتی تھیں، جھاڑو اپنے ہاتھ سے دیتی تھیں، خود کھانا پکاتی تھیں بلکہ چکی بھی اپنے ہاتھ سے پیستی تھیں اور مشک میں پانی بھر کر لایا کرتی تھیں جس سے ہاتھ پر چھالے اور بدن پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ ایک بار مالِ غنیمت میں باندی و غلام آئے ہوئے تھے۔ آپ نے ڈرتے ڈرتے رسول اللہ ﷺ سے گھریلو کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جان پدر! بدر کے یتیم بچے تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔ (سیرت الصحابیات)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے غلام طلب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں غلام عطا کردوں اور اہل صفہ بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھ رہے ہوں۔ (برکات آلِ رسول)

آپ کے فضائل:

حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں جن میں سے چند روایتیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّی فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَهَا وَ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاهَا یعنی فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے تو جس شخص نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ناراض کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو ناراض کرتی ہے اور اذیت دیتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو اذیت دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۸)

لہٰذا جس نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا اور جن لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے ریگستان میں شہید کیا ان لوگوں نے بے شک حضرت فاطمہ کو اور حضور نبی کریم ﷺ کو اذیت دی۔ اور حضور کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینا ہے اور اللہ و رسول کو اذیت دینے والے پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّلَهُمْ عَذَاباً مُّهِیْناً ۔ یعنی بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں دنیا و آخرت میں ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (پ ۲۲ ع ۴)

اور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں فَاطِمَةُ سَیِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ (بخاری شریف ص ۵۳۲۔ ج ۱)

اور ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰت واکمل التسلیم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یَا بُنَیَّةُ اَلَا تَرْضِیْنَ اَنَّكِ سَیِّدَةُ نِسَآءِ الْعَالَمِیْنَ۔ یعنی اے بیٹی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہو؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا یَا اَبَتِ فَاَیْنَ مَرْیَم۔ ابا جان پھر حضرت مریم کا کیا مقام ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تِلْكَ سَیِّدَةُ نِسَآءِ عَالَمِهَا ۔ وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (الشرف المؤبد ص ۵۴)

علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بہت سے محققین جن میں علامہ تقی الدین سبکی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ بدرالدین زرکشی اور علامہ تقی الدین مقریزی شامل ہیں'

تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ جہان کی تمام عورتوں سے یہاں تک کہ حضرت مریم سے بھی افضل ہیں۔(الشرف المؤبد ص۵۴)

اور علامہ ابن ابوداؤد سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے جسم کا ٹکڑا فرمایا ہے تو میں کسی کو حضور کے پارہ جسم کے برابر نہیں قرار دے سکتا۔(برکات آلِ رسول ص۱۴۲)

ڈاکٹر اقبال نے بہت خوب کہا ہے:

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز — وز سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نورِ چشمِ رحمۃ للعالمیں — آں امامِ اولین و آخریں
بانوے آں تاجدارِ ھَلْ اَتٰی — مرتضٰی ، مشکل کشا ، شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق — مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اَیُّنَا اَحَبُّ اِلَیْكَ اَنَا اَمْ فَاطِمَةُ؟ ہم میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے، میں یا فاطمہ؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فَاطِمَةُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَعَزُّ عَلَیَّ مِنْهَا ۔ فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک ان سے زیادہ عزت والے ہو۔

(الشرف المؤبد ص۵۳)

اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا باطن عرش سے ندا کرے گا یَااَهْلَ الْجَمْعِ نَكِّسُوْا رُؤُسَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ حَتّٰی تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَى الصِّرَاطِ ۔ یعنی اے محشر والو! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھوں کو بند کرلو تا کہ فاطمہ بنت محمد ﷺ پل صراط سے گزر جائیں۔ فَتَمُرُّ مَعَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ جَارِيَةٍ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ كَمَرِّ الْبَرْقِ ۔ تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں بجلی کوندنے کی طرح پل صراط سے گزر جائیں گی۔

(الصواعق المحرقہ ص۱۱۶)

اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ ابْنَتِیْ فَاطِمَةَ

حَوْرَاءُ اٰدَمِيَّةٌ لَمْ تَحِضْ وَلَمْ تَطْمُثْ ۔ یعنی میری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے جسے کبھی حیض نہیں آیا۔ (الشرف المؤبد ص ۵۴)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں کبھی حیض نہیں آتا تھا۔ جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تو ایک گھڑی کے بعد نفاس سے پاک ہو جاتیں۔ یہاں تک کہ ان کی نماز قضا نہ ہوتی۔ اسی لئے ان کا نام ''زہرا'' رکھا گیا اور جب انہیں بھوک محسوس ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر دست مبارک رکھا تو اس کے بعد انہیں بھوک کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے خود غسل کیا اور وصیت کی کہ کوئی انہیں منکشف نہ کرے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اسی غسل کے ساتھ دفن کر دیا۔ (برکات آل رسول ص ۱۲۲)

آپ کی وفات:

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کا آپ کو ایسا سخت صدمہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد کبھی آپ ہنستی ہوئی نہیں دیکھی گئیں۔ یہاں تک کہ چھ ماہ بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کی رات میں آپ نے وفات پائی اس طرح اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی آ کر مجھ سے ملو گی۔

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین میں ایک خاص قسم کی جدت کی گئی اس لئے کہ اس زمانہ میں رواج یہ تھا کہ مردوں کی طرح عورتوں کا جنازہ بھی بے پردہ نکالا جاتا تھا مگر حضرت سیّدہ کے مزاج اقدس میں چونکہ انتہائی شرم و حیا تھی اس لئے انہوں نے قبل وفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کھلے ہوئے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جسے میں ناپسند کرتی ہوں تو انہوں نے حضرت سیّدہ کے لیے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جسے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئیں۔ عورتوں کے جنازہ پر آج کل جو پردہ لگانے کا دستور ہے اس کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی۔ حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور صحیح و مختار قول یہی ہے کہ آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

آپ کی اولاد:

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چھ اولاد ہوئیں۔ تین صاحبزادے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن اور تین صاحبزادیاں حضرت ام کلثوم، حضرت زینب اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت محسن اور حضرت رقیہ تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے حضرت زید اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہ پیدا ہوئیں رضی اللہ عنہا اور تیسری صاحبزادی جو حضرت زینب تھیں ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ رضی اللہ عنہما

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ قیامت تک حضرت سیّدہ فاطمہ ہی کے صاحبزادگان سے جاری رہے گا۔ رضی اللہ عنہم

اس بتول جگر پارۂ مصطفیٰ — حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے — اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ — جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

اب قبل اس کے کہ میں نواسۂ رسول حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ذکر جمیل کروں آپ سب حضرات سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب اور اہل بیت کرام پر نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ ایک بار بلند آواز سے درود شریف کا نذرانہ پیش کریں۔

اللھم صل علی سیّدنا و مولانا محمد
وعلی الٰہ واصحابہٖ واھل بیتہٖ وبارک وسلم۔

امیر المومنین

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس بچے کا نام رکھو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا نام آپ رکھیں۔ حضور نے فرمایا میں اس بچے کا وہ نام رکھوں گا جو خدائے تعالیٰ فرمائے گا۔ تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! خدائے عزوجل اس صاحبزادہ کی پیدائش پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادہ شبر کا نام رکھو جس کے معنٰی ہیں حسن تو حضور نے آپ کا نام حسن رکھا اور کنیت ابومحمد۔ پھر پیدائش کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا، بال منڈوائے اور حکم فرمایا کہ بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کی جائے۔ (نزہۃ المجالس وغیرہ)

جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر صرف ساڑھے سات سال کی تھی اس کے باوجود آپ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں۔ صاحب تلقیح نے آپ کا ذکر ان صحابہ میں کیا ہے جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ ساڑھے سات سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اس وقت کی اتنی حدیثوں کا یاد رکھنا اور نقل کرنا آپ کے حافظہ کا کمال ہے۔

آپ شکل وصورت میں اپنے نانا جان پیارے مصطفیٰ ﷺ سے بہت مشابہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اَلْحَسَنُ اَشْبَهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَيْنَ الصَّدْرِ اِلَى الرَّاْسِ۔ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سر سے لے کر سینہ تک رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہ ہیں۔ وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ اور حضرت حسین نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس کے

زیریں حصہ سے بہت مشابہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

اور ارشاد فرماتے ہیں:

معدوم نہ تھا سایہ شاہِ ثقلین — اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے — آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

آپ کے فضائل:

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منبر پر رونق افروز ہیں اور حضرت حسن آپ کے پہلو میں ہیں۔ آپ کبھی صحابہ کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی ان کی طرف۔ اور فرمایا: اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ میرا بیٹا یہ سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا۔ (بخاری شریف ص۵۳۰ ج۱)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہوتے اور حضرت حسن آتے تو آپ کی گردن مبارک یا پشت مبارک پر سوار ہو جاتے تو آپ انہیں اتارتے نہیں تھے وہ خود ہی اتر جاتے تھے اور میں نے دیکھا کہ آپ رکوع کی حالت میں ہوتے تو آپ انہیں اتارتے نہیں تھے وہ خود ہی اتر جاتے تھے اور میں نے دیکھا کہ آپ رکوع کی حالت میں ہوتے تو اپنے پیروں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دیتے کہ حضرت حسن ان کے درمیان سے دوسری طرف گزر جاتے۔ (الشرف المؤبد ص۶۰)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ

آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے ہیں اور دعا فرما رہے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ۔ یعنی اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔

(بخاری شریف ص ۵۳۰ ج ۱)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے۔ کسی صحابی نے کہا نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ ۔ اے صاحبزادے تیری سواری بہت اچھی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَنِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ ۔ اور سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔ یعنی اے صحابی! یہ تو تو نے دیکھا کہ سواری کتنی اچھی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھ کہ سوار کتنا اچھا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۱)

ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قریش اور دیگر قبیلوں کے بڑے بڑے لوگ جمع تھے۔ انہوں نے فرمایا مجھے بتاؤ ماں اور باپ، چچا اور پھوپھی، خالہ اور ماموں نانا اور نانی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟ حضرت مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہ سب سے افضل ہیں۔ ان کے والد امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب ہیں ان کی والدہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی نانی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے چچا حضرت جعفر ہیں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں اور پھوپھی حضرت ام ہانی بنت ابی طالب ہیں اور ان کے ماموں اور خالائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔ پھر مالک بن عجلان نے حضرت امیر معاویہ سے پوچھا کیا میں نے صحیح کہا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ! یہ سچ ہے۔

(برکاتِ آلِ رسول ص ۱۴۲)

حاکم کی روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بغیر سواری کے پیدل ۲۵ حج ادا فرمائے حالانکہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے لیکن آپ ان پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پاپیادہ راستہ طے فرماتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ سخاوت میں بے مثال تھے کہ بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا

فرمادیتے تھے۔ابن سعد، علی بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے تین بار آدھا آدھا مال خدا کی راہ میں دے دیا اور دو مرتبہ اپنا پورا مال اللہ کے راستے میں خرچ کردیا۔(تاریخ الخلفاء)

آپ بہت بڑے بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ مروان جب مدینہ منورہ میں حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کمال تحمل کے ساتھ اس کی گستاخیوں کو برداشت کر لیتے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور مروان کے درمیان گفتگو ہورہی تھی کہ اس گستاخ نے آپ کے سامنے ہی آپ کو برا بھلا کہنا شروع کردیا مگر آپ خاموش رہے۔اسی درمیان مروان نے اپنے داہنے ہاتھ سے ناک صاف کی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا افسوس تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ داہنا ہاتھ اس کام کے لئے نہیں ہے۔بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا چاہئے۔یہ سن کر مروان خاموش رہا۔(تاریخ الخلفاء)

اپنی برائی سن کر تو آپ خاموش رہے لیکن جب غلط بات آپ نے دیکھی تو فوراً تنبیہ فرمائی۔یہ آپ کی حق گوئی ہے عیب جوئی نہیں۔بعض مدعیان علم جو طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں اس قسم کی تنبیہ کو عیب جوئی قرار دیتے ہیں۔خدائے عزوجل انہیں حق گوئی اور عیب جوئی کا فرق سمجھنے کی توفیق رفیق بخشے۔آمین۔

خلافت اور اس سے دستبرداری:

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔چالیس ہزار اہالیان کوفہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔آپ چھ ماہ تک منصب خلافت پر فائز رہے اس کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس کوفہ آئے تو مندرجہ ذیل تین شرطوں کے ساتھ آپ نے خلافت ان کے سپرد کرنا منظور فرمایا۔

(۱) بروقت امیر معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسن خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔

(۲) مدینہ شریف اور حجاز و عراق وغیرہ کے لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے متعلق کوئی مواخذہ اور مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

(۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ذمہ جو دیون ہیں ان سب کی ادائیگی حضرت امیر معاویہ کریں گے۔ رضی اللہ عنہ۔

ان تمام شرطوں کو حضرت امیر معاویہ نے قبول کیا تو آپس میں صلح ہو گئی اور اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ظاہر ہوا جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند ارجمند مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس صلح کے بعد تخت خلافت حضرت امیر معاویہ کے لئے خالی کر دیا۔ دستبرداری کا یہ واقعہ ربیع الاول ۴۱ھ میں ہوا۔ (تاریخ الخلفاء)

خلافت سے دستبردار ہونا آپ کے بہت سے ہم نواؤں کو ناگوار ہوا۔ انہوں نے طرح طرح سے آپ پر ناراضگی کا اظہار کیا یہاں تک کہ بعض لوگ آپ کو "عار المسلمین" کہہ کر پکارتے تو آپ ان سے فرماتے اَلْعَارُ خَیْرٌ مِّنَ النَّارِ۔ عار نار سے بہتر ہے۔

امر خلافت حضرت امیر معاویہ کو سپرد کرنے کے بعد آپ کوفہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں آپ پھر خلافت کے خواستگار ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھوں میں تھے یعنی اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے وہ مجھ سے بیعت کر چکے تھے اس زمانہ میں ہم جس سے چاہتے ان کو لڑا دیتے لیکن میں اس وقت محض اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے خلافت سے دستبردار ہو گیا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ کا خون نہیں بہنے دیا۔ تو جس خلافت سے میں صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دستبردار ہو گیا ہوں اب لوگوں کی خوشی کے لئے میں اسے دوبارہ نہیں حاصل کر سکتا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی کرامتیں:

آپ کی بہت سی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ آپ حج کے لئے پیدل سفر

کررہے تھے کہ آپ کے پیروں میں ورم آ گیا۔ آپ کے کسی غلام نے عرض کیا کاش آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تاکہ ورم کم ہو جائے آپ نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا جب تم منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا تم اسے خرید لینا۔

جب منزل پہنچے تو حبشی دکھائی دیا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا یہ ہے وہ حبشی جس کے متعلق میں نے بتایا تھا جاؤ اور اس سے تیل خرید لاؤ اور قیمت ادا کر آؤ۔ جیسے ہی وہ غلام حبشی کے پاس گیا اور اس سے تیل طلب کیا تو اس نے پوچھا یہ تیل کس کے لئے خرید رہے ہو؟ غلام نے کہا حضرت حسن کے لئے (رضی اللہ عنہ)۔ اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو میں ان کا غلام ہوں۔ جب وہ حبشی آپ کی خدمت میں پہنچا تو کہا میں آپ کا غلام ہوں۔ تیل کی قیمت نہیں لوں گا۔ آپ بس میری بیوی کے لئے جو درد زہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک صحیح الاعضا بچہ عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو۔ وہ ہمارا پیروکار ہوگا حبشی گھر گیا تو آپ کے فرمانے کے مطابق بچہ پیدا ہوا۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۲)

آپ کی دوسری مشہور کرامت یہ ہے کہ ایک بار آپ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ آپ کا گزر کھجوروں کے ایک ایسے باغ میں ہوا کہ جس کے سب درخت خشک ہو گئے تھے آپ نے اسی باغ میں ڈیرا ڈال دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لئے باغ کے ایک درخت کی جڑ میں اور ابن زبیر کے لئے دوسرے درخت کی جڑ میں فرش بچھایا گیا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے کاش! اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور زیر لب کچھ کہا جو کسی کو معلوم نہ ہوا۔ فوراً کھجور کا ایک درخت تروتازہ اور بارآور ہو گیا۔ اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں۔ ان کا ساتھی شتربان بولا واللہ یہ جادو ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ جادو نہیں ہے بلکہ فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مستجاب کا اثر ہے پھر لوگوں نے کھجوروں کو

درخت سے توڑا اور سب نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۳)

آپ کی شہادت:

ابن سعد حضرت عمران بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" لکھا ہوا ہے۔ جب آپ نے یہ خواب بیان فرمایا تو اہل بیت بہت خوش ہوئے لیکن جب حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ خواب بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ کا یہ خواب سچا ہے تو آپ کی زندگی کے صرف چندروز باقی رہ گئے ہیں۔ یہ تعبیر صحیح واقع ہوئی کہ ایسا خواب دیکھنے کے بعد آپ صرف چندروز بقید حیات رہے پھر زہر دے کر شہید کر دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

زہر خورانی کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ پہلے آپ کو شہد میں ملا کر زہر دیا گیا جس سے آپ کے شکم مبارک میں درد پیدا ہوا رات بھر آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے صبح اپنے جدامجد پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ پر حاضر ہوئے دعا فرمائی تو خدائے عزوجل نے انہیں شفائے کلی عطا فرمائی۔

دوسری بار آپ کو زہر آلود کھجوریں کھلائی گئیں۔ چھ سات کھجوریں کھاتے ہی آپ کو سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اپنے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے اور رات بھر بے قرار رہے۔ سویرے پھر اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور دعا فرمائی تو اس بار بھی خدائے تعالیٰ کی رحمت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زہر کا اثر جاتا رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اسی طرح آپ کو پانچ بار زہر ہلاہل دیا گیا مگر ہر بار اس کا اثر زائل ہوتا رہا۔ چھٹی بار ہیرے کی کنی پیسی ہوئی آپ کی صراحی میں ڈالی گئی جس کا پانی پیتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ حلق سے ناف تک پھٹ گیا اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آپ بے قراری میں مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے مسلسل قے ہونے لگی اور دست بھی جاری ہوا جس کے ساتھ جگر اور انتڑیوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

وفات کے قریب آپ کے بھائی حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم اسے قتل کرو گے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک میں اسے قتل کروں گا۔ آپ نے فرمایا جس کے بارے مین میرا گمان ہے اگر حقیقت میں وہی زہر دینے والا ہے تو خدائے ذوالجلال منتقم حقیقی ہے اور اس کی گرفت بہت سخت ہے اور جس کے بارے میں میرا گمان ہے اگر وہ زہر دینے والا نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ قتل کیا جائے۔

سبحان اللہ۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال کتنا بلند و بالا ہے آپ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں اسہال کبدی لاحق ہے آنتوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر نکل رہے ہیں اور نزع کی حالت ہے مگر اس وقت بھی انصاف کا بادشاہ اپنے انصاف وعدالت کا نہ مٹنے والا نقش صفحہ تاریخ پر ثبت فرماتا ہے اور اس کی احتیاط اجازت نہیں دیتی کہ جس کے بارے میں گمان ہے اس کا نام لینا گوارا کیا جائے۔

وفات کے قریب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بے قراری اور گھبراہٹ زیادہ ہے تو آپ نے ان کی تسلی کے لئے عرض کیا کہ اے برادرِ محترم! یہ گھبراہٹ اور بے قراری کیسی ہے؟ آپ تو اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بابا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اپنی جدۂ کریمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور والدہ محترمہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کریں گے اور اپنے چچا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما سے ملیں گے اور اپنے ماموں حضرت قاسم وحضرت طاہر رضی اللہ عنہما سے بھی ملاقات کریں گے۔

حضرت امام حسن نے فرمایا اے برادرِ عزیز! میں ایسے امر میں داخل ہونے والا ہوں کہ جس کی مثل میں اب تک نہیں داخل ہوا تھا اور میں اللہ کی مخلوق میں سے ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں کہ جس کی مثل کبھی نہیں دیکھا۔ (تاریخ الخلفاء)

۴۵ سال ۶ ماہ چند روز کی عمر میں بمقام مدینہ طیبہ ۵ ربیع الاول ۴۹ ہجری میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام
شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام

زہر کس نے دیا؟:

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ کو زہر دیا تھا مگر یہ لکھنا صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں حضرت صدر الا فاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو محققانہ مضمون تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ مورخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث بن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ زہر خورانی باغوائے یزید ہوئی ہے اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا اس طمع میں آ کر اس نے حضرت امام کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لئے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتمد حوالہ کے لکھ دیا ہے یہ خبر واقعات کے لحاظ سے بھی نا قابل اطمینان معلوم ہوتی ہے۔ واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانہ میں جیسی ہو سکتی ہے مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو خاص کر جبکہ واقعہ اتنا اہم ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اہل بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل، اس قاتل کی خبر غیر کو تو کیا ہوتی خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتا نہیں ہے۔ یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادر معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کا علم نہ تھا اب رہی یہ بات کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کسی کا نام لیتے انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اب جعدہ کو قاتل ہونے کے لئے معین کرنے والا کون ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا امامین کے صاحبزادوں میں کسی صاحب کو اپنی آخر حیات تک جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا نہ ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مواخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام کی بیوی کو

غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے یہ ایک بدترین تبرا ہے۔ عجب نہیں ہے کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کے افتراءات ہوں جبکہ صحیح اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کثیر التزوج تھے اور آپ نے سو کے قریب نکاح کئے اور طلاقیں دیں۔ اکثر ایک دو شب ہی کے بعد طلاق دے دیتے تھے اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بار بار اعلان فرماتے تھے کہ (امام) حسن کی عادت ہے یہ طلاق دے دیا کرتے ہیں کوئی اپنی لڑکی ان کے ساتھ نہ بیاہے۔ مگر مسلمان بیبیاں اور ان کے والدین یہ تمنا کرتے تھے کہ کنیز ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ اسی کا اثر تھا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جن عورتوں کو طلاق دے دیتے تھے وہ اپنی باقی زندگی حضرت امام کی محبت میں شیدانہ گزاردیتی تھیں اور ان کی حیات کا لمحہ لمحہ حضرت امام کی یاد اور محبت میں گزرتا تھا۔ ایسی حالت میں یہ بات بہت بعید ہے کہ امام کی بیوی حضرت امام کے فیض صحبت کی قدر نہ کرے اور یزید پلید کی ایک طمع فاسد سے امام جلیل کے قتل جیسے سخت جرم کا ارتکاب کرے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (سوانح کربلا)۔

عیب یا خوبی:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا اکثر ایک دو شب ہی کے بعد طلاق دے دینا عیب نہیں تھا۔ اگر عیب ہوتا تو پھر کوئی عورت ان کے نکاح میں آنے کو قبول نہ کرتی اور نہ کسی عورت کے خاندان والے اس پر راضی ہوتے بلکہ یہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خوبی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے ذریعہ حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری سے مشرف فرماتے تھے اور مسلمان بیبیوں کو خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بہو ہونے کی عزت بخشتے تھے تاکہ یہ رشتہ انہیں قیامت کے دن کام آئے اور ان کی بخشش کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کثرت تزوج کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کا میری وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ ہو جائے جو قیامت کے دن انہیں کام آئے۔

(فتاویٰ عزیزیہ جلد اول ص ۹۷)

اور مسلمان بھی اسی لالچ سے اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دیتے تھے ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ اے کوفہ والو! حسن کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی مت کرو کہ وہ طلاق دینے کے عادی ہیں۔ یہ سن کر ایک ہمدانی نے کہا: خدا کی قسم! ہم ان سے اپنی بیٹیوں کی شادی ضرور کریں گے جسے وہ چاہیں رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دے دیں۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۲۹)

ایک مرتبہ پھر ہم اور آپ سب لوگ مل کر رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر جھوم جھوم کر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کریں۔ اللھم صلی علی سیّدنا و مولانا محمد وعلی الہ واصحابہ وبارك وسلم۔

تعظیم اہل بیت کے چند واقعات

حضرات! اب ہم اہل بیت نبوت کے چند واقعات آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ صحابہ کرام اور دیگر سلف صالحین و بزرگان دین اہل بیت نبوت کی کیسی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا۔ یحیٰ ابن سعید انصاری عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا: اِنْزِلْ عَنْ مِنبَرِ اَبِی وَاذْھَبْ اِلٰی مِنبَرِ اَبِیْكَ۔ یعنی میرے باپ کے منبر سے اتریئے اور اپنے باپ کے منبر پر جائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَمْ یَکُنْ لِاَبِیْ مِنبَرٌ۔ میرے باپ کا منبر نہیں تھا' اور مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا میں اپنے پاس پڑی ہوئی کنکریوں سے کھیلتا رہا۔ جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے پھر مجھ سے فرمایا کتنا اچھا ہو اگر آپ کبھی کبھی تشریف لاتے رہیں۔ (الشرف المؤبد ص ۹۳)

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس گیا آپ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے تنہائی میں باتیں کر رہے تھے اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) دروازے پر کھڑے تھے۔ ابن عمر واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس ہو گیا۔ بعد میں جب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا بات ہے میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: امیرالمومنین! میں آیا تھا آپ حضرت معاویہ سے گفتگو فرما رہے تھے تو میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ واپس آ گیا۔ انہوں نے فرمایا آپ ابن عمر سے زیادہ حقدار ہیں‘ ہمارے سروں کے بال اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اگائے ہیں۔

(برکات آلِ رسول ص ۲۶۰)

ابوالفرح اصفہانی عبیداللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ ابن سعید نے سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے وہ نوعمر تھے ان کی بڑی بڑی زلفیں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے انہیں اونچی جگہ بٹھایا ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں۔ جب وہ تشریف لے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قوم نے ان کی ملامت کی اور کہا کہ آپ نے ایک نوعمر بچے کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھ سے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّی یُسِرُّنِیْ مَایُسِرُّھَا۔ یعنی فاطمہ میری لختِ جگر ہیں ان کی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے کے ساتھ کیا ہے اس سے ضرور خوش ہوتیں۔

(برکات آلِ رسول ص ۲۶۱)

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ اپنی تصنیف ’’مسامرات الاخیار‘‘ میں اپنی سند متصل سے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہیں کہ بعض متقدمین کو حج کی بڑی آرزو تھی انہوں نے فرمایا مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کیا پانچ سو دینار لے کر میں بازار کی طرف نکلا تا کہ حج کی ضروریات خرید لاؤں۔ میں ایک راستے پر جا رہا تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے میں سیّد زادی ہوں میری بچیوں کے لئے تن ڈھانپنے کا کپڑا نہیں ہے اور آج چوتھا دن ہے کہ میں نے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی میں نے وہ پانچ سو دینار اس کے دامن میں ڈال دیئے اور ان

سے کہا کہ آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ کو ایک سیدزادی کی امداد کی توفیق عطا فرمائی اور واپس آ گیا۔ میں کئی سال حج کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بار حج پر جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا۔ دوسرے لوگ چلے گئے حج کیا اور واپس چلے آئے۔ میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں اور انہیں مبارکباد پیش کر دوں۔ چنانچہ میں گیا جس دوست سے ملتا اسے سلام کرتا اور کہتا کہ اللہ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری کوشش کی بہترین جزا عطا فرمائے تو وہ مجھ سے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی حج قبول فرمائے۔ کئی دوستوں نے اسی طرح کہا اور جب رات کو سویا تو نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا لوگ تمہیں حج کی جو مبارکباد پیش کر رہے ہیں اس پر تعجب نہ کرو تم نے میری ایک کمزور اور ضرورت مند بیٹی کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اس نے ہو بہو تجھ جیسا ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمہاری طرف سے حج کرتا رہے گا۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۶۳)

شیخ عدوی نے اپنی کتاب ''مشارق الانوار'' میں ابن جوزی کی تصنیف ''ملتقط'' سے نقل کیا کہ بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی بیوی اور چند بیٹیاں تھیں۔ قضائے الٰہی سے وہ شخص فوت ہو گیا۔ ان کی بیوی کہتی ہیں کہ میں شماتت اعداء کے خوف سے سمرقند چلی گئی۔ میں وہاں سخت سردی میں پہنچی۔ میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں لے جا کر بٹھا دیا اور خود خوراک کی تلاش میں نکل پڑی۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ رئیس شہر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچی اور اپنا حال زار بیان کیا۔ اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو۔ اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ میں مسجد کی طرف واپس چل پڑی۔ میں نے راستے میں بلند جگہ پر ایک بوڑھا بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محافظ شہر ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچی اپنی سرگزشت بیان کی اور رئیس شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اسے بھی بیان کیا اور اسے بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نے اپنے غلام کو بلایا اور کہا اپنی مالکہ (یعنی

میری بیوی) سے کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آ جائے چنانچہ وہ آ گئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں۔ بوڑھے نے اپنی بیوی سے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں چلی جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آ۔ وہ میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی۔ شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لئے الگ رہائش گاہ مقرر کی، غسل کا انتظام کیا، ہمیں بہترین کپڑے پہنائے اور طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

جب آدھی رات ہوئی تو رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے اور لواء الحمد رسول اکرم ﷺ کے سر انور پر لہرا رہا ہے۔ آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا اس نے عرض کیا: حضور! آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں حالانکہ میں مسلمان ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَقِمِ الْبَیِّنَةَ عِنْدِیْ اَنَّكَ مُسْلِمٌ۔ اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو۔ وہ شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو نے اس علوی عورت سے جو کچھ کہا تھا اسے بھول گیا۔ یہ محل جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے یہ اس شیخ کا ہے جس کے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا اس نے اپنے غلاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ عورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے۔ یہ رئیس اسی مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا میرے گھر میں ہے۔ رئیس نے کہا اسے میرے یہاں بھیج دو۔ شیخ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو اور اسے میرے یہاں بھیج دو۔ شیخ نے کہا لَاوَاللّٰهِ وَلَا بِمَائَةِ اَلْفِ دِیْنَارٍ۔ قسم خدا کی ایسا نہیں ہو سکتا اگرچہ تم لاکھ دینار بھی دو۔ جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اس سے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے تم اس لئے مجھ پر فخر کر رہے ہو کہ تم مسلمان ہو۔ بخدا وہ علوی خاتون جیسے ہی ہمارے گھر میں آئیں ہم سب ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں۔ مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا هٰذَا الْقَصْرُ لَكَ وَلِاَ هْلِكَ بِمَا فَعَلْتَ مَعَ الْعَلَوِیَّةِ وَاَنْتُمْ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ چونکہ تم نے اس علوی خاتون کی تعظیم و تکریم کی ہے اس

لئے یہ محل تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے ہے اور تم جنتی ہو۔

(برکات آلِ رسول ص ۲۶۷)

سیّدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سیّد شریف نے حضرت خطاب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بیان کیا کہ کاشف البحیرہ نے ایک سیّد کو مارا تو اسی رات خواب میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حال میں زیارت ہوئی کہ آپ اس سے اعراض فرما رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا کیا گناہ ہے؟ فرمایا تَضْرِبُنِیْ وَاَنَا شَفِیْعُكَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ تو مجھے مارتا ہے حالانکہ میں قیامت کے دن تیرا شفیع ہوں۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو مارا ہو۔ آپ نے فرمایا اَمَا ضَرَبْتَ وَلَدِیْ۔ کیا تو نے میری اولاد کو نہیں مارا؟ اس نے عرض کیا ہاں فرمایا مَا وَقَعَتْ ضَرْبَتُكَ اِلَّا عَلٰی ذِرَاعِیْ ھٰذَا۔ تیری ضرب میری ہی کلائی پر پڑی ہے۔ پھر آپ نے اپنی کلائی نکال کر دکھائی جس پر ورم تھا جیسے کہ شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۶۸)

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھ سے رئیس شمس الدین محمد بن عبداللہ عمری نے بیان کیا کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قاہرہ کے گورنر تھے وہ اپنے نائبوں اور خادموں کے ہمراہ سیّد عبدالرحمٰن طباطبی موذن کے گھر تشریف لے گئے۔ ان سے اجازت طلب کی وہ اپنے گھر سے باہر آئے تو انہیں گورنر کے اپنے یہاں آنے پر سخت حیرت ہوئی۔ وہ انہیں اندر لے گئے۔ ہم بھی ان کے ساتھ اندر چلے گئے اور سیّد عبدالرحمٰن کے سامنے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بیٹھے۔ سب لوگ جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو گورنر نے سیّد صاحب سے کہا کہ حضرت مجھے معاف فرما دیجئے۔ انہوں نے کہا جناب کیا چیز معاف کردوں؟ انہوں نے کہا کل رات میں قلعہ پر گیا اور بادشاہ یعنی ملک ظاہر برقوق کے سامنے بیٹھا تو آپ تشریف لائے اور مجھ سے بلند جگہ پر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے اونچے کیوں بیٹھتے ہیں؟ رات کو میں سویا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: یَا مَحْمُوْدُ تَاْنِفُ اَنْ تَجْلِسَ تَحْتَ وَلَدِیْ۔ محمود! تو اس بات سے عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے بیٹھے۔ یہ سن کر حضرت سیّد عبدالرحمٰن رو پڑے اور کہا جناب میں ایسا کہاں ہوں کہ نبی کریم

ﷺ مجھے یاد فرمائیں۔ یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین بھی رو پڑے اور سب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ سب نے سیّد صاحب سے دعا کی درخواست کی اور واپس آ گئے۔

(برکات آلِ رسول ص ۲۶۹)

تعظیم آلِ رسول ﷺ سے متعلق اعلیٰ حضرت پیشوائے اہل سنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک ایمان افروز واقعہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کے الفاظ میں سماعت فرمائیں۔

امام اہل سنت کی سواری کے لئے پالکی دروازے کے سامنے لگادی گئی تھی۔ سینکڑوں مشتاقانِ دید انتظار میں کھڑے تھے۔ وضو سے فارغ ہوکر کپڑے زیب تن فرمائے۔ عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرۂ انور سے فضل وتقویٰ کی کرن پھوٹ رہی تھی۔ شب بیدار آنکھوں سے فرشتوں کا تقدس برس رہا تھا۔ طلعت جمال کی دلکشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بے خودی کا عالم طاری تھا گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمع فروزاں مسکرا رہی تھی اور عندلیبانِ شوق کی انجمن میں ایک گل رعنا کھلا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا۔ پابوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ آگے پیچھے داہنے بائیں نیازمندوں کی بھیڑ ہمراہ چل رہی تھی۔ پالکی لے کر تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ امام اہل سنت نے آواز دی۔ ”پالکی روک دو۔“

حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی۔ ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ اضطراب کی حالت میں باہر تشریف لائے۔ کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں دریافت کیا ”آپ لوگوں میں کوئی آلِ رسول تو نہیں ہے؟ اپنے جدِ اعلیٰ کا واسطہ۔ سچ بتایئے میرے ایمان کا ذوق لطیف ”تن جاناں“ کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔ اس سوال پر اچانک ان میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ بے نوائی، آشفتہ حالی اور گردش ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان سے کہا ”مزدور سے کام لیا جاتا ہے، ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جدِ اعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔ سمجھ لیجئے کہ میں

اسی چمن کا ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کی مشامِ جاں معطر ہے۔ رگوں کا خون نہیں بدل سکتا۔ اس لئے آلِ رسول ہونے سے انکار نہیں ہے لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے چند مہینے سے آپ کے اس شہر میں آیا ہوں کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے اپنا ذریعہ معاش بنالوں۔ پالکی اٹھانے والے مزدوروں سے رابطہ قائم کرلیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے جھنڈ میں آ کر بیٹھ جاتا ہوں اور شام کو اپنے حصہ کی مزدوری لے کر اپنے بال بچوں میں پہنچ جاتا ہوں"۔

ابھی اس کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی تھی اور وہ برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر التجا کر رہا تھا۔

معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کردو۔ لاعلمی میں خطا سرزد ہوگئی ہے۔ ہائے غضب ہوگیا جن کے کفش پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار نے پوچھ لیا کہ "احمد رضا کیا میرے فرزندوں کا دوش نازنین اسی لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائیں؟ تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگئی؟

آہ! اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جارہا ہے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے بالکل اسی انداز میں وقت کا ایک عظیم المرتبت امام اس کی منت سماجت کرتا رہا اور لوگ پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز تماشا دیکھتے رہے۔

یہاں تک کہ کئی بار زبان سے معاف کردینے کا اقرار کرالینے کے بعد امام اہل سنت نے پھر اپنی ایک آخری التجائے شوق پیش کی۔ چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت وناموس کی قربانی عزیز ہے۔ اس لئے لاشعوری کی اس تقصیر کا کفارہ جبھی ادا ہوگا کہ تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے کاندھے پر اٹھاؤں۔

اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل ہل گئے۔ فوراثر سے فضا میں چیخیں بلند ہوگئیں۔ ہزار انکار کے باجود آخر سیدزادہ کو عشقِ جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

آہ! وہ منظر کتنا رقت انگیز اور دل گداز تھا جب اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں کی قطار سے لگ کر اپنے علم و فضل، جبہ و دستار اور اپنی عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا تھا۔

شوکت عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھروں کے دل پگھل گئے۔ کدورتوں کا غبار چھٹ گیا، غفلتوں کی آنکھ کھل گئی اور دشمنوں کو بھی ماننا پڑا کہ آلِ رسول کے ساتھ جس کے دل کی عقیدت و اخلاص کا یہ عالم ہے رسول کے ساتھ اس کی وارفتگی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ اہل انصاف کو اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہوا کہ نجد سے لے کر سہارنپور تک رسول پاک کے گستاخوں کے خلاف احمد رضا کی برہمی قطعاً حق بجانب ہے۔

صحرائے عشق کے اس روٹھے ہوئے دیوانے کو اب کوئی نہیں منا سکتا۔ وفا پیشہ دل کا یہ غیظ ایمان کا بخشا ہوا ہے نفسانی ہیجان کی پیداوار نہیں۔

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل
گل سے چمن چمن سے صبا اور صبا سے ہم

وصلی اللہ تبارك و تعالٰی وسلم علی النبی الکریم وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ واھل بیتہٖ اجمعین ۔ برحمتك یارحم الراحمین ۔

امیرالمومنین

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علٰی سیّدنا محمد نِ المصطفٰی وعلٰی اٰلہ المجتبٰی واصحابہ سفن النجا ۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ وَکُلًّا وَّعَدَاللّٰہُ الْحُسْنٰی ط (پ۲۷ع۱۷) صدق اللہ العلی العظیم ۔ وصدق رسولہ النبی الکریم ۔ونحن علٰی ذٰلك لمن الشاھدین والشاکرین ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار، مدینہ کے تاجدار، دونوں عالم کے مالک ومختار جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں بلند آواز سے درود وسلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔ صلی اللہ الخ۔

برادرانِ اسلام! انسان کو اپنی جان سے محبت ہوتی ہے۔ بیوی اور بچوں سے پیار ہوتا ہے، ماں باپ کو چاہتا ہے، بھائی اور دیگر عزیز واقارب سے بھی محبت کرتا ہے مگر صرف اسی قسم کی چیزوں سے محبت کرنے والا انسان ہوسکتا ہے، ایم این اے، ایم پی اے اور ایم ایل اے ہوسکتا ہے، وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم ہوسکتا ہے، گورنر اور صدر مملکت ہوسکتا ہے، مگر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ مسلمان ہونے کے لئے ایک اور ذات گرامی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرنی پڑے گی۔ اس لئے کہ:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

سرکار اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی تم میں کا کوئی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۲)

اور حضور اکرم ﷺ کی محبت کے لئے سارے صحابہ کی محبت لازم ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہ حضور کے محبوب ہیں اور محبوب کا محبوب۔ محبوب ہی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص حضور سے محبت کا دعویٰ کرے اور ان کے صحابہ سے محبت نہ کرے وہ جھوٹا ہے نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ (رواہ الترمذی) یعنی میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو' میرے بعد انہیں نشانۂ اعتراض نہ بنانا جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کے سبب ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کے سبب ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ رب العزت کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی گرفت میں لے لے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

دیکھئے حضور نبی کریم ﷺ نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ میری محبت کے سبب میرے صحابہ سے محبت ہوگی اور میرے بغض کے سبب میرے صحابہ سے بغض ہوگا یعنی جو شخص حضور سے محبت رکھتا ہے وہ ان کے صحابہ سے ضرور محبت کرے گا اور جو شخص صحابہ سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ حضور سے بغض وعداوت کے سبب ان سے بغض وعداوت رکھتا ہے۔ لہٰذا حدیث شریف نے فیصلہ کردیا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر ان کے صحابہ سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ سے اس کا بغض وعناد حضور سے بغض وعناد کے سبب ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

بعض لوگ جو حضور نبی کریم ﷺ سے محبت کے دعویدار ہیں وہ بہت سے صحابہ کرام

خصوصاً امیرالمؤمنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض وعناد رکھتے ہیں، کھلم کھلا ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں اور ان کو نشانہ اعتراض بناتے ہیں۔ اس لئے آج کی مجلس میں ہم ان کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالیں گے۔ ان کے فضائل ومناقب بیان کریں گے اور ان پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات بھی دیں گے۔

نام ونسب:

آپ کا نام معاویہ اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ معاویہ بن ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور ماں کی طرف سے نسب یوں ہے معاویہ بن ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور عبد مناف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے دادا ہیں۔ اس لئے کہ حضور کا سلسلہ نسب یہ ہے ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والد کی طرف سے پانچویں پشت میں اور ماں کی طرف سے بھی پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں آپ کے چوتھے دادا عبد مناف سے مل جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ آپ نسب کے لحاظ سے حضور کے قریبی اہل قرابت میں سے ہیں اور رشتے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی سالے ہیں۔ اس لئے کہ ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما جو حضور کی زوجہ مطہرہ ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔ اسی لئے عارف باللہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی شریف میں آپ کو تمام مومنوں کا ماموں تحریر فرمایا ہے۔

آپ کا قبول اسلام:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کب اسلام قبول کیا؟ اس کے بارے میں حضرت مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ خاص صلح حدیبیہ کے دن ۶ ہجری میں اسلام لائے مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رہے۔ پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے انہوں نے ظہور ایمان کے لحاظ سے کہا ہے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ در پردہ جنگ بدر کے دن ہی ایمان

لا چکے تھے مگر احتیاطاً اپنا ایمان چھپائے رہے اور فتح مکہ میں ظاہر فرمایا تو لوگوں نے انہیں بھی فتح مکہ کے مومنوں میں شمار کر دیا حالانکہ آپ قدیم الاسلام تھے بلکہ بدر میں بھی کفار مکہ کے ساتھ مجبوراً تشریف لائے تھے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان عباس کو قتل نہ کرے وہ مجبوراً لائے گئے ہیں۔

امیر معاویہ کے حدیبیہ میں ایمان لانے کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد نے امام باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہم سے روایت فرمایا کہ امام باقر سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان سے امیر معاویہ نے فرمایا کہ میں نے حضور کے احرام سے فارغ ہوتے وقت حضور کے سر شریف کے بال مروہ پہاڑ کے پاس کاٹے۔

نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس عبداللہ بن عباس سے روایت فرمائی کہ حضور کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہ ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرہ قضا میں واقع ہوئی جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد ۷ ہجری میں ہوا کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ نے قران کیا تھا اور قارن مروہ پر حجامت نہیں کراتے بلکہ منیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو کراتے ہیں۔ نیز حضور ﷺ نے حج وداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈایا تھا ابوطلحہ نے حجامت کی تھی تو لامحالہ امیر معاویہ کا یہ حضور کے شریف کے بال تراشنا عمرہ قضا میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ (امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۷)

آپ کی والدہ کا عجیب وغریب واقعہ:

خرائطی نے ہواتف میں حمید بن وہب کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ فاکہ بن مغیرہ قریشی کے نکاح میں ایک عورت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ تھی۔ فاکہ نے اٹھنے بیٹھنے کے لئے ایک نشست گاہ بنوا رکھی تھی۔ اس نشست گاہ میں آنے جانے کی کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ اتفاقاً ایک روز فاکہ اور اس کی بیوی ہند اس نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی ضرورت سے کچھ دیر کے بعد فاکہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ہند اکیلی رہ گئی۔ اچانک اس وقت ایک شخص آیا اور بیٹھک میں داخل ہوا لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہاں تنہا ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے

تو وہ فوراً پلٹ پڑا۔ اس کے پلٹتے وقت فاکہ باہر سے واپس آ گیا اور اس نے مرد کو باہر نکلتے دیکھ لیا تو فاکہ ہند کے پاس آیا اور غصے سے اس کو ٹھوکریں مار کر پوچھا کہ تیرے پاس یہ کون مرد آیا تھا؟ ہند نے کہا میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا ہاں تمہارے کہنے سے مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی آیا تھا لیکن فوراً واپس ہو گیا۔ فاکہ نے کہا کہ تو میرے گھر سے نکل جا اور اپنے ماں باپ کے پاس چلی جا کہ تو میرے لائق نہیں ہے۔ ہند اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئی لیکن لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوا۔ ہند کے باپ نے ایک روز اس سے کہا کہ لوگ تجھے ہر طرف مطعون کرتے ہیں تو مجھے سچی بات بتا دے۔ اگر تیرا خاوند سچا ہے تو میں اس کو کسی شخص کے ذریعہ قتل کرادوں گا تاکہ لوگ اس طعنہ سے باز آ جائیں۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو چلو یہ معاملہ یمن کے کسی کاہن کے پاس پیش کریں۔ یہ سن کر ہند نے اپنی پاکدامنی پر اس طرح قسمیں کھانی شروع کر دیں جیسا کہ عہد جاہلیت میں دستور تھا۔

جب ہند کے والد عتبہ کو یقین ہو گیا کہ ہند سچ کہہ رہی ہے تو اس نے فاکہ کو مجبور کیا کہ چونکہ تم نے میری بیٹی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس لئے تم اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر یمن کے کسی کاہن کے پاس چلو۔ چنانچہ فاکہ بنو مخزوم کو اور عتبہ بنو عبد مناف کو لے کر یمن کی جانب روانہ ہوئے۔ ہند کے ساتھ اس کی کئی سہیلیاں بھی موجود تھیں۔ جب قافلہ یمن کے قریب پہنچا تو ہند کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ حال دیکھ کر اس کے باپ نے کہا کہ تیرے اس تغیر رنگ سے صاف ظاہر ہے کہ تو گنہگار ہے۔ ہند نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ مجھے ایک ایسے شخص کے پاس لے جا رہے ہیں جس کی بات کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط۔ اگر اس نے بلاوجہ مجھ پر تہمت لگا دی تو پھر میں پورے عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ عتبہ نے کہا کہ میں تیرا معاملہ کاہن کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اس کا امتحان لوں گا۔ چنانچہ کاہن کی سچائی کا امتحان لینے کے لئے اس نے اپنے گھوڑے کے کان میں جانوروں کی وہ بولی بولی جس سے گھوڑا گرما گیا۔ اس وقت عتبہ نے اس کے ذکر کے سوراخ میں گیہوں کا ایک دانہ رکھ کر اوپر چمڑے کی پٹی باندھ دی۔ پھر یہ قافلہ کاہن کے پاس پہنچا۔ اس نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کی تواضع کے لئے اونٹ ذبح

کیا۔ دسترخوان پر عتبہ نے اپنے میزبان کاہن سے کہا کہ ہم آپ کے پاس ایک ضرورت سے آئے ہیں لیکن اس سے پہلے بغرض امتحان ہم نے ایک کام کیا ہے پہلے وہ بتادیجئے۔ پھر ہم اپنا کام آپ کو بتائیں گے۔ نجومی نے کہا: ''نرکل میں گیہوں کا دانہ'' عتبہ نے کہا اس کی وضاحت کیجئے۔ تب کاہن نے کہا تم نے گھوڑے کے ذکر کے سوراخ میں گیہوں کا دانہ رکھا ہے۔ عتبہ نے کہا آپ نے بالکل درست کہا۔ اب اصل معاملہ ان عورتوں کا ہے آپ اس معاملہ میں غور کیجئے۔ وہ ایک عورت کے پاس آیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کھڑی ہو جا پھر اسی طرح دوسری اور تیسری عورت کے پاس آیا یہاں تک کہ ہند کی باری آئی کاہن نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ تو پاک وصاف ہے تو نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور تو ایک بادشاہ جنے گی جس کا نام معاویہ ہوگا۔ یہ سن کر ہند کے شوہر فاکہ نے ہند کا ہاتھ پکڑ لیا مگر ہند نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا کہ مجھ سے دور ہو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر کاہن کی یہ بات سچ ہے کہ میری قسمت میں بادشاہ کی ماں بننا ہے تو وہ تیرے صلب سے نہیں ہوگا۔ الحاصل ہند نے فاکہ کو چھوڑ کر ابوسفیان سے شادی کر لی اور ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۵)

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

برادرانِ اسلام! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔ اور صحابی وہ خوش نصیب مسلمان ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا اور صحابیت وہ درجہ ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی اور غوث وقطب ہو کسی صحابی کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

صحابی کی فضیلت میں بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں جن میں سے چند آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ پ ۲۷ ع ۱۷ میں ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ اللہ تعالیٰ نے سارے صحابہ سے بھلائی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور پ ۱۱ ع ۱ میں ہے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی

ہیں خدائے تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے دریا جاری ہیں وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت بڑی کامیابی ہے اور پ ۲۸ ع ۴ میں ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ وہی لوگ سچے ہیں اور اسی پ ۲۸ ع ۴ میں یہ بھی ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ وہی لوگ کامیاب اور فلاح یافتہ ہیں اور پ ۱۰ ع ۱۵ میں ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے اور پ ۱۸ ع ۹ میں ہے اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وہ ان الزاموں سے بری ہیں جو لوگ کہتے ہیں ان کے لئے بخشش اور اچھی روزی ہے۔

یہ ساری فضیلتیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے قرآن مجید میں وارد ہیں جیسے ہر صحابی رسول کے لئے ثابت ہیں ویسے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ثابت ہیں۔

صحابہ اور احادیث کریمہ:

صحابہ کرام کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ان میں سے چند آپ لوگ ملاحظہ فرمائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اَكْرِمُوْا اَصْحَابِىْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ۔ میرے صحابہ کی عزت کرو اس لئے کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ ۔ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

اور سرکار اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِىْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ اے مسلمانو! تم میرے صحابہ کو گالی نہ دو اور نہ برا بھلا کہو اس لئے کہ تم میں سے اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے کلو اور آدھا کلو گیہوں اور جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

اور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوْهُمْ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّهُمْ۔ صحابہ کو گالی نہ دو اور نہ ان کو برا بھلا کہو جو شخص ان کو گالی دے اور برا بھلا کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

(الشرف المؤبد ص ۱۰۲)

اور حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا میرے لئے اصحاب منتخب فرمائے اور میرے لئے ان میں سے وزراء، انصار اور خسر بنائے فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفاً وَّلَا عَدْلاً۔ (رواہ الطبرانی) یعنی جو شخص انہیں گالی دے اور برا بھلا کہے اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (الشرف المؤبد ص ۱۰۲)

اور رسولِ کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ۔ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہوں اور ان کو برا بھلا کہتے ہوں تو کہو تمہارے شر پر خدا کی لعنت۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

اور پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ فرماتے ہیں اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاَمْسِكُوْا۔ جب میرے صحاب کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ یعنی ان پر نکتہ چینی نہ کرو۔ (الشرف المؤبد ص ۱۰۳)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو گالی نہ دو اس لئے کہ ان کا ایک گھڑی رات میں عبادت کرنا تمہاری تمام زندگی کی عبادت سے بہتر ہے۔

(الشرف المؤبد ص ۱۰۲)

حضورِ اقدس ﷺ کی محبت کے جھوٹے دعویدار جو ان کے محبوب صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں وہ ان احادیث کریمہ سے سبق حاصل کریں۔ اپنی زبانوں کو روکیں اور کسی صحابی کو برا بھلا کہہ کر نبی کریم ﷺ کو ایذا نہ پہنچائیں اور نہ لعنت کے مستحق بنیں۔

صحابہ اور اقوال ائمہ:

برادرانِ ملت! حضرت علامہ علقمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہم پر واجب فرمایا کہ ہم صحابہ کرام کے اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھیں۔ ان کے درمیان جو لڑائیاں اور اختلافات واقع ہوئے جن کے سبب بہت سے صحابہ شہید ہوئے تو یہ

ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا۔ لہٰذا ہم اپنی زبانوں کو ان سے ملوث نہیں کرتے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب اس بارے میں ماجور ہیں کیونکہ ان سے جو کچھ صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد پر مبنی تھا اور ظنی مسئلہ پر مجتہد اگر خطا بھی کرے تو مستحق ثواب ہے۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۷۹)

اور علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ملحد صحابہ کرام کے درپے ہو اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو انعامات عطا فرمائے ہیں ان کا انکار کرے تو یہ اس کی جہالت محرومیت، ناسمجھی اور ایمان کی کمی ہے۔ اس لئے کہ اگر صحابہ کرام میں کوئی عیب پایا جائے تو دین کی بنیاد قائم نہیں رہے گی کیونکہ وہی ہم لوگوں تک دین کے پہنچانے والے ہیں۔ جب ناقلین ہی مجروح ہوگئے تو آیات واحادیث بھی محل طعن بن جائیں گی اور اس میں لوگوں کی تباہی اور دین کی بربادی ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اور مبلغ کی تبلیغ کے صحیح ہونے کے لئے اس کا متقی پرہیزگار اور عادل ہونا ضروری ہے۔

(برکات آلِ رسول ص ۲۸۱)

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں مسلمان پر لازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اہل بیت کا ادب واحترام کرے۔ ان سے راضی ہو۔ ان کے فضائل وحقوق پہچانے اور ان کے اختلافات سے زبان روکے اس لئے کہ ان میں کسی نے بھی ایسے امر کا ارتکاب نہیں کیا جسے وہ حرام سمجھتے ہوں بلکہ اُن میں سے ہر ایک مجتہد ہے۔ پس وہ سب ایسے مجتہد ہیں کہ ان کے لئے ثواب ہے۔ حق تک پہنچنے والے کے لیے دس ثواب اور خطا کرنے والے کے لیے ایک ثواب ہے۔ عقاب، ملامت اور نقص ان سب سے مرفوع ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے ورنہ تو پھسل جائے گا اور تیری ہلاکت وندامت میں کوئی کسر نہ رہ جائے گی۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۸۱)

اور علامہ لقانی رحمۃ اللہ علیہ جوہرہ کی شرح کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان لڑائیوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات مشتبہ تھے۔ ان کے شدید اشتباہ کی بنا پر ان میں اجتہادی اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کی تین قسمیں ہوگئیں۔ ایک قسم پر اجتہاد سے یہ ظاہر ہوا کہ حق اس طرف ہے اور مخالف باغی ہے۔ لہٰذا ان پر واجب تھا کہ ان کے عقیدے میں جو حق پر تھا اس کی امداد کرتے

اور باغی سے جنگ کرتے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس شخص کا یہ حال ہوا سے جائز نہیں کہ اس کے عقیدے میں جو لوگ باغی ہیں ان کے ساتھ جنگ کے موقع پر امام عادل کی امداد سے کنارہ کش ہو۔

دوسری قسم تمام امور میں پہلی قسم کے برعکس تھی تیسری قسم وہ تھی جن پر معاملہ مشتبہ ہوگیا اور وہ حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ ان پر کسی جانب کی ترجیح واضح نہ ہوئی تو وہ دونوں فریقوں سے الگ ہو گئے۔ ان کے لئے یہ علیحدگی ہی واجب تھی۔ اس لئے کہ کسی مسلمان سے جنگ اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ سب معذور اور ماجور ہیں۔ اسی لئے اہل حق اور وہ حضرات جو قابل اعتماد ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ ان کی شہادت اور روایت مقبول ہے۔ (برکاتِ آلِ رسول ص ۲۸۲)

اور علامہ ابن سبکی رحمۃ اللہ علیہ جوامع الجوامع میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو گالی دینے والا خدائے عز وجل اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کس قدر جری ہے اور دین کی کتنی کم پروا کرتا ہے۔ کیا اس خبیث نے' اس پر خدا کی لعنت ہو یہ گمان کیا ہے کہ ایسے حضرات گالی کے مستحق ہیں اور وہ پاک وصاف اور تعریف کا مستحق ہے؟ ہرگز نہیں۔ بخدا اس کے منہ میں پتھر ہونا چاہئے بلکہ جب اس کا یہ گمان ہو کہ یہ حضرات گالی کے مستحق ہیں تو ہمارا عقیدہ اس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ جلائے جانے بلکہ اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

(برکاتِ آلِ رسول ص ۲۸۳)

حدیث شریف میں ہے مَنْ سَبَّ اَصْحَابِی فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اور انہیں برا بھلا کہا اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

اس حدیث شریف کی شرح میں امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان صحابہ کو بھی شامل ہے جو قتل وقتال میں شامل ہوئے اس لئے کہ وہ ان لڑائیوں میں مجتہد اور تاویل کرنے والے ہیں۔ لہٰذا انہیں گالی دینا گناہِ کبیرہ اور ان کو گمراہی یا کفر کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ (برکاتِ آلِ رسول ص ۲۸۳)

اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص حرام ہے اس کا مرتکب ملعون ہے'' امام مالک فرماتے ہیں، جس شخص نے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک گمراہی پر تھا اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے اس کے علاوہ انہیں گالی دی اسے سخت سزا دی جائے گی۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۸۳)

یہاں تک کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ القام الحجر میں اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ کسی بھی صحابی کو گالی دینے والا فاسق ہے اگر اسے وہ حلال نہ جانے اور اگر وہ حلال جانے تو کافر ہے۔ اس لئے کہ اس توہین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ حرام اور فسق ہے اور حرام کو حلال جاننا کفر ہے جبکہ دین میں اس کا حرام ہونا بداہۃً معلوم ہو اور صحابہ کرام کو گالی دینے کی حرمت اسی طرح ہے۔ (برکات آلِ رسول ص ۲۸۲)

اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام امور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور فرماتے ہیں وَالتَّحْقِیْقُ اَنَّھُمْ کُلَّھُمْ عَدُوْلٌ۔ یعنی تحقیق یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ساری جنگیں اور اختلافات تاویل پر مبنی ہیں۔ ان کے سبب کوئی بھی عدالت سے خارج نہیں اس لئے کہ وہ مجتہد ہیں۔ (الشرف المؤبد ص ۱۰۴)

برادرانِ اسلام! یہ ائمہ کرام وعلمائے عظام جو آسمان ہدایت کے آفتاب و ماہتاب اور دین کے ستون ہیں ان کے ارشادات اور ان کی نصیحتوں پر عمل کرو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے صحابی کو برا بھلا کہہ کر فاسق و فاجر مرتکب حرام اور مستحق سزا نہ بنو اور نہ اپنی عاقبت برباد کرو۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت اور قرابت کے علاوہ اور بھی بہت سی فضیلتیں ثابت ہیں جن میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث کریمہ وارد ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ

وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ۔ (رواہ احمد فی مسندہ) یعنی اے اللہ! تو معاویہ کو کتاب (قرآن کریم) اور حساب کا علم عطا فرما اور انہیں عذاب سے بچا۔

(الناہیہ ص ۱۴ تصنیف عارف باللہ حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی مولف نبراس شرح شرح العقائد النسفی)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابو عمیرہ صحابی مدنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًّا وَاهْدِبِهِ النَّاسَ ۔ (رواہ الترمذی) اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنادے۔ یعنی ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنادے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۹)

اور خدائے عزوجل اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے تو ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہادی بھی ہوئے اور مہدی بھی اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت بھی ہوئی تو ایسی ذات کو برا بھلا کہنا یقیناً اللہ و رسول کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔

اور ابن ابی شیبہ مصنف میں و طبرانی معجم کبیر میں عبدالملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا يَـا مُـعٰـوِيَةُ اِذَا مَلَكْتَ فَاَحْسِنْ ۔ اے معاویہ! تم بادشاہ ہو جاؤ تو لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲)

انتباہ:

عوام میں جو مشہور ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو کندھے پر لئے جارہے ہیں تو حضور نے فرمایا جنتی جہنمی کو لئے جارہے ہیں۔" یہ صحیح نہیں اس لئے کہ یزید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے تقریباً ۱۵ سال بعد ۲۵ ہجری میں پیدا ہوا۔ (سوانح کربلا)

۲- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے اور کاتب خطوط بھی۔ امام مفتی حرمین احمد بن عبداللہ بن محمد طبری خلاصۃ السیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ کاتب تھے۔ خلفائے اربعہ، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، ابی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید بن العاص، حنظلہ بن ربیع اسلمی، زید بن ثابت، شرحبیل بن حسنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔ لیکن ان لوگوں میں حضرت

امیر معاویہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما اس خدمت کو زیادہ انجام دیتے تھے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہے۔ (الناہیہ ص ۱۶)

۳۔ حضرت ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) تو حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا غُبَارٌ دَخَلَ فِیْ اَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِیَۃَ حِیْنَ غَزَافِیْ رِکَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ مِنْ کَذَا عُمَرَبْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ ایسے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ (الناہیہ ص ۱۶)

برادرانِ اسلام! حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ ہیں کہ جن کو امام الہدیٰ کہا جاتا ہے۔ خلفائے راشدین میں پانچویں خلیفہ کی حیثیت سے ان کو شمار کیا جاتا ہے اور جن کی زیارت کے لئے حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے مگر حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے امام وقت جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کے غبار کو بھی ان سے افضل بتاتے ہیں تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا مگر افسوس کہ آج کل وہ لوگ جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل بنتے ہیں بلکہ ان کی ذات پر سب و شتم اور لعن و طعن بھی کرتے ہیں۔ العیاذ اللہ تعالیٰ۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علامہ معافی بن عمران علیہ الرحمۃ والرضوان سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت معاویہ سے افضل ہیں۔ یہ سنتے ہی علامہ ابن عمران غضبناک ہو گئے اور فرمایا: لَا یُقَاسُ اَحَدٌ بِاَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ مُعَاوِیَۃُ صَاحِبُہٗ وَصِھْرُہٗ وَکَاتِبُہٗ وَاَمِیْنُہٗ عَلٰی وَحْیِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔ حضرت معاویہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، ان کے سالے، ان کے کاتب اور خدائے عزوجل کی وحی پر نبی کریم کے امین ہیں (الناہیہ ص ۱۷)۔

۴۔حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے۔(احکام شریعت ص۱۰۲ج۱)

۵۔صحابہ کرام، محدثین عظام اور علمائے اسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں باوجودیکہ وہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل و مناقب سے خوب واقف تھے اور ان کے مابین جو واقعات رونما ہوئے انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے کہا کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جبکہ فلاں مسئلہ میں انہوں نے یوں کیا۔تو آپ نے فرمایا اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ انہوں نے ٹھیک کیا بیشک وہ فقیہ ہیں۔(مشکوٰۃ ص۱۱۲)

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں وہ ثواب پائیں گے اگرچہ خطا کریں۔
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۶۰ج۲)

برادران ملت! دیکھئے رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو اجلہ صحابہ میں سے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایسے خاص ہیں کہ ان کے دشمن پر بہت سخت ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو فقیہ و مجتہد مانتے ہیں تو کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو جلیل القدر صحابی رسول کے نقش قدم کو چھوڑ کر شیطان کی اتباع کرتے ہیں یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بیجا کلمات بولتے ہیں اور ان کی توہین و تنقیص کرتے ہیں۔العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور حضرت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں مُعَاوِيَةُ ذُوالْمَنَاقِبِ الْجَمَّةِ ۔ حضرت امیر معاویہ بڑے مناقب اور بڑی خوبیوں والے ہیں۔(الناہیہ ص۱۷)

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اَمَّا مُعَاوِيَةُ فَهُوَ مِنَ الْعُدُوْلِ الْفُضَلَاءِ وَالصَّحَابَةِ الْاَخْيَارِ۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعدل فضلا اور بہترین صحابہ میں سے

ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۵۱۷ ج ۲)

اسی لئے تمام محدثین کرام حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے جس طرح دوسرے صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ کے نام کے ساتھ بھی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

۶۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متقی، عادل اور ثقہ ہیں۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سائب بن یزید، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت ابو سعید خدری جیسے فقیہ و مجتہدین صحابہ نے آپ سے حدیثیں روایت کیں۔ اسی طرح حضرت جبیر، حضرت ابوادریس خولانی، حضرت سعید بن میسّب، حضرت خالد بن معدان، حضرت ابوصالح سمان، حضرت ہمام بن عتبہ اور حضرت قیس بن ابوحازم جیسے جلیل القدر تابعین فقہا اور علماء نے آپ سے حدیثوں کی روایتیں لیں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں مکروفریب اور فسق وفجور ہوتا جیسا کہ آج کل بعض جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے تو یہ بڑے بڑے صحابہ و تابعین حضرات ان سے حدیثوں کی روایتیں ہرگز قبول نہ کرتے۔

۷۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور طبرانی وغیرہ محدثین کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کو قبول کیا اور اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا۔ ان میں خاص کر امام بخاری اور امام مسلم ایسی ہی ہستیاں ہیں کہ اگر کسی راوی میں ذرا بھی عیب پایا تو اس کی روایت لینے سے انکار کر دیا۔ تو ان بزرگوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کا قبول کر لینا بانگِ دہل اعلان کر رہا ہے کہ ان سب کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متقی، عادل اور ثقہ قابل روایت ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اختلاف کے سبب مرتبہ عدالت سے ساقط نہیں ہیں ورنہ یہ حضرات ان کی روایتیں ہرگز قبول نہ فرماتے۔

۸۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا اور معزول نہ فرمایا جبکہ آپ حاکموں کے حالات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اور ذرا سی لغزش پر معزول فرما دیتے تھے جیسے کہ معمولی شکایت پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسی بزرگ ہستی کو معزول فرما دیا۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر آدمی کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر فرمانا اور اپنی ظاہری حیات کے آخری لمحات تک اس اہم عہدے پر انہیں برقرار رکھنا حضرت امیر معاویہ کی عظمت و رفعت اور ان کی امانت و دیانت کا کھلم کھلا اقرار و اعلان ہے۔

۹۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ۶ ماہ امور خلافت انجام دینے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر ان کے سالانہ وظیفے اور نذرانے قبول فرمائے۔ قسم ہے وحدہ لاشریک کی اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پرست ہوتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سر کٹا دیتے مگر ان کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیتے۔ اس لئے کہ:

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس فعل مبارک کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ میرا بیٹا یہ سردار ہے امید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری ص ۵۳۰ ج ۱)

اب اگر کوئی بدبخت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نااہل قرار دے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر الزام آجائے گا کہ آپ نے نااہل کو خلافت کیوں سپرد کی اور امت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں کیوں دی؟ جبکہ یہ سپردگی قلت و ذلت کی وجہ سے نہیں تھی اس لئے کہ چالیس ہزار سپاہی جان قربان کرنے کی بیعت آپ کے ہاتھ پر کر چکے تھے۔

(حاشیہ بخاری ص ۵۳۰ ج ۱)

آپ کی سخاوت:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سخاوت کا وصف بہت ممتاز تھا۔ آپ لوگوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام سے نوازتے تھے خصوصاً حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں گرانقدر نذرانے پیش کرتے تھے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ شریف کی شرح میں حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ سے کہا اَلُاُجِیْزَنَّكَ بِجَائِزَةٍ لَّمْ اُجِزْبِهَا اَحَدًا قَبْلَكَ وَلَا اُجِیْزُبِهَا اَحَدًا بَعْدَكَ ۔ میں آپ کی خدمت میں اتنی نذر پیش کروں گا کہ اس سے پہلے کسی کو اتنی نذر نہیں دی ہے اور نہ آئندہ کسی دوسرے کو دوں گا۔ پھر انہوں نے چار لاکھ درہم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا جنہیں آپ نے قبول فرمایا۔ (النا ہیہ ص ۲۷)

برادرانِ اسلام! ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوا کرتا تھا چار لاکھ درہم کی کتنی چاندی ہوئی اور موجودہ بھاؤ سے اس کا کتنا روپیہ ہوا آپ لوگ بآسانی جوڑ سکتے ہیں۔ اتنی بڑی رقم اِس افراط زر کے زمانہ میں ہوسکتا ہے بعض لوگوں کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہ رکھتی ہو لیکن اُس زمانہ میں جبکہ ایک پیسہ بڑی محنت کرنے کے بعد ملتا تھا چار لاکھ درہم بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

ابن عساکر کی روایت ہے کہ جنگ صفین کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل نے آپ سے کچھ روپیہ طلب کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا۔ انہوں نے کہا آپ اجازت دیجئے کہ میں امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس چلا جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ۔ جب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے آپ کی بڑی عزت کی اور ایک لاکھ درہم نذرانہ پیش کیا۔ (الصواعق المحرقہ ص ۸۱)

علامہ محمد بن محمود آملی اپنی کتاب نفائس الفنون میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا مَنْ اَنْشَاءَ شِعْرًا فِیْ مَدْحِ عَلِیٍّ کَمَا یَلِیْقُ بِهٖ اَعْطَیْتُهٗ بِکُلِّ بَیْتٍ اَلْفَ دِیْنَارٍ ۔ جو شخص حضرت علی کی تعریف میں ان کی شان کے لائق شعر کہے گا تو میں اسے فی شعر ایک لاکھ دینار دوں گا۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا تھا۔ حاضرین شعراء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اشعار کہے اور خوب انعام لئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر شعر پر فرماتے تھے عَلِیٌّ اَفْضَلُ مِنْهُ ۔ علی اس سے بھی افضل ہیں۔ یہاں تک کہ اسی مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں عمرو بن عاص شاعر کا ایک شعر آپ کو اتنا زیادہ پسند آیا کہ ایک ہی شعر پر اس کو سات ہزار دینار دیئے۔

(النا ہیہ ص ۲۹)

ان واقعات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے مثل سخاوت کے ساتھ یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والوں کی آپ کے دل میں بڑی عزت تھی۔

طیوریات میں سلیمان مخزومی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربار عام کیا اور جب تمام لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے کسی عربی شاعر کے ایسے تین اشعار کوئی سنائے جن میں یہ خوبی ہو کہ ہر شعر کا مطلب اسی شعر میں پورا ہوجاتا ہو۔ لوگ یہ سن کر خاموش رہے اتنے میں حضرت ابوخبیب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آ گئے۔ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا لیجئے عرب کے بسیار گو اور فصیح شخص آ گئے پھر آپ نے کہا اے ابوخبیب! میں اس خوبی کے تین اشعار سننا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں سناؤں گا لیکن ہر شعر کے بدلے ایک لاکھ درہم لوں گا۔ آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے پڑھو۔ تو عبداللہ بن زبیر نے یہ اشعار پڑھے:

بَلَوْتُ النَّاسَ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ   فَلَمْ اَرَ غَيْرَ خَتَّالٍ وَّقَالٍ

میں نے یکے بعد دیگرے بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں کی ہیں لیکن میں نے سوائے غدار و مکار اور دشمنی کرنے والے کے کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا سچ ہے اب دوسرا شعر پڑھو۔ حضرت ابوخبیب نے دوسرا شعر پڑھا:

وَلَمْ اَرَ فِي الْخُطُوْبِ اَشَدَّ وَقْعًا   وَاَصْعَبَ مِنْ مُّعَادَاتِ الرِّجَالِ

میں نے حوادث اور صعوبات زمانہ میں لوگوں کی دشمنی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔

آپ نے فرمایا سچ ہے۔ پھر تیسرا شعر پڑھنے کے لئے کہا تو حضرت عبداللہ بن زبیر نے تیسرا شعر یہ پڑھا:

وَذُقْتُ مَرَارَةَ الْاَشْيَاءِ طُرًّا   فَمَا طَعْمٌ اَمَرُّ مِنَ السُّؤَالِ

میں نے ہر چیز کی تلخی کو چکھا ہے مگر کسی چیز کے مانگنے کی تلخی سے زیادہ کوئی چیز تلخ نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بالکل سچ ہے۔ پھر وعدہ کے مطابق حضرت ابوخبیب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تین لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۸)

آپ حاکم کیسے بنے؟:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے حاکم یوں ہوئے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارکہ میں ملک شام فتح ہوا تو آپ نے دمشق کا حاکم حضرت امیر معاویہ کے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیان کو مقرر فرمایا۔ اتفاق سے اپنے بھائی کے ساتھ حضرت امیر معاویہ بھی ملک شام گئے تھے جو انہیں کے پاس رہ گئے تھے۔ جب حضرت یزید بن ابوسفیان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کر دیا۔ یہ تقرر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔ آپ نے ان کے تقرر کو برقرار رکھا اور پورے عہد فاروقی میں وہ دمشق کے حاکم رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ کو پورے ملک شام کا حاکم بنا دیا۔ اس طرح آپ نے عہد فاروقی و عثمانی میں بحیثیت حاکم بیس سال حکومت کی اور پھر بعد میں بحیثیت خلیفہ بیس سال حکمران رہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲)

آپ کی آخری وصیت:

علامہ ابواسحاق اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یزید نے پوچھا کہ ابا جان! آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا خلیفہ تو تو ہی بنے گا مگر جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سن۔ کوئی کام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بغیر مت کرنا۔ انہیں کھلائے بغیر نہ کھانا۔ انہیں پلائے بغیر نہ پینا۔ سب سے پہلے ان پر خرچ کرنا، پھر کسی اور پر۔ پہلے انہیں پہنانا پھر خود پہننا۔ میں تجھے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)، ان کے گھر والوں اور ان کے کنبے بلکہ سارے بنی ہاشم کے لئے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ اے بیٹے! خلافت میں ہمارا حق نہیں وہ امام حسین، ان کے والد حضرت علی اور ان کے اہل بیت کا حق ہے۔ تم چند روز خلیفہ رہنا پھر حضرت امام حسین پورے کمال کو پہنچ جائیں تو پھر وہی خلیفہ ہوں گے یا جسے وہ چاہیں تاکہ خلافت اپنی جگہ پہنچ جائے ہم سب امام حسین اور ان کے نانا کے غلام ہیں انہیں ناراض نہ کرنا ورنہ تجھ پر اللہ و رسول ناراض ہوں گے تو پھر تیری شفاعت کون کرے گا۔

(امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۹۴)

آپ کی وفات:

علامہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ماہ رجب ۶۰ھ میں لقوہ کی بیماری سے مقام دمشق میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔ (اکمال فی اسماء الرجال)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرض وفات میں بار بار فرماتے تھے یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ رَجُلًا مِّنْ قُرَیْشٍ بِذِیْ طُوٰی وَلَمْ اَرَمِنْ هٰذَا الْاَمْرِ شَیْاءً ۔ یعنی اے کاش! میں قریش کا ایک معمولی انسان ہوتا جو ذی طویٰ گاؤں میں رہتا اور ان جھگڑوں میں نہ پڑتا جن میں پڑ گیا اور بوقت وفات آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی حضور کی چادر اور کرتا مبارک ہے کچھ ان کے بال اور ناخن اقدس کے تراشے ہیں۔ مجھے کفن میں حضور کا کرتا پہنایا جائے حضور کی چادر میں لپیٹا جائے، حضور کی لنگی مجھے باندھ دی جائے اور میرے ان اعضا پر جن سے سجدہ کیا جاتا ہے حضور کے موئے مبارک اور تراشہ ناخن اقدس رکھ دیئے جائیں اور مجھے ارحم الراحمین کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۶۲۸ ج ۵)

آپ کی کرامتیں:

حضرات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صاحب کرامت صحابی ہیں۔ چنانچہ کتاب تطہیر الجنان میں فرمایا سند صحیح سے روایت ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مکہ والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تو وہاں کبھی خلافت نہ ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی اور مدینہ منورہ میں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو وہاں سے خلافت نکل گئی۔ اب کبھی وہاں خلافت نہ ہوگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اتنا زمانہ گزر گیا مگر آج تک حرمین شریفین دارالخلافہ نہ بنے۔ مکہ معظمہ میں اگرچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا مگر وہ صرف خلافت کی صورت تھی حقیقت میں خلافت نہ تھی لیکن مدینہ منورہ میں آج تک صورۃً بھی خلافت نہ ہوئی کہ حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور ان کے

بعد کسی خلیفہ نے مدینہ منورہ کو دارالخلافہ نہیں بنایا اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کھلی ہوئی کرامت ہے۔ (امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۷۲)

اور آپ کی دوسری کرامت یہ ہے کہ جب آپ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو دعا فرمائی اے مولیٰ تعالیٰ! اگر یزید اس کا اہل نہ ہو تو اس کی سلطنت کو کامل نہ فرما۔ چنانچہ آپ کی دعا کے مطابق ہی ہوا کہ یزید پلید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد تین سال کچھ ماہ زندہ رہا مگر اس کی سلطنت پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ (امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۷۲)

اور آپ کی ایک کرامت وہ ہے جسے عارف باللہ مولانا جلال الدین محمد رومی قدس سرہ نے اپنی مثنوی شریف کے دفتر دوم میں تحریر فرمایا ہے۔

در خبر آمد کہ خالِ موناں بود اندر قصر خود خفتہ شباں

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومنوں کے ماموں یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے محل میں سوئے ہوئے تھے۔

ناگہاں مردے ورا بیدار کرد چشم چوں بکشاد پنہاں گشت مرد

اچانک ایک شخص نے ان کو بیدار کیا جب آپ کی آنکھ کھلی تو وہ چھپ گیا۔ پھر آپ نے پورے کمرہ میں غور سے نظر ڈالی تو دیکھا کوئی پردے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے۔

گفت ہی تو کیستی نام تو چیست گفت نامم فاش ابلیس شقی ست

آپ نے فرمایا اے چھپنے والے! تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا ظاہر نام ابلیس شقی ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے مجھے کیوں بیدار کیا؟

گفت ہنگام نماز آخر رسید سوئے مسجد زودمی بایددوید

ابلیس نے کہا کہ نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے آپ کو مسجد میں بہت جلد جانا چاہیے۔

آپ نے فرمایا کہ تو کسی مسلمان کو بھلائی کی طرف ہرگز نہیں بلا سکتا۔ یقیناً تیری غرض کوئی اور ہوگی۔ اس نے کہا اس کے علاوہ میری کوئی غرض نہیں ہے۔ میں ہمیشہ اچھے لوگوں کو بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں اور برے لوگوں کی بھی پیشوائی کرتا ہوں۔

باغبانم شاخ تری پرورم شاخہائے خشک راہم می برم

میں باغبان ہوں، ہری شاخوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں اور سوکھی ٹہنیوں کو کاٹتا ہوں۔

گر ترا بیدار کردم بہر دیں خوئے اصل من ہمین ست وہمیں

اگر میں نے آپ کو دین کے لئے بیدار کیا تو آپ تعجب نہ کریں میری پرانی اور خاص عادت یہی ہے۔

آپ نے فرمایا اے مکار! تو اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرے، یہ سب فریب کی باتیں ہیں۔ سچ بتا کہ تو نے ہمیں بیدار کیوں کیا؟ جب تک تو سچی بات نہیں بتائے گا میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ آخر ابلیس سچی بات بتانے پر مجبور ہو گیا۔

از بنِ دنداں بگفتش اے فلاں کردمت بیدار من از بہر آں

دبی زبان سے اس نے کہا اے امیر معاویہ! بیدار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ:

تارسی اندر جماعت در نماز از پئے پیغمبر دولت فراز

آپ پیغمبر اسلام ﷺ کے پیچھے نماز باجماعت ادا فرمالیں۔

گر نمازت فوت می شد ایں زماں می زدی از دودِ دل آہ وفغاں

کیونکہ اس وقت اگر نماز قضا ہو جاتی تو آپ دل سے آہ و بکا کرتے۔

آں تاسف واں فغان وآں نیاز درگزشتی از دو صد رکعت نماز

اس افسوس کرنے، رونے اور عاجزی کرنے سے آپ کو دوسو رکعت سے زیادہ کا ثواب مل جاتا اور زیادہ ثواب ملنے سے مجھے تکلیف ہوتی۔ اس لئے میں نے آپ کو بیدار کر دیا۔

من حسودم از حسد کردم چنیں من عدوّم کار من مکر ست وکیں

میں حاسد ہوں، حسد سے میں نے ایسا کام کیا تاکہ ثواب زیادہ نہ ملنے پائے۔ میں آپ کا دشمن ہوں میرا کام مکاری اور فریب ہے۔

گفت اکنوں راست گفتی صادقی از تو ایں آید تو ایں را لائقی

آپ نے فرمایا اب تو نے سچ کہا اور اپنے اس بیان میں تو سچا ہے۔ تجھ سے یہی ہوگا اور تو اسی لائق ہے۔ ابلیس جو کسی کے قبضہ میں نہیں آتا وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت سے نہیں نکل سکا۔ اور نہ ان کو فریب دے سکا۔ یہ آپ کی واضح کرامت ہے۔

آپ پر کئے گئے اعتراضات اوران کے جوابات

برادرانِ اسلام! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کچھ لوگ اعتراضات کرتے ہیں ہم ان کے اعتراضات کونقل کرنے کے بعد اپنے مدلل جوابات پیش کریں گے۔ آپ لوگ بغور سماعت فرمائیں۔

پہلا اعتراض:

یہ ہے کہ امیر معاویہ نے ہزاروں مسلمانوں کوقتل کیا اور کرایا اگر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرتے تو مسلمانوں کا اتنا قتل نہ ہوتا اور مومن کوقتل کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ (پ۵ع۱۰)

جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کرقتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب اور لعنت فرمائے گا اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لہٰذا امیر معاویہ اس آیت کے احکام میں داخل ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو ہیں: اوّل الزامی اور وہ یہ ہے کہ پھر تو حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم پر بھی یہ الزام عائد ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی جس میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ جنت کا ہونا۔ اس لئے کہ ان کے جنتی ہونے پر قرآن کی آیت شاہد ہے اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی قطعاً جنتی ہیں اس لئے کہ یہ دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب تحقیقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مومن کے قتل کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے قتل کو حلال سمجھے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ مومن کا قتل حرام قطعی ہے اور حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے اور آیت کریمہ میں قتل کی یہی صورت مراد ہے۔ اس

لئے کہ کفر والا ہی جہنم میں ہمیشہ رہے گا نہ کہ ایمان والا۔ دوسرے یہ کہ مومن کے قتل کو حلال نہیں سمجھتا مگر دنیاوی جھگڑے میں اسے قتل کر دیا۔ یہ کفر نہیں ہے بلکہ فسق اور گناہ کبیرہ ہے جیسے حلال نہ سمجھتے ہوئے شراب پینا اور نماز کا قصداً ترک کرنا۔ اور تیسری صورت خطائے اجتہادی سے ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا۔ یہ نہ کفر ہے نہ فسق اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ اسی تیسری قسم میں داخل ہے۔ آپ مجتہد تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان سے پہلے معلوم ہو چکا ہے اور مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطا کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اگر ہمارا یہ جواب معترض کو تسلیم نہیں تو پھر یہی اعتراض حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی ہوگا کہ انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں بے شمار مومنوں کو قتل کیا اور کرایا۔ خدائے عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا اعتراض:

یہ کیا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے دل میں اہل بیت سے دشمنی تھی اس لئے انہوں نے اہل بیت کو ستایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے علی کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل بیت سے جنگ کی اور حضور نے فرمایا ہے جس نے ان سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والا مومن کب ہو سکتا ہے۔

جواب:

اس اعتراض کے بھی دو ہیں۔ اول الزامی اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم پر بھی یہی اعتراض وارد ہوگا کہ ان حضرات نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے بلکہ کوئی مخالف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی کہہ سکتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے بغض و عداوت تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ **مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ** یعنی جس نے صحابہ سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے سبب ان

سے بغض رکھا۔ غرضکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس قسم کا اعتراض کرنے سے بہت سے صحابہ اور اہل بیت پر اعتراض وارد ہوگا۔ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

اب اس اعتراض کا دوسرا جواب تحقیقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مخالفت اہل بیت کی تین قسمیں ہیں۔ اول حضور کے اہل بیت ہونے کی بنیاد پر ان سے جلنا اور یہ کفر ہے۔ کیونکہ اس بنیاد پر ان سے جلنا حضور سے دشمنی کی خبر دیتا ہے جو کفر ہے۔ دوسرے کسی دنیاوی وجہ سے ناراض ہونا اگر اس میں نفسانیت شامل ہے تو گناہ ہے ورنہ نہیں۔ جیسے کہ حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے مابین خانگی معاملات میں بارہا شکر رنجی ہوئی ہے۔ تیسرے خطائے اجتہادی کی بنیاد پر اہلِ بیت سے نااتفاقی ہو جائے یہ نہ کفر ہے اور نہ گناہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی تمام جنگیں اسی تیسری قسم کی تھیں۔ ان سب کے سینے ایک دوسرے کے کینے سے پاک تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا اِسْأَلْ عَنْهَا عَلِيًّا فَهُوَ اَعْلَمُ ۔ اس مسئلہ کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے پوچھو کہ وہ بڑے عالم ہیں۔ اس نے کہا آپ ہی مسئلہ بتا دیں کہ آپ کا جواب مجھے ان کے جواب سے زیادہ پسند ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ کیا تو ان سے نفرت کرتا ہے جن کی عزت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جن سے حضور نے فرمایا اَنْتَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ۔ یعنی اے علی! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسئلہ پوچھنے والے! سن۔ حضرت علی کی عصمت کا یہ حال ہے کہ جب حضرت عمر فاروق کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضرت علی سے حل کراتے تھے۔ اتنا فرمانے کے بعد آپ نے اس سے فرمایا: قُمْ لَا اَقَامَ اللّٰهُ رِجْلَيْكَ تو میرے پاس سے اٹھ جا اللہ تعالیٰ تیرے پیروں کو قیام نصیب نہ فرمائے۔ وہ شخص آپ کے یہاں سے وظیفہ پاتا تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اس بے ادبی کے سبب آپ نے اس کا نام

وظیفہ پانے والے رجسٹر سے خارج کروادیا۔ (الناہیہ ص ۲۷)

اور محمد بن محمود آملی نے نفائس الفنون میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا علی شیر تھے۔ علی چودھویں رات کا چاند تھے اور علی رحمت خدا کی بارش تھے۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا علی؟ تو آپ نے فرمایا خُطُوطٌ مِّنْ عَلِيٍّ خَيْرٌ مِّنْ اٰلِ اَبِیْ سُفْيَانَ ۔ علی کے نقش قدم ابوسفیان کی آل سے بہتر ہیں۔ (الناہیہ ص ۲۸)

اور شیخ نورالحق، بخاری شریف کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے ان کی لاش کو دیکھا تو حضرت علی اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ (الناہیہ ص ۱۲)

اور علامہ فرہاروی مولف نبراس لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ جمل سے الگ ہوکر نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی عمرو بن جرموز نے ان کو شہید کردیا اور جب ان کی تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ ۔ ابن صفیہ یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دے دو۔ یہ سن کر عمرو بن جرموز نے کہا اے علی! آپ کا معاملہ عجیب ہے۔ اگر ہم آپ سے لڑیں تو جہنمی اور آپ کی طرف سے لڑیں تو جہنمی۔ یہ کہہ کر غصہ میں اس نے اپنے پیٹ میں تلوار گھونپ کر خودکشی کرلی۔ (الناہیہ ص ۱۳)

ان واقعات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں اختلاف ضرور ہوا مگر وہ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے، آپس میں محبت رکھتے تھے ان کے سینے ایک دوسرے کے بغض وعداوت اور کینے سے پاک تھے جیسے کہ بھائی بھائی میں اختلاف ہوجاتا ہے یہاں تک کہ نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے مگر ایک دوسرے سے بغض وعداوت نہیں رکھتا۔ خلاصہ یہ کہ اختلاف اور چیز ہے اور بغض وعداوت اور چیز ہے۔ صحابہ کا آپس میں اختلاف رہا مگر کینہ اور بغض نہیں رہا۔

اختلاف کی وجہ:

برادرانِ ملت! حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کو مصر کے بلوائیوں نے گھیر لیا، ان پر پانی بند کر دیا اور پھر ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار کے اتفاق رائے سے جب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان سے خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کیا گیا مگر وہ بعض مصلحتوں کی بنا پر قاتلین سے قصاص نہ لے سکے۔ جب یہ خبر ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت علی کو پیغام بھیجا کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ میں شہید کر دیا جانا بہت اہم معاملہ ہے۔ لہٰذا جلد سے جلد قاتلین کو پوری سزا دی جائے اور ان پر قصاص جاری کیا جائے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ موجودہ حالات سے مجبور تھے اس لئے وہ قاتلین کو کوئی سزا نہیں دے سکے۔ عبداللہ بن سبا کا گروہ جو اس فتنہ کی جڑ تھا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اسلام کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتا تھا ان میں سے بہت سے لوگوں نے ملک شام پہنچ کر حضرت امیر معاویہ کو یہ یقین دلایا کہ علی قصاص لینے میں کوتاہی کر رہے ہیں تو حضرت امیر معاویہ نے مسلسل کئی قاصدوں کو بھیج کر قصاص کا شدت سے مطالبہ کیا۔ اور جب حضرت علی اب بھی قاتلین پر قصاص جاری نہ کر سکے تو اب حضرت امیر معاویہ کے دل میں یہ بات جم گئی کہ علی خلافت کے لائق نہیں کیونکہ جب ایسے اہم خون کا وہ قصاص نہیں لے سکتے اور قاتلین کو کوئی سزا نہیں دے سکتے تو خلافت کے دیگر امور وہ کیا انجام دے سکتے ہیں۔ حضرت علی سے حضرت امیر معاویہ کے اختلاف کی اصل وجہ یہی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت علی کے مابین بھی اسی بنیاد پر اختلاف ہوا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تیسرا اعتراض:

جو بہت اہم سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ اس میں انہوں نے تین غلطیاں کیں۔ اول یہ کہ خلیفہ کا انتخاب عام لوگوں کی رائے سے ہونا چاہئے انہوں نے یزید کو خود کیوں خلیفہ بنا دیا۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیٹے کو اپنا

جانشین بنانا قانون اسلام کے خلاف ہے۔ تیسرے یزید جیسے فاسق و فاجر کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دے دینا ان کا سب سے بڑا جرم ہے۔ کربلا کے سارے واقعات کی ذمہ داری انہیں پر ہے۔ اگر وہ یزید کو خلیفہ نہ بنائے ہوتے تو کربلا کا ایسا دردناک واقعہ نہ ہوتا۔ اور جب یزید جیسے فاسق و فاجر کو نماز کا امام بنانا درست نہیں تو اسے امام المسلمین بنانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

جواب:

یہ ہے کہ خلیفہ کا اپنی زندگی میں دوسرے کو خلیفہ بنانا جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ رہا اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا تو یہ قرآن و حدیث سے منع نہیں اسی لئے آج کل عام طور پر صوفیاء و مشائخ اپنی اولاد کو اپنا جانشین بناتے ہیں جن لوگوں کو بیٹے کے جانشین بنانے پر اعتراض ہے وہ قرآن و حدیث سے اس کا غلط ہونا ثابت کریں۔ رہی یہ دلیل کہ خلفائے اربعہ میں سے کسی نے اپنے بیٹے کا جانشین مقرر نہیں کیا اس لئے یہ ناجائز ہے تو یہ دلیل غلط ہے۔ اس لئے کہ خلفائے اربعہ کے نہ کرنے کے سبب اگر ناجائز ہو جائے تو انہوں نے بہت سا کام نہیں کیا ہے جیسے قرآن مجید پر اعراب لگانا، حدیث شریف کو کتابی شکل میں جمع کرنا اور فقہ کی تدوین وغیرہ یہ سب کام ناجائز ہو جائیں گے۔

رہا یزید کا فسق و فجور تو یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید فاسق و فاجر تھا اور نہ یہ ثابت ہے کہ انہوں نے یزید کو فاسق و فاجر جانتے ہوئے اپنا جانشین بنایا۔ یزید کا فسق و فجور دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ظاہر ہوا۔ اور فسق ظاہر ہونے کے بعد فاسق قرار دیا جاتا ہے نہ کہ پہلے۔ دیکھئے ابلیس لعین پہلے معلم الملکوت اور عزت و عظمت والا تھا پھر جب اس سے کفر ظاہر ہوا تب اسے کافر قرار دیا گیا۔ تو فسق ظاہر ہونے سے پہلے یزید کو فاسق کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیسے مورد الزام ہو سکتے ہیں۔

اگر کوئی روایت ایسی ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت امیر معاویہ کو یزید کے فسق و

فجور کی خبر تھی اس کے باوجود انہوں نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا تو وہ روایت جھوٹی ہے اور اس کا راوی کذاب ہے اس لئے کہ وہ صحابی کا فسق ثابت کرتا ہے جبکہ سارے صحابہ کا عادل، متقی اور پرہیز گار ہونا جمہور کے نزدیک مسلم ہے۔

رہی یہ بات کہ یزید کو خلیفہ بنانے کے سبب کربلا کے سارے واقعات کی ذمہ داری حضرت امیر معاویہ پر ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے نہیں بلکہ حضرت امام حسن پر ہے اس لئے کہ چالیس ہزار سپاہی جنہوں نے جان قربان کرنے کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اگر آپ ان کو لے کر حضرت امیر معاویہ کا مقابلہ کرتے تو اسی زمانہ میں ان کا قلع قمع ہو جاتا۔ یزید کو سارے ممالک اسلامیہ کے خلیفہ بنائے جانے کا سوال ہی نہیں رہ جاتا مگر اس کے بجائے حضرت امام حسن نے خلافت ان کے سپرد کر دی اور انہوں نے یزید کو اپنا جانشین بنا دیا تو دراصل واقعات کربلا کی ساری ذمہ داری امام حسن پر ہے۔

اور پھر کوئی یہ بھی کہے گا کہ حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کو جب بچہ پیدا ہوا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں تو حضور نے بچے کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا اِذْهَبِى بِاَبِى الْخُلَفَاءِ ۔ خلفاء کے باپ کو لے جا پھر فرمایا هٰذَا اَبُو الْخُلَفَاءِ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمُ السَّفَّاحُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمُ الْمَهْدِىُّ ۔ یہ خلفاء کا باپ ہے انہیں میں سے سفاح ہوگا انہیں میں سے مہدی۔

(دلائل النبوۃ بحوالہ الدولۃ المکیہ ص ۱۵۴)

دیکھئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیٹھ سے کئی پشت کے بعد پیدا ہونے والوں کے بارے میں بتا دیا کہ وہ خلیفہ ہوں گے اور ان کے نام بھی بتا دیئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ کی پشت سے یزید پیدا ہوگا تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ سے کیوں نہیں وصیت کر دی کہ تم یزید کو خلیفہ ہرگز مت بنانا اور جب ساری باتوں کو جانتے ہوئے حضور نے منع نہیں فرمایا تو واقعات کربلا کی ساری ذمہ داری انہی پر ہے۔

اور پھر کوئی بدبخت یہ بھی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یزید کو پیدا ہی کیوں کیا تھا اور اگر پیدا

کر دیا تھا تو حضرت امیر معاویہ ہی کی زندگی میں اس پر موت واقع کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس میں کسی کی کوئی خطا نہیں ہے۔ کربلا کے خونی واقعہ کی ساری ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ لوگوں نے کہ اعتراض کرنے والے کہاں سے کہاں تک پہنچے کہ حضور اقدس ﷺ اور خدائے تعالیٰ کو بھی نہیں چھوڑا اور ان پر بھی اعتراض کر دیا لہٰذا اے ہمارے سنی بھائیو! سلامتی اسی میں ہے کہ صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے ہیں ان میں بحث نہ کرو ان کا معاملہ خدائے تعالیٰ کے سپرد کرو کہ اس میں پڑنے سے ایمان جانے کا اندیشہ ہے۔

غنیۃ الطالبین جو شیخ عبد القادر جیلانی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تصنیف مشہور ہے اس کے ص ۱۷۵ کے ارشاد کا ترجمہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے جو جنگ کی ہے اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس میں اور صحابہ کی تمام جنگوں میں بحث کرنے سے باز رہنا چاہئے اس لئے کہ علی مرتضیٰ ان صحابہ سے جنگ کرنے میں حق پر تھے اور جو کوئی ان کی اطاعت سے خارج ہوا اور ان کے مقابل جنگ آزما ہوا اس نے امام برحق سے بغاوت کی لہٰذا اس سے جنگ جائز ہوئی اور جن لوگوں نے علی مرتضیٰ سے جنگ کی جیسے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ تو انہوں نے حضرت عثمان کے خون کے بدلہ کا مطالبہ کیا جو کہ خلیفہ برحق اور مظلوم ہو کر شہید کئے گئے اور حضرت عثمان کے قاتلین حضرت علی کی فوج میں شامل تھے لہٰذا ان میں سے ہر ایک صحیح تاویل کی طرف گئے۔

اور اسی غنیۃ الطالبین کے ص ۱۷۸ پر ہے۔ سارے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام کی جنگوں میں بحث سے باز رہا جائے اور انہیں برا کہنے سے پرہیز کیا جائے۔ ان کے فضائل اور ان کی خوبیاں ظاہر کی جائیں۔ اور ان بزرگوں کا معاملہ رب کے سپرد کیا جائے جیسے وہ اختلافات جو حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم میں واقع ہوئے۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں نَتَوَلّٰهُمْ جَمِيْعًا وَلَانَذْكُرُ الصَّحَابَةَ اِلَّا بِخَيْرٍ ۔ یعنی ہم اہل سنت تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور انہیں بھلائی سے ہی یاد کرتے ہیں۔

اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرین اولیاء میں سے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

"خلافے ونزاع کہ درمیان اصحاب واقع شدہ بود محمول بر ہوائے نفسانی نیست درصحبت خیرالبشر نفوس ایشاں بتزکیہ رسید بودند"

جو جھگڑے اور لڑائیاں صحابہ کرام میں ہوئیں وہ نفسانیت کی بنا پر نہ تھیں اس لئے کہ صحابہ کے نفوس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پاک ہو چکے تھے۔

(مکتوبات جلد اول ص ۸۶)

برادران اہلسنّت! آپ لوگوں نے حضرت غوث اعظم، حضرت امام اعظم اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہم کے ارشادات مبارکہ کو سن لیا۔ اگر واقعی آپ ان بزرگوں کے ماننے والے ہیں اور ان سے محبت کرنے والے ہیں تو ان کے فرمان پر عمل کریں۔ صحابہ کرام کی جنگوں کے متعلق بحث نہ کریں ان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں، حضرت امیر معاویہ اور کسی صحابی سے بغض وعناد نہ رکھیں۔ سب سے محبت کریں اور سب کو بھلائی ہی سے یاد کریں، کسی بھی صحابی پر لعن طعن نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الٰہ واصحابہ اجمعین وبارك وسلم۔

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

الحمدللہ رب المشرقین و رب المغربین والصلاۃ والسلام
علٰی نبینا جد الحسن والحسین وعلٰی الہٖ واصحابہ الذین
فازوا فی الدارین ۔ اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدہ:۱۵)
صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن
علٰی ذٰلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمدللہ رب
العلمین ۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر ساری کائنات کے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربارِ دُرر بار میں بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں:

صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃً وسلاماً علیک یارسول اللہ۔

حضرات! حمد و صلاۃ کے بعد قرآن مقدس کی آیت کریمہ کے جس ٹکڑے کی تلاوت کا شرف ہم نے حاصل کیا ہے یعنی قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے پاس نور آ گیا۔ اس آیت کریمہ میں ہمارے نبی اکرم ﷺ کو نور فرمایا گیا ہے اور نور وہ ہے جو خود روشن و چمکدار ہو اور دوسروں کو روشن و چمکدار بنائے۔ دیکھئے آفتاب نور ہے جو روشن و تابناک ہے اور جس پر وہ اپنا عکس ڈالتا ہے اسے بھی روشن و تابناک بنا دیتا ہے۔ مگر وہ صرف ظاہر کو چمکاتا ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ پیارے مصطفیٰ ﷺ ایسے نور ہیں جو ظاہر و باطن دونوں کو چمکاتے ہیں تو جو لوگ کہ اس نور سے چمکے وہ خوب

چمکے۔ پھر ان میں جونور کی گود میں کھیل کر بڑے ہوئے یعنی نواسۂ رسول سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تو وہ ایسے چمکے کہ اپنے تو اپنے اغیار کی آنکھیں بھی ان کی چمک سے چکا چوندھ ہیں اور یزیدیوں کی ہزار مخالفت کے باوجود ان شاء اللہ الرحمٰن وہ قیامت تک ایسے ہی چمکتے رہیں گے۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا و مولانا محمد و بارك وسلم۔

آپ کی ولادت:

برادران ملت! سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارکہ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی منہ میں لعاب دہن ڈالا اور آپ کے لئے دعا فرمائی پھر ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا اور عقیقہ کیا۔ حضرت امام حسین کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب ''سبط رسول'' و ''ریحانۃ الرسول'' ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبر و شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۱۸)

اسی لئے حسنین کریمین کو شبر و شبیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سریانی زبان میں شبر و شبیر اور عربی زبان میں حسن و حسین دونوں کے معنی ایک ہیں اور حدیث میں ہے کہ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ اِسْمَانِ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ حسن اور حسین جنتی ناموں میں سے دو نام ہیں۔ عرب کے زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں نام نہیں تھے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۱۸)

ابن الاعرابی حضرت مفضل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام مخفی رکھے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔ (الشرف المؤبد ص ۷۰)

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ محترمہ ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! آج میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں ڈر گئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہ بہت سخت ہے جس کے بیان کی میں اپنے

اندر جرأت نہیں پاتی ہوں۔ حضور نے فرمایا بیان کرو تو انہوں نے عرض کیا میں نے یہ دیکھا ہے کہ حضور کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا تمہارا خواب بہت اچھا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فاطمہ زہرا کے بیٹا پیدا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں دیئے گئے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

آپ کے فضائل:

برادرانِ اسلام! حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ آپ حضرات پہلے ان روایتوں کو سماعت فرمائیں جو صرف آپ کے مناقب میں ہیں پھر جو حدیثیں کہ دونوں شاہزادوں کے فضائل کو شامل ہیں وہ بعد میں پیش کی جائیں گی۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنُ۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں یعنی حسین کو حضور سے اور حضور کو حسین سے انتہائی قرب ہے گویا کہ دونوں ایک ہیں تو حسین کا ذکر حضور کا ذکر ہے۔ حسین سے دوستی حضور سے دوستی ہے، حسین سے دشمنی حضور سے دشمنی ہے اور حسین سے لڑائی کرنا حضور سے لڑائی کرنا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہ۔

اور سرکار ارشاد فرماتے ہیں اَحَبَّ اللّٰهَ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا۔ جس نے حسین سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۱)

اس لئے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور حضور سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۶۰۵ ج ۵)

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے پسند ہو کہ کسی جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے تو وہ حسین بن علی کو دیکھے۔ (نور الابصار ص ۱۱۴)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضور کی گود میں

بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں۔ حضور نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا پھر فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما کہ جو اس سے محبت کرے۔

(نور الابصار ص ۱۱۴)

معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے صرف دنیا والوں ہی سے نہیں چاہا کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کریں بلکہ خدائے تعالیٰ سے بھی عرض کیا کہ تو بھی اس سے محبت فرما اور بلکہ یہ بھی عرض کیا کہ حسین سے محبت کرنے والے سے بھی محبت فرما۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لعاب دہن کو اس طرح چوستے ہیں جیسے کہ آدمی کھجور چوستا ہے۔ یَمْتَصُّ لُعَابَ الْحُسَیْنِ کَمَا یَمْتَصُّ الرَّجُلُ التَّمْرَۃَ۔ (نور الابصار ص ۱۱۴)

اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ھٰذَا اَحَبُّ اَھْلِ الْاَرْضِ اِلٰی اَھْلِ السَّمَاءِ الْیَوْمَ۔ آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ (الشرف المؤبد ص ۶۵)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پیدل چل کر ۲۵ حج کیے، آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے اور کثرت سے نماز، روزہ، حج، صدقہ اور دیگر امور خیر ادا فرماتے تھے۔

(برکات آل رسول ص ۱۴۵)

حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز سیّد عالم ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے داہنے اور اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے بائیں بیٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! خدائے تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے پاس جمع نہ رہنے دے گا ان میں سے ایک کو واپس بلا لے گا۔ اب ان دونوں میں سے جسے آپ چاہیں پسند فرمالیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اگر حسین رخصت ہو جائیں تو ان کی جدائی میں فاطمہ، علی کو تکلیف ہوگی اور میری بھی جان

سوزی ہوگی اور اگر ابراہیم وفات پا جائیں تو زیادہ غم مجھی کو ہوگا اس لئے مجھے اپنا غم پسند ہے۔اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔

اس کے بعد جب بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے حضور مرحبا فرماتے پھران کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ میں نے حسین پر اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا ہے۔(شواہد النبوۃ ص ۳۰۵)

اب وہ روایتیں ملاحظہ فرمائیں جو دونوں صاحبزادوں کے فضائل پر مشتمل ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَ اشَبَابِ* اَهْلِ الْجَنَّةِ۔حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

(مشکوۃ ص ۵۷۰)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَارَيْحَانِيَ مِنَ الدُّنْيَا۔حسن اور حسین دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔

(مشکوۃ ص ۵۷۰)

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ باہر تشریف لائے تو کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے جسے میں نہیں جان سکا۔جب عرض حاجت سے میں فارغ ہوا تو دریافت کیا حضور یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں۔آپ نے چادر مبارک ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔آپ نے فرمایا هٰذَانِ اِبْنَایَ وَابْنَا اِبْنَتِيْ ۔یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں اور پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبُّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا۔اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور جو اُن سے محبت کرتا ہے اُن کو بھی محبوب رکھ۔(مشکوۃ ص ۵۷۰)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ ایک کندھے پر حضرت حسن کو اور دوسرے کندھے پر حضرت حسین کو اٹھائے

* غیاث اللغات میں ہے بفتم اول و تشدید ثانی جواناں بایں معنی ہم جمع شاب ست از منتخب وصراح ۱۲۔

ہوئے تھے یہاں تک کہ ہمارے قریب تشریف لے آئے اور فرمایا مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ۔ جس نے ان دونوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

(الشرف المؤبد ص ۷۱)

اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حسن اور حسین کو لے کر حضورِ انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! یہ آپ کے دونوں نواسے ہیں انہیں کچھ عطا فرمائیے۔ تو حضور نے فرمایا اَمَّا حَسَنٌ فَلَهٗ هَیْبَتِیْ وَسُوْدَدِیْ وَاَمَّا حُسَیْنٌ فَلَهٗ جُرْاَتِیْ وَجُوْدِیْ۔ حسن کے لئے میری ہیبت وسیادت ہے اور حسین کے لئے میری جرأت وسخاوت ہے۔ (الشرف المؤبد ص ۷۲)

اور حضرت جعفر صادق بن محمد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے سامنے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کم سنی کے زمانہ میں ایک دوسرے سے کشتی لڑ رہے تھے اور حضور بیٹھے ہوئے یہ کشتی ملاحظہ فرما رہے تھے تو حضرت حسن سے حضور نے فرمایا حسین کو پکڑ لو۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو انہیں تعجب ہوا اور عرض کیا ابا جان! آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لو۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا دوسری طرف جبریل حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑ لو۔ (نور الابصار ص ۱۱۴)

یزیدی آنکھیں کھول کر دیکھ لیں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا وہ مقام ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام آکر ان کے درمیان کشتی لڑا رہے ہیں۔

اور حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسنین کریمین نے دو تختیاں لکھیں۔ ہر ایک نے کہا کہ ہماری تحریر اچھی ہے تو فیصلے کے لئے اپنے باپ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس لے گئے۔ آپ نے بڑے بڑے حیرت انگیز فیصلے فرمائے ہیں مگر یہ فیصلہ نہ فرما سکے اس لئے کہ کسی صاحبزادے کی دل شکنی منظور نہ تھی۔ فرمایا کہ اپنی ماں کے پاس لے جاؤ۔ دونوں شہزادے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اماں جان! آپ فیصلہ فرمادیں کہ ہم میں سے کس نے اچھا لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ نہیں

کرسکوں گی۔ اس معاملہ کو تم لوگ اپنے نانا جان کے پاس لے جاؤ۔ شہزادے حضور انور ﷺ کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا نانا جان آپ فیصلہ فرما دیں کہ ہم میں سے کس کی تحریر اچھی ہے؟ ساری دنیا کا فیصلہ فرمانے والے حضور نے سوچا کہ اگر حسن کی تحریر کو اچھی کہوں تو حسین کو ملال ہوگا اور حسین کی تحریر کو عمدہ کہوں تو حسن کو رنج ہوگا اور کسی کا رنجیدہ ہونا انہیں گوارا نہیں تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ جبریل کریں گے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام بحکم رب جلیل نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا فیصلہ خداوند قدوس فرمائے گا میں اس کے حکم سے ایک سیب لایا ہوں۔ اس نے فرمایا ہے کہ میں اس جنتی سیب کو تختیوں پر گراؤں جس تختی پر یہ سیب گرے گا فیصلہ ہو جائے گا کہ اس تختی کی تحریر اچھی ہے اب دونوں تختیاں اکٹھا رکھی گئیں اور حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اوپر سے ان تختیوں پر سیب گرایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے راستہ ہی میں سیب کٹ کر آدھا ایک تختی پر اور دوسرا آدھا دوسری تختی پر گرا۔ اس طرح احکم الحاکمین جل جلالہ نے فیصلہ فرما دیا کہ دونوں شہزادوں کی تحریریں اچھی ہیں اور کسی ایک کی تحریر کو اچھی قرار دے کر دوسرے کی دل شکنی گوارا نہ فرمائی۔ (نزہۃ المجالس ص ۹۰ ج ۲)

خداوند قدوس کی بارگاہ میں حسنین کریمین کا یہ مقام ہے مگر افسوس کہ مخالفین کو ان کی عظمت و رفعت نظر نہیں آتی۔

آپ کی شہادت کی شہرت:

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی شہادت کی بھی شہرت عام ہو گئی۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ زہرا اور دیگر صحابہ کبار و اہل بیت کے جان نثار رضی اللہ عنہم سبھی لوگ آپ کے زمانہ شیر خوارگی ہی میں جان گئے کہ یہ فرزند ارجمند ظلم و ستم کے ہاتھوں شہید کیا جائے گا اور ان کا خون نہایت بیدردی کے ساتھ زمین کربلا میں بہایا جائے گا جیسا کہ ان احادیث کریمہ سے ثابت ہے جو آپ کی شہادت کے بارے میں وارد ہیں۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز نبی کریم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو

آپ کی گود میں دیا۔ پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور کی مبارک آنکھوں سے لگا تار آنسو بہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے یہ خبر پہنچائی کہ اِنَّ اُمَّتِی سَتَقْتُلُ اِبْنِی هٰذَا ۔ میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اس فرزند کو شہید کردے گی؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا: ہاں پھر جبریل میرے پاس اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (مشکوۃ ص۵۷۲)

اور ابن سعد و طبرانی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی اِنَّ اِبْنِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بَعْدِی بِاَرْضِ الطَّفِّ ۔ میرا بیٹا حسین میرے بعد ارض طف میں قتل کیا جائے گا اور جبریل میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی لائے اور مجھ سے کہا کہ یہ حسین کی خوابگاہ (مقتل) کی مٹی ہے۔ طف قریب کوفہ اس مقام کا نام ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۱۸)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بارش کے فرشتہ نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے خداوند قدوس سے اجازت طلب کی۔ جب وہ فرشتہ اجازت ملنے پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور حضور کی گود میں بیٹھ گئے تو آپ ان کو چومنے اور پیار کرنے لگے۔ فرشتہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں؟ حضور انور نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا اِنَّ اُمَّتَکَ سَتَقْتُلُهٗ ۔ آپ کی امت حسین کو قتل کردے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی قتل گاہ (کی مٹی) آپ کو دکھادوں۔ پھر وہ فرشتہ سرخ مٹی لایا جسے ام المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کردیا گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کرلیا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن خون ہوگئی۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۱۸)

اور ابن سعد حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے

موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے کہ ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا اس زمین کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی آپ اس قدر روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ میں حضور انور ﷺ کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے۔ انہوں نے مجھے خبر دی اِنَّ وَلَدِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ بِمَوْضِعٍ یُقَالُ لَہٗ کَرْبَلَاءَ ۔ میرا بیٹا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ پر شہید کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۱۸)

اور ابو نعیم اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسین کی قبرگاہ سے گزرے تو آپ نے فرمایا یہ شہیدوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور اس مقام پر ان کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں ان کے خون بہائے جائیں گے۔ آلِ محمد ﷺ کے بہت سے جوان اس میدان میں شہید کئے جائیں گے اور زمین و آسمان ان پر روئیں گے۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۲۶ ج ۲)

ان احادیث کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور پُرنور سید عالم ﷺ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی بار بار اطلاع دی گئی اور حضور انور نے بھی اس کا بارہا ذکر فرمایا اور یہ شہادت حضرت امام حسین کے عہد طفلی ہی میں خوب مشہور ہو چکی تھی اور سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے شہید ہونے کی جگہ کربلا ہے بلکہ اس کے چپہ چپہ کو پہچانتے تھے اور انہیں خوب معلوم تھا کہ شہدائے کربلا کے اونٹ کہاں باندھے جائیں گے، ان کا سامان کہاں رکھا جائے گا اور ان کے خون کہاں بہیں گے؟

لیکن نبی کریم ﷺ ہاں وہ نبی کہ خداوند قدوس جن کی رضا جوئی فرماتا ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (الضحیٰ) جن کا حکم بحر و بر میں نافذ ہے جنہیں شجر و حجر سلام کرتے ہیں، چاند جن کے اشاروں پر چلا کرتا ہے جن کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا ہے بلکہ بحکم الٰہی کونین کے ذرہ ذرہ پر جن کی حکومت ہے، وہ نبی پیارے نواسے کے شہید ہونے کی خبر پا کر آنکھوں سے آنسو تو بہاتے ہیں مگر نواسے کو بچانے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا نہیں فرماتے

اور نہ حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! حسین کی خبر شہادت نے تو دل و جگر پارہ پارہ کر دیا آپ دعا فرمائیں کہ خدائے عزوجل حسین کو اس حادثہ سے محفوظ رکھے اور اہل بیت، ازواج مطہرات اور صحابہ کبار سب لوگ حضرت امام حسین کے شہید ہونے کی خبر سنتے ہیں مگر اللہ کے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں کوئی دعا کی درخواست پیش نہیں کرتا جبکہ آپ کی دعا کا حال یہ ہے کہ:

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا ‏ دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا ‏ بڑھی ناز سے جب دعائے محمد ﷺ

حضور اقدس ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لئے دعا نہیں فرمائی اور نہ حضور سے کسی نے اس کے بارے میں دعا کرنے کی درخواست پیش کی صرف اس لئے کہ حسین کا امتحان ہوان پر تکالیف و مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں۔ اور وہ امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کے پیارے ہوں کہ اب نبی کوئی ہو نہیں سکتا تو نواسۂ رسول کا درجہ اسی طرح بلند سے بلند تر ہو جائے اور رضائے الٰہی حاصل ہونے کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان کی عظمت و رفعت کا بول بالا بھی ہو جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

برادرانِ اسلام! بعض گستاخ جو اعتراض کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے تو دوسرے کو کسی مصیبت سے کیا بچا سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب پیارے مصطفیٰ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت امام حسین کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی اس لئے کہ آپ نے ان کے لئے قتل سے محفوظ رہنے کی دعا ہی نہیں کی اور جب آپ نے ان کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی تو پھر یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ وہ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے۔ جیسے کہ ہمارا کوئی آدمی دریا میں ڈوب رہا ہو اور ہمارے پاس ڈوبنے سے بچانے کے لئے کشتی وغیرہ تمام سامان مہیا ہوں مگر ہم بچانے کی کوشش نہ کریں تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم بچا نہ سکے۔ ہاں اگر ہم بچانے کی کوشش کرتے اور نہ بچا پاتے تو البتہ یہ کہنا صحیح ہوتا کہ ہم نہیں بچا سکے۔ تو اللہ کے محبوب

سیّد عالم ﷺ نے اپنے نواسے کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کو بچانے کی کوشش نہیں فرمائی۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان کو نہیں بچا سکے۔ خدائے تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

اور بعض گستاخ یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جو سید الانبیاء کے نواسے اور صحابی ہیں جن کے درجہ کو بڑا سے بڑا ولی اور غوث وقطب نہیں پہنچ سکتا۔ جب وہ اپنی اور اپنے عزیز واقارب کی جان نہیں بچا سکے تو دوسرا کوئی غوث وقطب کسی کی کیا مدد کرسکتا ہے تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں اپنی جان بچانے نہیں گئے تھے بلکہ اپنی جان دے کر اسلام بچانے گئے تھے۔

اور جان بچانے کا راستہ تو آپ کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا تھا اس لئے کہ جان بچانے کے لئے جب حرام قطعی کا کھانا پینا اور جھوٹ بولنا جائز ہو جاتا ہے تو آپ جان بچانے کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے یزید کی جھوٹی بیعت کر لیتے اور جب دشمن کی گرفت سے آزاد ہو جاتے تو انکار کر دیتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو جان بچانا نہیں تھا بلکہ جان دے کر اسلام کو بچانا تھا۔

اور رہی عزیز واقارب کی جان بچانے کی بات تو آپ کے جو عزیز واقارب میدان کربلا میں شہید ہوئے ان کی دنیوی زندگی بس اتنی ہی تھی اور جس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝ (پ ۱۱ ع ۱۰) جب ان کو موت آئے گی تو ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوں گے۔

اور ارشاد فرمایا وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ (پ ۲۸ ع ۱۴) اللہ تعالیٰ کسی جان کی موت کو ہرگز موخر نہیں فرمائے گا جبکہ اس کا وقت آجائے گا۔

اگر یہ معقول جواب اعتراض کرنے والوں کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ دن دور نہیں جب کہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ انبیائے کرام کا قتل کیا جانا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب انبیاء کو قتل سے نہیں بچا سکا تو پھر کسی دوسرے کی کیا مدد کرسکتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یزید پلید

یزید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا جس کی کنیت ابو خالد ہے امیہ خاندان کا وہ بد بخت انسان ہے جس کی پیشانی پر نواسہ رسول جگر گوشہ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا سیاہ داغ ہے جس پر ہر زمانے میں لوگ ملامت کرتے رہے اور رہتی دنیا تک ایسے ہی ملامت کرتے رہیں گے۔ یہ بد باطن اور ننگ خاندان ۲۵ ہجری میں پیدا ہوا اس کی ماں کا نام میسون بنت نجدل کلبی ہے یزید بہت موٹا بدنما بد خلق، فاسق و فاجر، شرابی بدکار، ظالم اور بے ادب و گستاخ تھا۔ اس کی بدکاریاں اور بے ہودگیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کے صاحبزادے ہیں وہ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ مَا خَرَجْنَا عَلٰى يَزِيْدَ حَتّٰى خِفْنَا اَنْ نُرْمٰى بِالْحِجَارَةِ مِنَ السَّمَاءِ۔

یزید پر ہم نے اس وقت حملہ کی تیاری کی جب ہم لوگوں کو اندیشہ ہو گیا کہ اس کی بدکاریوں کے سبب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی''۔ اس لئے کہ فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے، شرابیں پی جا رہی تھیں اور دیگر منہیات شرعیہ کا علانیہ رواج ہو گیا تھا اور لوگوں نے نماز ترک کر دی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲)

یزید نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی بے حرمتی کرائی۔ ایسے شخص کی حکومت گرگ کی چوپانی سے زیادہ خطرناک تھی۔ ارباب فراست اور اصحاب اسرار اس وقت سے ڈرتے تھے جب کہ عنان سلطنت اس شقی کے ہاتھ میں آئی۔ اسی لئے ۵۹ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ رَّاْسِ السِّتِّيْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْيَانِ۔ یا رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ۶۰ ہجری کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے۔

اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو حامل اسرار تھے انہیں معلوم تھا کہ ۶۰ ہجری کا آغاز لڑکوں کی حکومت اور فتنوں کا وقت ہے ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور انہوں نے ۵۹ ہجری میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی۔ (سوانح کربلا ص ۸۱)

یزیداوراحادیث کریمہ واقوال ائمہ:

رویانی اپنی مسند میں صحابی رسول حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشادفرماتے ہوئے سنا ہے اَوَّلُ مَنْ یُّبَدِّلُ سُنَّتِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ اُمَیَّةَ یُقَالُ لَهٗ یَزِیْد ۔میری سنت کا پہلا بدلنے والا ایک شخص بنی امیہ کا ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔(تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲)

اورابویعلیٰ اپنی مسند میں (بسند ضعیف) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ ارشادفرماتے ہیں کہ میری اُمت ہمیشہ عدل وانصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ پہلا رخنہ انداز بنی اُمیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲)

اورعلامہ صبان تحریرفرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور تجھے ان کا فرمان کافی ہے،ان کا تقویٰ اورعلم اس امر کا متقاضی ہے کہ انہوں نے یہ بات اس لئے کہی ہوگی کہ ان کے نزدیک ایسے امورصریحہ کا یزید سے صادر ہونا ثابت ہوگا جو موجب کفر ہیں اس معاملہ میں ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے مثلاً ابن جوزی وغیرہ۔رہا اس کا فسق تو اس پر اتفاق ہے بعض علماء نے خاص اس کے نام سے لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔(برکات آلِ رسول ص ۱۵۵)

اورحضرت علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریرفرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اوراہل بیت نبوت کی توہین وتذلیل پر یزید کی رضاوخوشنودی تواتر سے ثابت ہے لہٰذا ہم اس کی ذات کے بارے میں توقف نہیں کریں گے (اسے برا بھلا کہیں گے) البتہ اس کے ایمان کے بارے میں توقف کریں گے (نہ اسے کافرکہیں گے اورنہ مومن)۔

(شرح عقائدنسفی ص ۱۱۷)

محدث ابن جوزی سے پوچھا گیا کہ یزید کوامام حسین کا شہید کرنے والا کہنا کس طرح صحیح ہے جبکہ وہ کربلا میں شہادت کے واقعہ کے وقت ملک شام میں تھا تو انہوں نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تیرعراق میں تھا جبکہ تیر مارنے والا ذی سلم میں تھا۔اے تیر

مارنے والے تیرا نشانہ کس غضب کا تھا۔ (الشرف المؤبد ص ۶۹)

نوفل بن ابوالفرات کہتے ہیں کہ میں ایک روز اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یزید کا کچھ ذکر آ گیا تو ایک شخص نے یزید کو امیرالمومنین یزید بن معاویہ کہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس شخص سے فرمایا کہ تو اسے امیرالمومنین کہتا ہے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیرالمومنین کہنے والے اس شخص کو ۲۰ کوڑے لگائے جائیں۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۴۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ امیہ خاندان کے ایک فرد ہیں یعنی مروان کے پوتے اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے داماد ہیں جن کے فضل و کمال اور تقویٰ و پرہیزگاری کے بارے میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ان کو خلفائے راشدین میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس شخص کو کہ جس نے یزید بدبخت کو امیرالمومنین کہا کوڑے لگوائے اور سزا دی۔

اس واقعہ سے وہ لوگ جو آج کل یزید کی حمایت کرتے ہیں اور اس کو امیرالمومنین کہتے ہیں سبق حاصل کریں اور جان لیں کہ وہ یقیناً سزا کے مستحق ہیں۔ اگر آج بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسا ہوتا تو انہیں کوڑے ضرور لگواتا۔

اور اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "یزید پلید علیہ مایستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہلسنّت فاسق و فاجر و جری علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمہ اہلسنّت کا اطباق و اتفاق ہے۔ صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور آیت کریمہ اس پر سند لاتے ہیں فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ○ کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ (پ ۲۶ ع ۷) شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا حرمین طیبین و خود کعبہ معظمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں۔

مسجد کریم میں گھوڑے باندھے ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے۔ تین دن مسجد نبی ﷺ بے اذان و نماز رہی۔ مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کئے۔ کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفیٰ کریم ﷺ کی گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہو گئے۔ سر انور کہ نبی کریم ﷺ کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مُخدَّرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے۔ اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا۔ ملعون ہے وہ جوان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فرمایا۔ لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں لقولہ تعالیٰ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا o اِلَّا مَنْ تَابَ۔ (پ۱۶ ع۷) اور توبہ تا دم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط و اسلم ہے مگر اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہلسنّت کے خلاف ہے اور ضلال و بدمذہبی صاف ہے بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم ﷺ کا شمہ ہو وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ o (فتاویٰ رضویہ ص ۱۰۷، ۱۰۸ ج ۶)

اور تحریر فرماتے ہیں "یزید بیشک پلید تھا اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے اور اسے رحمۃ اللہ علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۴ ج ۶)

برادرانِ اسلام! جلیل القدر علمائے محققین کے بیانات سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ یزید کیسا تھا اور اس نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں اور کیا نہیں کہہ سکتے۔ جو لوگ کہ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ

رضی اللہ عنہ کے ماننے والے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنے امام کے طریقہ پر چلیں یعنی یزید کے بارے میں لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت اختیار کریں کہ یہی اسلم ہے۔ اور جو لوگ کہ اس کے فاسق و فاجر ہونے سے انکار کریں اور اس کے لئے امیر المومنین و رضی اللہ عنہ کہیں یا امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر الزام رکھیں ایسے لوگوں کو گمراہ و بدمذہب، اہل بیت نبوت کا دشمن اور خارجی سمجھیں۔ ان کا بیان سننے سے پرہیز کریں اور ان کی کتابیں پڑھنے سے بچیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض جاہل جو کہتے ہیں کہ امام حسین نے یزید سے بغاوت کی تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے اور اس طرح کی بولی خارجیوں کے ہذیانات میں سے ہے جو اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں۔

(شرح فقہ اکبر ص ۸۷)

یزید اور حدیثِ قسطنطنیہ

یزید پلید جس نے مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کی سخت بے حرمتی کی جس نے ہزاروں صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم کا بے گناہ قتل عام کیا جس نے مدینہ طیبہ کی پاک دامن خواتین کو اپنے لشکر پر حلال کیا اور جس نے جگر گوشہ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر پیاسا ذبح کیا۔

ایسے بدبخت اور مردود یزید کو پیدائشی جنتی اور بخشا بخشایا ہوا ثابت کرنے کے لئے آج کل کچھ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ ایسے لوگ چاہے اپنے آپ کو سنی کہیں یا دیوبندی لیکن حقیقت میں وہ اہل بیت رسالت کے دشمن خارجی اور یزیدی ہیں۔ اس بدبخت کی حمایت میں وہ لوگ بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو حدیث قسطنطنیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ان باطل پرست یزیدیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب یزید کی بخشش اور اس کا جنتی ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے تو امام حسین کا ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا بغاوت ہے اور سارے فتنہ و فساد کی ذمہ داری انہی پر ہے۔

نعوذ باللہ من ذٰلک۔

یزیدی گروہ جو حدیث پیش کرتا ہے وہ یہ ہے قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ (بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ۱) اور قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے۔ لہٰذا وہ بخشا بخشایا ہوا پیدائشی جنتی ہے۔

یزیدی گروہ کی اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان حق ہے لیکن قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے یہ دعویٰ صحیح نہیں، اس لئے کہ یزید نے قسطنطنیہ پر کب حملہ کیا اس کے بارے میں چار اقوال ہیں: ۴۹ ہجری، ۵۰ ہجری، ۵۲ ہجری اور ۵۵ ہجری' دیکھئے کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۱، بدایہ نہایہ جلد ۸ ص ۳۲ عینی شرح بخاری جلد ۱۴ ص ۱۹۸ اور اصابہ جلد اول ص ۴۰۵۔

معلوم ہوا کہ یزید ۴۹ ہجری سے ۵۵ ہجری تک قسطنطنیہ کی کسی جنگ میں شریک ہوا چاہے سپہ سالار وہ رہا ہو یا حضرت سفیان بن عوف اور وہ معمولی سپاہی رہا ہو مگر قسطنطنیہ پر اس سے پہلے حملہ ہو چکا تھا جس کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے اور ان کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے حدیث کی معتمد و مشہور کتاب ابوداؤد شریف ص ۳۴۰۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۴۶ ہجری یا ۴۷ ہجری میں ہوا جیسا کہ بدایہ نہایہ جلد ۸ ص ۳۱، کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۹ اور اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴۴۰ میں ہے معلوم ہوا کہ آپ کا حملہ قسطنطنیہ پر ۴۶ھ یا ۴۷ھ سے پہلے ہوا اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یزید قسطنطنیہ کی ایک جنگ کے علاوہ کسی میں شریک نہیں ہوا تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر جو پہلا حملہ کیا تھا یزید اس میں شریک نہیں تھا تو پھر حدیث اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ الخ۔ میں یزید داخل نہیں اور جب وہ داخل نہیں تو اس حدیث شریف کی بشارت کا بھی وہ مستحق نہیں اور یاد رکھئے کہ ابوداؤد شریف صحاح ستہ میں سے ہے عام کتب تاریخ کے مقابلہ میں اسی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ رہی یہ بات کہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اس جنگ میں ہوا کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا تو اس میں کوئی خلجان نہیں اس لئے کہ قسطنطنیہ کا پہلا حملہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ہوا آپ اس میں شریک رہے اور پھر بعد میں جب اس لشکر میں شریک ہوئے کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا تو قسطنطنیہ میں آپ کا انتقال ہوگیا اس لئے کہ قسطنطنیہ پر متعدد بار اسلامی لشکر حملہ آور ہوا ہے۔

برادرانِ اسلام! اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا جو لشکر تھا اس میں یزید موجود تھا پھر بھی یہ ہرگز نہیں ثابت ہوگا کہ اس کے سارے کرتوت معاف ہوگئے اور وہ جنتی ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں یہ بھی ہے مَامِنْ مُسْلِمَیْنِ یَلْتَقِیَانِ فَیَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَلَهُمَا قَبْلَ اَنْ یَّتَفَرَّقَا ۔ یعنی جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔ (ترمذی ص ۹۷ ج ۲)

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے مَنْ فَطَّرَفِیْهِ صَائِمًا کَانَ لَهٗ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ ۔ جو ماہ رمضان میں روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کے لئے مغفرت ہے۔ (بیہقی، مشکوٰۃ ص ۱۷۴)

اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ بھی ہے یُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ ۔ (روزہ وغیرہ کے سبب) ماہ رمضان کی آخری رات میں اس امت کو بخش دیا جاتا ہے۔ (احمد، مشکوٰۃ ص ۱۷۴)

اگر یزید نوازوں کی بات مان لی جائے تو ان احادیث کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ مسلمان سے مصافحہ کرنے والے، روزہ دار کو افطار کرانے والے اور ماہ رمضان میں روزہ رکھنے والے سب بخشے بخشائے جنتی ہیں۔ اب اگر وہ حرمین طیبین کی بے حرمتی کریں معاف۔ کعبہ شریف کو کھود کر پھینک دیں معاف۔ مسجد نبوی میں غلاظت ڈالیں معاف۔ ہزاروں بے گناہوں کو قتل کر ڈالیں معاف۔ یہاں تک کہ اگر سیّد الانبیاء مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پاروں کو تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کر ڈالیں تو وہ بھی معاف اور جو چاہیں کریں سب معاف۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

برادران ملت! اگر کسی عمل خیر سے صغیرہ، کبیرہ اور اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں جیسا کہ آج کے یزیدیوں نے سمجھا ہے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مصافحہ کرے گا اور اس کے بعد جو چاہے گا کرے گا۔ اگر کوئی اسے سرزنش کرے گا تو کہے گا ایک مسلمان سے مصافحہ کے سبب ہمارا اگلا پچھلا سب گناہ معاف ہو گیا ہے۔ ہمیں کچھ نہ کہو۔

خدائے عزوجل یزید نوازوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور گمراہی و بدمذہبی سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

یزید کی تخت نشینی اور طلب بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی بیعت کے لئے ہر طرف خطوط و حکم نامے روانہ کئے۔ مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ تھے ان کو اپنے باپ کی وفات کی اطلاع کی اور لکھا کہ ہر خاص و عام سے میری بیعت لو اور حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے پہلے بیعت لو۔ ان سب کو ایک لمحہ مہلت نہ دو۔

مدینہ منورہ کے لوگوں کو ابھی تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر نہ تھی۔ یزید کے حکم نامہ سے ولید بہت گھبرایا اس لئے کہ ان حضرات سے بیعت لینا آسان نہیں تھا۔ اس نے مشورہ کے لئے مروان بن حکم کو بلایا۔

مروان بن حکم وہ شخص ہے کہ جب اس کی پیدائش ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحنیک (کوئی چیز چبا کر نرم کر کے کھلانے) کے لئے لایا گیا تو حضور نے فرمایا هُوَالْوَزَغُ بْنُ الْوَزَغِ (رواہ الحاکم فی صحیحہ) یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے۔ (الناہیہ ص ۴۵)

اور بخاری، نسائی اور ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا مَرْوَانَ وَمَرْوَانُ فِيْ صُلْبِهِ فَمَرْوَانُ بِفِيْضٍ مِنْ لَعْنَةِ اللّٰهِ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے

باپ حکم پر لعنت فرمائی جبکہ مروان صلب پدر میں تھا تو وہ بھی اللہ کی لعنت سے حصہ پانے والا ہوا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸)

برادرانِ اسلام! وہ مروان کہ اس کو اور اس کے باپ کو حضور اقدس ﷺ نے گرگٹ فرمایا اور جس کے باپ پر حضور نے لعنت فرمائی بلکہ اس کے باپ کو شہر بدر فرما کر طائف میں رہنے کا حکم فرمایا ایسے مروان سے بھلا خیر کی امید کیا ہو سکتی ہے۔

مدینہ منورہ کے گورنر ولید نے جب مروان سے مشورہ لیا تو اس نے کہا ان تینوں کو اسی وقت بلائیں اور بیعت کے لئے کہیں۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو بہتر ورنہ تینوں کو قتل کر دیں۔

اس مشورہ کے بعد گورنر ولید نے تینوں حضرات کو بلا بھیجا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے چند جوانوں کو ساتھ لے کر گئے۔ مکان کے باہر ان کو کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم لوگ سنو کہ میری آواز بلند ہو رہی ہے تو فوراً اندر آ جانا۔ اور جب تک میں باہر نہ آ جاؤں یہاں سے ہرگز نہ جانا۔

پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔ ولید نے آپ کو حضرت امیر معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لئے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے جیسا آدمی اس طرح چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ باہر نکل کر سب لوگوں سے بیعت طلب کریں تو ان کے ساتھ مجھ سے بھی بیعت کے لئے کہیں۔

ولید امن پسند آدمی تھا اس نے کہا اچھا آپ تشریف لے جائیے۔ جب آپ چلنے لگے تو مروان نے برہم ہو کر ولید سے کہا کہ اگر آپ نے اس وقت ان کو جانے دیا اور بیعت نہ لی تو پھر ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔ اگر یہ بیعت کر لیں تو بہتر ورنہ ان کو قتل کر دو۔ یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: او ابن الزرقاء! کیا تو مجھے قتل کرے گا یا یہ قتل کریں گے خدا کی قسم تو جھوٹا اور کمینہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے آئے۔

مروان نے ولید سے کہا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی۔ خدا کی قسم اب آپ ان پر قابو نہ پا سکیں گے۔ قتل کرنے کا یہ بہترین موقع تھا جس کو آپ نے ضائع کر دیا۔ ولید نے کہا افسوس تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی تباہی ہے۔ کیا میں نواسۂ

رسول کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیتا کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ خدائے ذوالجلال کی قسم اگر مجھے ساری دنیا کا مال و متاع مل جائے تو بھی میں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ (طبری ص ۱۶۲ ج ۲)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ بیعت کے انکار سے یزید بدبخت جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا لیکن آپ کی غیرت اور تقویٰ و پرہیز گاری نے اجازت نہ دی کہ اپنی جان بچانے کی خاطر نااہل کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور نواسۂ رسول ہو کر اسلام و مسلمان کی تباہی کی پروا نہ کریں۔

اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو وہ آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتا اور دنیا کی بے شمار دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتی لیکن یزید کی بدکاری کے جواز کے لئے آپ کی بیعت سند ہو جاتی تو اسلام کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور دین میں ایسا فساد برپا ہوتا کہ جس کا دور کرنا بعد میں ناممکن ہو جاتا۔

بہر حال آپ یزید کی بیعت کے لئے تیار نہ ہوئے۔ شام کے وقت ولید نے پھر امام کے پاس آدمی بھیجا۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں نہیں آ سکتا صبح ہونے دیجئے پھر دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ ولید نے یہ بات مان لی اور آپ اسی رات اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کا سفر کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مدینہ منورہ سے رحلت:

برادرانِ اسلام! مدینہ منورہ وہ شہر مقدس ہے جو حضور انور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جیسا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا یُقْبَضُ النَّبِیُّ اِلَّا فِیْ اَحَبِّ الْاَمْکِنَۃِ اِلَیْہِ ۔ یعنی نبی اسی جگہ انتقال فرماتا ہے جو اسے سب جگہوں سے زیادہ محبوب ہو۔ (فضائل مدینہ ص ۱۱)

اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا۔ معلوم ہوا کہ سارے شہروں میں آپ کو سب سے زیادہ پیارا مدینہ ہے۔ اور جب حضور کو وہ سب سے زیادہ پیارا ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی وہی شہر سب سے زیادہ پیارا ہے مگر حالات نے اس محبوب شہر

کے چھوڑنے پر آپ کو مجبور کر دیا۔ سفر کی تیاری مکمل ہوگئی۔ اونٹوں پر کجاوے کسے گئے اور اہل بیت رسالت کا یہ چھوٹا سا مقدس قافلہ مدینۃ الرسول کی جدائی کے صدمہ سے روتا ہوا گھروں سے نکل پڑا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان کے روضہ انور پر آخری سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔

برادرانِ اسلام! امام عالی مقام جب اپنے نانا جان کے آستانہ مقدسہ پر آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے ہوں گے اس وقت آپ کی کیفیت کیا ہوئی ہوگی۔ بلا شبہ دیدہ خونبار نے اشک غم کی بارش کی ہوگی اور عرض کیا ہوگا کہ نانا جان! میں آپ کا مقدس شہر چھوڑ رہا ہوں۔ وہ شہر کہ جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور پیارا ہے۔ اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ میرا یہاں رہنا دشوار ہو گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں مجھے اجازت دیجئے۔

اور آپ کے نانا جان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے آغوش رحمت و محبت میں آپ کی پرورش کی تھی اس وقت روضہ انور میں ان کا کیا حال ہوا ہوگا اس کا تصور اہل محبت کے دلوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

آہ! یہ دن کتنے رنج و غم کا دن تھا کہ جگر گوشہ رسول فرزند علی و بتول جن کا سب کچھ مدینہ میں ہے مگر آج وہ مدینہ سے جا رہا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا رہا ہے۔

آپ الوداع، اے نانا جان! الوداع کہہ کر روتے ہوئے واپس ہوئے اور ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ مدینہ منورہ پر حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ ۴ شعبان ۶۰ھ کا ہے۔

جب آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے اور آپ کی تشریف آوری کی لوگوں کو خبر ہوئی تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں لوگ آنے لگے اور آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔

مکہ معظمہ میں آپ ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے مقیم رہے۔ نہ آپ نے یزید کے خلاف کسی سے بیعت لی اور نہ اپنی موافقت میں کوئی لشکری طاقت ہی فراہم کی۔

کوفیوں کے خطوط:

کوفہ شہر کی بنیاد اس وقت پڑی جب کہ ۱۴ ہجری سے ۱۶ ہجری تک قادسیہ وغیرہ میں

فتوحات کے بعد مسلمانوں کی فوج نے عراق میں سکونت اختیار کی اور مدائن کی آب و ہوا ان کے موافق نہ ہوئی تو صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ جگہ تلاش کی گئی اور مسلمانوں کے لئے مکانات کی تعمیر ہوئی۔ پھر آپ ۱۷ ہجری میں اپنی فوج کے ساتھ مدائن سے منتقل ہو کر یہاں مقیم ہوئے۔ اس طرح کوفہ شہر وجود میں آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے کوفہ آپ کے شیعوں اور محبوں کا مرکز تھا وہاں کے لوگ حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت ہی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف آوری کی عرضیاں بھیج چکے تھے مگر آپ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب جبکہ کوفہ والوں کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا اور امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو بروایت تاریخ طبری سلیمان بن صُرد کے مکان میں وہاں کے شیعہ جمع ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ کے انتقال کا ذکر کر کے سب نے خدا کا شکر ادا کیا پھر سلیمان نے سب سے کہا کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں۔ آپ لوگ ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہیں۔ اگر ان کے مددگار بن سکتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہیں تو ان کو تشریف آوری کے لئے خط لکھیں اور اگر کمزوری یا بزدلی کا اندیشہ ہو تو دھوکہ دے کر ان کی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ سب نے بیک زبان کہا کہ ہم ان کو دھوکہ نہ دیں گے بلکہ ہم ان کے دشمنوں سے لڑیں گے اور اپنی جانیں ان پر قربان کریں گے۔ (طبری ص ۱۷۶ ج ۲)

چنانچہ پہلا خط جو ان لوگوں کی طرف سے لکھا گیا اس میں حضرت امیر معاویہ کے انتقال اور یزید کی ولی عہدی کا ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا گیا کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے۔ آپ تشریف لائیے۔ خدائے تعالیٰ آپ کی برکت سے ہمیں حق کی حمایت نصیب فرمائے۔ دمشق کا گورنر نعمان بن بشیر یہاں موجود ہے مگر ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ اس کے ساتھ عیدگاہ جاتے ہیں جب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اس کو یہاں سے نکال کر ملک شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔

(طبری ۱۷۷ ج ۲)

یہ پہلا خط عبداللہ بن شُبیع ہمدانی اور عبداللہ بن دال کے بدست روانہ کیا گیا جو امام عالی مقام کی خدمت میں ۱۰ رمضان ۶۰ھ کو مکہ معظمہ پہنچا۔ اس خط کی روانگی کے بعد دو ہی دن کے عرصہ میں ۵۳ عرضیاں اور تیار ہو گئیں جو ایک دو تین اور چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں۔ یہ سارے خطوط تین آدمیوں کے ہاتھ ارسال کئے گئے۔ اس کے بعد پھر کچھ مخصوص لوگوں نے عرضیاں بھیجیں اور یہ سب یکے بعد دیگرے تھوڑے وقفہ سے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ (طبری ص ۱۷۷ ج ۲)

کوفہ کو حضرت مسلم کی روانگی:

آخری خط جو ہانی بن ہانی سُبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے بدست حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچا اس کے بعد آپ نے کوفہ والوں کو لکھا کہ تم لوگوں کے بہت سے خطوط ہم تک پہنچے جن کے مضامین سے ہم مطلع ہوئے۔ تم لوگوں کے جذبات اور عقیدت و محبت کا لحاظ کرتے ہوئے بروقت ہم اپنے بھائی چچا کے بیٹے مخصوص و معتمد مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج رہے ہیں۔ اگر انہوں نے لکھا کہ کوفہ کے حالات سازگار ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں بھی تم لوگوں کے پاس بہت جلد چلا آؤں گا۔ (طبری ص ۱۷۸ ج ۲)

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام کی شہادت کی خبر مشہور تھی اور کوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا مگر جب یزید بادشاہ بن گیا اور اس کی حکومت و سلطنت دین کے لئے خطرہ تھی اور اس وجہ سے اس کی بیعت ناروا تھی اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا کہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ ان حالات میں کوفیوں کا پاس ملت یزید کی بیعت سے دست کشی کرنا اور حضرت امام سے طالب بیعت ہونا امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں۔ جب ایک قوم ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور صاحب استحقاق اہل سے درخواست بیعت کرے اس پر اگر وہ ان کی استدعا قبول نہ کرے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالہ کرنا چاہتا ہے۔ امام اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے تو بارگاہ الٰہی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے

پاس کیا جواب ہوتا کہ ہم ہر چند درپے ہوئے مگر امام بیعت کے لئے راضی نہ ہوئے۔ بدیں وجہ ہمیں یزید کے ظلم وتشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنی پڑی۔ اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کے لئے حاضر تھے۔ یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حضرت امام ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔ اگرچہ اکابر صحابہ کرام حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید اور حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم حضرت امام کی اس رائے سے متفق نہ تھے اور انہیں کوفیوں کے عہد و میثاق کا اعتبار نہ تھا۔ امام کی محبت اور شہادت امام کی شہرت ان سب کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی کہ شہادت کا یہی وقت ہے اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہوگا لیکن اندیشہ مانع تھا۔ حضرت امام کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت پیش تھی کہ اس استدعا کو رد کرنے کے لئے عذر شرعی کیا ہے؟ ادھر ایسے جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کا لحاظ ادھر اہل کوفہ کی استدعا رد کرنے کے لئے کوئی شرعی عذر نہ ہونا حضرت امام کے لئے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا حل بجز اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ پہلے حضرت امام مسلم کو بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی دی جا سکے گی۔ (سوانح کربلا ص ۸۷)

حضرت مسلم کوفہ میں:

حضرت مسلم کے دو صاحبزادے محمد اور ابراہیم جو بہت کم عمر تھے اور اپنے باپ کے بہت پیارے بیٹے تھے اس سفر میں اپنے مہربان باپ کے ساتھ ہو لئے۔ حضرت مسلم نے کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید کے مکان پر قیام فرمایا۔ شیعان علی ہر طرف سے جوق در جوق آ کر بڑے جوش عقیدت اور محبت کے ساتھ آپ سے بیعت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ کے اندر بارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے دست مبارک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ حضرت مسلم کو جب حالات خوشگوار نظر آئے تو آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا کہ یہاں کہ حالات سازگار ہیں اور اہل کوفہ اپنے قول و قرار پر قائم ہیں۔ آپ جلد تشریف لائیے۔ صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے جب

وہ حالات سے باخبر ہوئے تو منبر پر تشریف لے گئے اور حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! یہ بیعت یزید کی مرضی کے خلاف ہے وہ اس پر بہت بھڑکے گا اور فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی جو بنی امیہ کے ہواخواہوں میں سے تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ آپ جو دیکھ رہے ہیں سخت گیری کے بغیر اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ آپ دشمن کے مقابلہ میں بہت کمزور ثابت ہورہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ میرا شمار کمزوروں میں ہو، یہ اس بات سے بہتر ہے کہ اس کی نافرمانی کے ساتھ میرا شمار عزت والوں میں ہو۔ یہ فرما کر آپ منبر سے اتر آئے۔ عبداللہ حضرمی نے وہاں سے اٹھ کر یزید کو خط لکھ دیا کہ مسلم بن عقیل کوفہ میں آگئے ہیں شیعوں نے حسین بن علی کے نام پر ان سے بیعت کرلی ہے۔ اگر آپ کوفہ بچانا چاہتے ہیں تو کسی زبردست آدمی کو حاکم بنا کر بھیجئے جو آپ کے فرمان کے مطابق عمل کرسکے۔ نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں اور یا تو جان بوجھ کر کمزوری دکھارہے ہیں۔ (طبری ص ۱۸۱ ج ۴)

عمارہ بن عقبہ اور عمرو بن سعد نے بھی اسی مضمون کے خطوط یزید کو لکھے۔ ان خطوط کے پہنچنے پر یزید سخت غضبناک ہوا۔ اپنے خاص دوستوں کو بلا کر اس نے مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ کوفہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا جائے کہ وہ بہت سخت آدمی ہے۔ کسی کی پروا نہ کرے گا۔ یزید نے ان لوگوں کے مشورہ پر عمل کیا۔ کوفہ کے سابق گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کردیا اور عبیداللہ بن زیاد جو بصرہ کا گورنر تھا اسے کوفہ کا بھی گورنر بنادیا اور حکم دیا کہ وہ فوراً کوفہ پہنچ جائے۔ مسلم بن عقیل کو گرفتار کرکے شہر بدر کردے یا قتل کر ڈالے۔ اور حسین بن علی آئیں تو ان سے بھی میری بیعت طلب کرے۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ ان کو بھی قتل کردے۔

ابن زیاد کا کوفہ آنا:

یزید کا حکم نامہ پاتے ہی عبیداللہ بن زیاد نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور دوسرے دن کوفہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ قادسیہ پہنچ کر اپنے سپاہیوں کو وہیں چھوڑ دیا اور ازراہ فریب حجازی لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہوا اور بیس آدمیوں کو اپنے ہمراہ

لے کر حجازی راستہ سے مغرب اور عشاء کے درمیان کوفہ میں داخل ہوا۔ رات کے اندھیرے میں اس مکروفریب کے ساتھ پہنچنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت کوفیوں میں یزید کے خلاف ایک لہر دوڑی ہوئی ہے لہٰذا ایسے طور پر داخل ہونا چاہئے کہ وہ ابن زیاد کو پہچان نہ سکیں اور سمجھیں کہ حضرت امام حسین تشریف لے آئے تاکہ امن وعافیت کے ساتھ وہ کوفہ میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل کوفہ جن کو حضرت امام عالی مقام کی آمد کا انتظار تھا حجازی لباس میں حجازی راستہ سے ساز وسامان کے ساتھ آتا دیکھ کر رات کی تاریکی میں ہر شخص نے یہی سمجھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ سب نے نعرہائے مسرت بلند کیا مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ کہتے ہوئے اس کے آگے پیچھے چلے۔ ابن زیاد بدنہاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا اور چہروں کو بغور دیکھتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ شور سن کر اور بھی لوگ گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص فرزند رسول سمجھ کر آگے بڑھنے لگا۔ جب مجمع بہت زیادہ ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تو اس وقت مسلم بن عمرو باہلی جو ابن زیاد کے ساتھ تھا اس نے پکار کر کہا "راستہ چھوڑ دو۔" یہ امیر عبیداللہ بن زیاد ہیں۔ ان الفاظ کو سن کر لوگوں کو بڑا رنج ہوا۔ افسوس کرتے ہوئے سب اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور صرف دس بیس آدمیوں کے ساتھ ابن زیاد گورنر ہاؤس میں داخل ہوا۔ (طبری ص ۱۸۴ ج ۲)

صبح ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی۔ اے لوگو! امیر المومنین یزید نے مجھے کوفہ کا گورنر بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ مطیع وفرمانبردار لوگوں کے ساتھ میں بھلائی کروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں۔ کان کھول کر سن لو۔ میں امیر المومنین کے اس حکم پر سختی سے عمل کروں گا۔ فرمانبرداروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا اور نافرمانوں کے لئے میری تلوار ہے۔ تم لوگ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی جانوں پر رحم کرو۔

اس تقریر کے بعد ابن زیاد نے ہر قبیلہ کے بڑے بڑے لوگوں کو گرفتار کر لیا اور ان سے تحریری ضمانت لی کہ تم اور تمہارے قبیلے کے لوگ کسی مخالف کو اپنے یہاں پناہ نہیں دیں گے۔ اگر کسی نے پناہ دے رکھی ہے تو وہ اسے پیش کرے گا جو ایسا نہیں کرے گا ہم اسے قتل

کر کے اسی کے دروازہ پر لٹکا دیں گے اور اس کے اہل و عیال کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

ابن زیاد کی اس کارروائی کے بعد کوفہ والوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور ان کے خیالات میں تیزی کے ساتھ تبدیلی پیدا ہونے لگی۔

کوفہ شہر میں چونکہ یہ مشہور ہو چکا تھا کہ حضرت مسلم مختار بن ابوعبیدہ کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں اس لئے اب آپ نے وہاں قیام فرمانا مناسب نہ سمجھا اور رات کی تاریکی میں محب اہل بیت ہانی بن عروہ کے مکان پر منتقل ہو گئے جو قبیلہ مذحج کے سردار تھے۔ ہانی نے آپ کو ایک محفوظ کمرہ میں چھپا کے رکھا اور سوائے مخصوص و معتمد لوگوں کے دوسروں کو اس راز سے مطلع نہ کیا۔

جاسوس کی جاسوسی:

ابن زیاد کو حضرت مسلم کی تلاش تھی مگر کوشش کے باوجود وہ ان کی قیام گاہ کا پتا نہ لگا سکا۔ آخر اس نے اپنے شامی غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر سراغ کے لئے مقرر کیا کہ وہ خفیہ طور پر کسی نہ کسی طرح مسلم کا پتا چلائے۔ غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت ایک محب اہل بیت مسلم بن عوسجہ اسدی مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیر تک ان کو دیکھتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ غلام ان کے پاس گیا اور کہا میں ملک شام کا رہنے والا ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے اہل بیت نبوت کا دوست ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ ان خاندان کے کوئی بزرگ کوفہ تشریف لائے ہیں۔ یہ تین ہزار درہم میرے پاس ہیں۔ کیا آپ ان کا پتا بتا سکتے ہیں تا کہ یہ رقم ان کی خدمت میں نذر کر دوں۔ مسلم اسدی نے کہا مسجد میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں تم مجھی سے کیوں ان کے بارے میں دریافت کر رہے ہو؟ غلام نے کہا کہ آپ کے چہرے پر جو خیر و برکت کے آثار ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ضرور اہل بیت رسول کے دوستوں میں سے ہیں۔ مسلم اسدی اس کے فریب میں آ گئے اور کہا تم نے خوب پہچانا۔ میں بھی تمہارے بھائیوں میں سے ایک ہوا۔ میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے۔ پھر اسے حضرت مسلم بن عقیل کے پاس لے گئے اس نے آپ سے بیعت کی اور تین ہزار درہم جو لایا تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ بیعت کے

بعد وہ غلام روزانہ آپ کی خدمت میں سب سے پہلے آتا، دن بھر رہتا، حالات معلوم کرتا اور جو کچھ دیکھتا سنتارات کے وقت اس کی پوری رپورٹ ابن زیاد کو پہنچا دیتا۔

ہانی سے ابن زیاد کے پرانے تعلقات تھے۔مگر کہیں ابن زیاد کو بھنک نہ مل گئی ہو کہ حضرت مسلم ہمارے یہاں مقیم ہیں اس ڈر سے وہ اس کی ملاقات کو جانے سے پرہیز کرتے تھے اور بیماری کے عذر سے گھر بیٹھ گئے تھے۔ابن زیاد نے ہانی کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔ہانی نے کوئی خطرہ نہیں محسوس کیا اس لئے وہ تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔وہاں پہنچے تو ابن زیاد کا رنگ بدلا ہوا پایا۔آپ نے سلام کیا تو اس نے جواب نہیں دیا۔کچھ دیر آپ کھڑے رہے۔اس کے بعد اس نے بڑے غصہ سے کہا، ہانی تم امیر المومنین یزید کے خلاف اپنے گھر کو سازشوں کا اڈا بنائے ہو۔تم مسلم بن عقیل کو بلا کر اپنے گھر میں چھپائے ہوئے ہو۔ان کے لئے ہتھیار جمع کرتے ہو، اپنے محلہ میں ان کی مدد کے لئے آدمی اکٹھا کر رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ ساری باتیں مجھ سے چھپی رہیں گی۔

ہانی نے پہلے تو ان باتوں سے انکار کیا مگر جب ابن زیاد نے معقل غلام کو بلا کر کھڑا کر دیا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔اب انکار کی گنجائش نہ رہی تو انہوں نے کہا اصل حقیقت یہ ہے کہ میں نے مسلم بن عقیل کو نہیں بلایا بلکہ وہ خود میرے یہاں آ گئے تو میں انکار نہیں کر سکا۔اس طرح میں نے انہیں مہمان بنالیا اور پناہ دے دی۔میں آپ سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ میں انہیں اپنے گھر سے نکال دوں گا۔آپ مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں جا کر ان سے کہہ کر آجاؤں کہ آپ میرے گھر سے نکل کر جہاں چاہیں چلے جائیں تا کہ میں پناہ دینے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم جب تک تم انہیں میرے پاس حاضر نہ کر دو تم یہاں سے نہیں جاسکتے۔ہانی نے کہا خدا کی قسم میں اپنے مہمان کو قتل کے لئے تمہارے سپرد کر دوں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

یہاں تک کہ بات اور بڑھی تو ابن زیاد نے کہا تم انہیں سپرد نہیں کرو گے تو ہم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ہانی نے کہا ایسا ہوا تو تمہارے ارد گرد بھی تلواریں چمکیں گی۔یہ سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور کہا اچھا! تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔پھر ہانی کے سر اور منہ پر ڈنڈے مارنا

شروع کیا یہاں تک کہ ان کا سر اور چہرہ زخمی ہو گیا اور کپڑے خون میں لت پت ہو گئے۔ ایک سپاہی جو قریب میں کھڑا تھا ہانی نے اس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا کہ چھین لیں مگر اس نے چھڑا لیا۔ ابن زیاد نے کہا اب تو اپنا خون تم نے میرے لئے حلال کر دیا۔ پھر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے کھینچ کر لے جاؤ اور ایک کمرہ میں بند کر دو۔ (طبری ص ۱۹۲ ج ۲)

شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ اس افواہ کے سنتے ہی عمرو بن الحجاج جو ہانی کے نسبتی بھائی تھے کئی ہزار ہتھیار بند سواروں کو لے کر گورنر ہاؤس کو گھیر لیا۔ عمرو بن الحجاج نے پکار کر کہا کہ میں عمرو بن الحجاج ہوں اور میرے ساتھ قبیلہ مذحج کے ہزاروں سوار ہیں۔ ہم نے اطاعت سے روگردانی نہیں کی ہے۔ ہمارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے ہم اس کا انتقام لیں گے۔ پھر انتقام انتقام کا شور بلند ہوا۔ ابن زیاد اس صورتحال سے بہت گھبرا گیا اس نے قاضی شُریح سے کہا کہ آپ پہلے ہانی کو دیکھ لیجئے پھر اس کے قبیلہ والوں سے کہئے کہ ہانی زندہ ہیں ان کے قتل کی افواہ غلط ہے۔ ہانی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ قاضی شریح جب ان کے پاس گئے تو ہانی نے ان سے کہا میرے قبیلہ والوں سے میرا حال بتا کر کہہ دیجئے کہ اس وقت اگر دس آدمی بھی اندر آ جائیں تو میں یقیناً چھوٹ جاؤں گا۔ قاضی صاحب جب باہر نکلے تو ابن زیاد کا جاسوس حمید بن بکر اسدی ان کے ساتھ ہو گیا۔ اس لئے مجبوراً قاضی صاحب نے ہانی کا پورا حال ان کے قبیلہ سے نہیں بتایا بلکہ صرف اتنا کہا کہ وہ زندہ ہیں اور بعض مصلحتوں کی بنا پر نظر بند کر دیئے گئے ہیں۔ ہانی کے قبیلہ والوں کو قاضی صاحب کی شہادت سے جب معلوم ہوا کہ ہانی زندہ ہیں اور ان کے قتل کی افواہ غلط ہے تو وہ سب مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ (طبری ص ۱۹۴ ج ۲)

گورنر ہاؤس کا گھیراؤ:

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مسلم یہ خبر پا کر برآمد ہوئے اور آپ نے اپنے متوسلین کو ندا کی۔ جوق در جوق آدمی آنے شروع ہوئے اور چالیس ہزار کی جمعیت نے آپ کے ساتھ قصر شاہی کا احاطہ کر لیا۔ صورت بن آئی تھی۔ حملہ کرنے کی دیر تھی۔ اگر حضرت مسلم حملہ

کرنے کا حکم دیتے تو اسی وقت قلعہ فتح پاتا اور ابن زیاد اور اس کے ہمراہی حضرت مسلم کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے۔ اور یہی لشکر سیلاب کی طرح اُمڈ کر شامیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالتا اور یزید کو جان بچانے کے لئے کوئی راہ نہ ملتی۔ نقشہ تو یہی جما تھا مگر کار بدست کارکنان قدرت۔ بندوں کا سوچا کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسلم نے قلعہ کا احاطہ تو کر لیا اور باوجودیکہ کوفیوں کی بدعہدی اور ابن زیاد کی فریب کاری اور یزید کی عداوت پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی۔ پھر بھی آپ نے اپنے لشکر کو حملہ کا حکم نہ دیا اور ایک بادشاہ دادگستر کے نائب کی حیثیت سے آپ نے انتظار فرمایا کہ پہلے گفتگو سے قطع حجت کر لیا جائے اور صلح کی صورت پیدا ہو سکے تو مسلمانوں میں خوں ریزی نہ ہونے دی جائے۔ آپ اپنے اس پاک ارادہ سے انتظار میں رہے اور اپنی احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ دشمن نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے رؤسا و عمائد جن کو ابن زیاد نے پہلے سے قلعہ میں بند کر رکھا تھا انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور زیر اثر لوگوں کو مجبور کر کے حضرت مسلم کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ لوگ ابن زیاد کے ہاتھ میں قید تھے اور جانتے تھے کہ اگر ابن زیاد کو شکست بھی ہوئی تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خوف سے وہ گھبرا اٹھے اور انہوں نے دیوار قلعہ پر چڑھ کر اپنے متعلقین و متوسلین سے گفتگو کی اور انہیں حضرت مسلم کی رفاقت چھوڑ دینے پر انتہا درجہ کا زور دیا اور بتایا کہ علاوہ اس بات کے کہ حکومت تمہاری دشمن ہو جائے گی یزید ناپاک طینت تمہارے بچہ بچہ کو قتل کر ڈالے گا، تمہارے مال لٹوائے گا، تمہاری جاگیریں اور مکان ضبط ہو جائیں گے۔ یہ اور مصیبت ہے کہ اگر تم امام مسلم کے ساتھ رہے تو ہم جو ابن زیاد کے ہاتھ میں قید ہیں قلعہ کے اندر مارے جائیں گے۔ اپنے انجام پر نظر ڈالو، ہمارے حال پر رحم کرو اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ حیلہ کامیاب ہوا اور حضرت مسلم کا لشکر منتشر ہونے لگا یہاں تک کہ تا بوقت شام حضرت مسلم نے مسجد کوفہ میں جس وقت مغرب کی نماز شروع کی تو آپ کے ساتھ پانچ سو آدمی تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ تمناؤں کے اظہار اور التجاؤں کے طومار سے جس عزیز مہمان کو بلایا تھا ان کے ساتھ یہ وفا ہے کہ وہ تنہا ہیں اور ان کی رفاقت کے

لئے کوئی ایک بھی موجود نہیں۔ کوفہ والوں نے حضرت مسلم کو چھوڑنے سے پہلے غیرت و حمیت سے قطع تعلق کیا اور انہیں ذرا پروانہ ہوئی کہ قیامت تک تمام عالم میں ان کی بے ہمتی کا شہرہ رہے گا اور اس بزدلانہ بے مروتی اور نامردی سے وہ رسوائے عالم ہوں گے۔ حضرت مسلم اس غربت و مسافرت میں تنہا رہ گئے۔ کدھر جائیں کہاں قیام کریں حیرت ہے کوفہ کے تمام مہمان خانوں کے دروازے مقفل تھے جہاں سے ایسے محترم مہمانوں کو مدعو کرنے کے لئے رسل و رسائل کا تانتا باندھ دیا گیا تھا۔ کوفہ کے وسیع خطہ میں دو چار گز زمین حضرت مسلم کے شب گزارنے کے لئے نظر نہیں آتی۔ اس وقت حضرت مسلم کو امام حسین کی یاد آتی ہے اور دل تڑپا دیتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ میں نے امام کی جناب میں خط لکھا تشریف آوری کی التجا کی ہے اور اس بدعہد قوم کے اخلاص و عقیدت کا دلکش نقشہ امام عالی مقام کے حضور پیش کیا ہے اور تشریف آوری پر زور دیا ہے یقیناً حضرت امام میری التجا رد نہ فرمائیں گے اور یہاں کے حالات سے مطمئن ہو کر مع اہل و عیال چل پڑے ہوں گے۔ یہاں انہیں کیا مصائب پہنچیں گے اور چمن زہرا کے جنتی پھولوں کو اس بے مہری کی تپش کیسی گزند پہنچائے گی۔ یہ غم الگ دل کو گھائل کر رہا تھا اور اپنی تحریر پر شرمندگی و انفعال اور حضرت امام کے لئے خطرات علیحدہ بے چین کر رہے تھے اور موجودہ پریشانی جدا دامن گیر تھی۔ (سوانح کربلا ص ۹۲)

حضرت مسلم طوعہ کے گھر:

حضرت مسلم اسی پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھرنے لگے۔ رات کے اندھیرے میں یوں ہی چلے جا رہے تھے کہ ایک عورت جس کا نام طوعہ تھا اپنے دروازہ پر بیٹھی ہوئی نظر آئی جو اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ نے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ عورت نیک خصلت تھی وہ گئی اور پانی لائی۔ آپ بیٹھ گئے اور پانی پیا۔ وہ برتن رکھنے کے لئے گھر میں گئی اور جب واپس آئی تو دیکھا کہ آپ بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا آپ تو پانی پی چکے اب اپنے گھر جایئے۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور بیٹھے رہے۔ جب اس نے دوسری اور تیسری بار وہی بات کہی تو آپ نے فرمایا اے اللہ کی بندی! میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں ہے۔ میں ایک مسافر ہوں اور سخت مصیبت میں مبتلا ہوں کیا تم مجھے پناہ دے سکتی ہو؟ شاید

میں کبھی اس کا بدلہ دے سکوں ورنہ اللہ ورسول تمہیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ عورت نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ آپ ہیں کون؟ اور واقعہ کیا ہے؟ فرمایا میں مسلم بن عقیل ہوں۔ کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی، مجھ سے مدد کا وعدہ کیا اور اب سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے کہا مسلم آپ ہی ہیں؟ فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ آپ کو مکان کے اندر لے گئی اور اپنے خاص کمرہ میں آپ کے لئے فرش بچھا دیا پھر کھانا لائی مگر آپ نے تناول نہیں فرمایا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا لڑکا آیا۔ جب اس نے ماں کو اس کے خاص کمرہ میں بار بار آتے جاتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ طوعہ نے پہلے چھپانے کی کوشش کی لیکن بیٹے نے جب بہت اصرار کیا تو اس کو ظاہر کرنا پڑا مگر اس نے تاکید کردی کہ خبردار! یہ راز کسی سے ظاہر مت کرنا۔ وہ سن کر چپ ہوگیا اور رات گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ لڑکا شرابی اور آوارہ قسم کا تھا۔ (طبری ص ۱۹۸ ج ۲)

صبح ہوئی تو اس لڑکے نے محمد بن اشعث کے بیٹے کو جا کر بتا دیا کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر ہیں۔ اس نے فوراً اپنے باپ کے ذریعہ ابن زیاد کو مطلع کردیا۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ مسلم کی گرفتاری کے لئے روانہ کردیا۔ حضرت مسلم نے جب گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ فوج میری گرفتاری کے لئے آگئی۔ آپ تلوار لے کر فوراً کمرہ سے باہر نکل پڑے۔ اتنے میں فوج گھر کے اندر پہنچ گئی۔ آپ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ سب کو نکال کر گھر سے باہر کردیا۔ وہ لوگ پھر اندر گھس آئے۔ آپ نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا۔ آپ میں اور بکیر بن حمران احمری میں تلوار چلنے لگی۔ اس نے آپ کے چہرے پر ایسی تلوار ماری کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا، نیچے کا ہونٹ بھی زخمی ہوا اور سامنے کے دو دانت بھی گر گئے اور آپ نے اس کے سر پر زخم کاری لگایا۔ جب دشمنوں کو یقین ہوگیا کہ اس طرح ان پر قابو پانا مشکل ہے تو سب بھاگ کر چھت پر چلے گئے اور اوپر سے پتھر مارنے لگے۔ اس کے علاوہ سینٹھوں کے مٹھے آگ سے جلا کر پھینکنے لگے۔ حضرت مسلم نے جب یہ بزدلانہ طریقہ جنگ دیکھا تو آپ تلوار کھینچے ہوئے گھر سے نکل

آئے اور ان لوگوں سے لڑنے لگے جو باہر تھے۔ محمد بن اشعث نے پکار کر کہا کہ آپ کے لئے امان ہے مگر آپ نے جنگ جاری رکھی اور رجز پڑھنے لگے جس کے آخری مصرع کا مضمون یہ تھا کہ "مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ مجھ سے جھوٹ بولیں گے یا مجھے دھوکہ دیں گے۔" محمد بن اشعث نے کہا نہیں آپ سے جھوٹ نہیں بولا جائے گا اور نہ آپ کو دھوکہ دیا جائے گا۔

حضرت مسلم میں اب جنگ کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھیں۔ زخموں سے چور تھے اور ہانپ رہے تھے۔ اس لئے اسی مکان کی ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ابن اشعث ان کے پاس آ کر کہنے لگا کہ امان ہے۔ آپ نے کہا میرے لئے امان ہے۔ کہا' ہاں امان ہے اور سب پکار اٹھے کہ ہاں آپ کے لئے امان ہے۔ صرف عمرو بن عبیداللہ سلمی الگ ہو گیا اور کہا مجھے اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ حضرت مسلم نے فرمایا: دیکھو تم لوگوں نے مجھے امان دی ہے اس لئے میں اپنی تلوار میان میں کر لیتا ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے امان نہ دیتے تو میں اپنے کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کرتا۔ اتنے میں ایک سواری لائی گئی جس پر حضرت مسلم کو بٹھایا اور گورنر ہاؤس کی طرف لے چلے۔ راستہ میں آپ کی تلوار کمر سے نکال لی گئی تو آپ زندگی سے مایوس ہو گئے اور فرمایا یہ پہلی غداری ہے۔ ابن اشعث نے کہا مجھے امید ہے آپ کے ساتھ کوئی خطرہ نہیں پیش آئے گا۔ آپ نے فرمایا بس امید ہی اُمید ہے اور امان جو تم نے دی تھی وہ کیا ہوئی؟ پھر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہا اور رونے لگے۔ عمرو بن عبیداللہ سلمی جس نے امان سے اتفاق نہیں کیا تھا وہ بولا کہ جس کام و مقصد کے لئے تم کھڑے ہوئے تھے اسے خطرہ میں دیکھ کر رونا نہیں چاہئے۔ آپ نے فرمایا وَاللّٰہ میں اپنی جان کے لئے نہیں رو رہا ہوں بلکہ میں نواسۂ رسول ﷺ حضرت امام حسین اور ان کی اولاد کے لئے رو رہا ہوں۔ (طبری ص ۲۰۲ ج ۲)

حضرت مسلم اور گورنر ہاؤس:

محمد بن اشعث آپ کو لئے ہوئے گورنر ہاؤس کے پھاٹک پر پہنچا آپ کو وہاں بٹھا دیا اور خود اجازت لے کر ابن زیاد کے پاس گیا۔ اس سے لڑائی کی پوری کیفیت بیان کی اور حضرت مسلم کو امان کے ساتھ لانے کا ذکر کیا۔ ابن زیاد نے کہا تم امان دینے والے کون

ہوتے ہو۔ ہم نے تمہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ امان دینے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ اب ابن اشعث میں کچھ بولنے کی جرأت نہیں ہوئی وہ چپ ہو گیا۔

حضرت مسلم جب گورنر ہاؤس کے دروازہ پر پہنچے تو وہاں بہت سے لوگ اندر جانے کی اجازت کے انتظار میں موجود تھے۔ اور ایک گھڑا ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا دروازے کے قریب رکھا ہوا تھا اور آپ بہت پیاسے تھے۔ فرمایا مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ مسلم بن عمرو باہلی خبیث نے کہا کہ اس میں سے ایک بوند بھی تم کو نہیں ملے گی مگر عمارہ بن عقبہ نے اپنے غلام سے کہا کہ مسلم کو پانی پلا دے۔ جب وہ کٹورے میں پانی بھر کر لایا اور آپ نے اسے پینا چاہا تو منہ سے خون بہنے لگا اور پانی رنگین ہو گیا۔ دو بار اسی طرح ہوا تیسری دفعہ دو دانت ٹوٹ کر کٹورے میں گر گئے۔ آپ نے کٹورہ رکھ دیا اور فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اب پانی میری قسمت سے اٹھ چکا۔

اتنی دیر میں ابن زیاد کا آدمی آپ کو لینے کے لئے آ گیا۔ جب آپ ابن زیاد کے پاس پہنچے تو دستور کے مطابق آپ نے اس کو سلام نہیں کیا۔ ایک سپاہی نے کہا کہ تم امیر کو سلام نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اگر امیر مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کو میرا اسلام نہیں اور اگر قتل کا ارادہ نہیں ہے تو پھر اس کو بہت سے سلام ہوں گے۔ ابن زیاد نے کہا اب تم بچ نہیں سکتے۔ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا واقعی؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا اچھا مجھے اتنا موقع دے دو کہ میں کچھ وصیت کر دوں۔ کہا ہاں وصیت کر دو۔ مسلم نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو ان میں ابن سعد نظر آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم قریش خاندان کے آدمی ہو۔ میں تم سے کچھ راز کی باتیں کہنا چاہتا ہوں انہیں تنہائی میں سن لو۔ حکومت کا چاپلوس سننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ ابن زیاد نے کہا سننے میں کیا حرج ہے۔ تو ابن سعد اٹھا اور حضرت مسلم کے ساتھ تھوڑی دور جا کر ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے ابن زیاد کا بھی سامنا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا ایک بات یہ کہنی ہے کہ میں نے کوفہ میں فلاں شخص سے سات سو درہم قرض لیا ہے تم اسے ادا کر دینا اور دوسری بات یہ ہے کہ قتل کے بعد میری لاش کو دفن کر دینا۔ تیسرے حضرت امام حسین کے پاس کسی کو بھیج کر میرے واقعہ کی اطلاع کر دینا تا کہ وہ واپس چلے جائیں۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں ابن سعد سے راز کے طور پر کہیں تھیں مگر اس بد بخت نے یہ ساری باتیں ابن زیاد سے کہہ دیں۔ پھر ان وصیتوں کے جاری کرنے کے بارے میں اس سے دریافت کیا۔ ابن زیاد نے کہا قرض کی ادائیگی کے بارے میں تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو اور حسین کے متعلق یہ ہے کہ اگر وہ ہماری طرف نہیں آئیں گے تو ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں اور اگر آئیں گے تو ہم انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور لاش کے بارے میں ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے کہ جس شخص نے ہماری مخالفت کی اور لوگوں میں اس قدر انتشار پیدا کیا اس کی لاش کسی رعایت کی مستحق نہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لاش کے متعلق اس نے کہا قتل کے بعد ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں تم جو چاہو کرو۔

(طبری ص ۲۰۵ ج ۲)

حضرت مسلم اور ابن زیاد:

اس کے بعد حضرت مسلم اور ابن زیاد میں گفتگو ہوئی وہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے۔ اس لئے کہ اس سے حضرت مسلم اور ان کو بھیجنے والے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے موقف کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے اور صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان پر جو بغاوت کا الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر باطل اور غلط ہے۔

وصیت کے متعلق ابن سعد کو جواب دینے کے بعد ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا ابن عقیل! سب لوگ یہاں متحد ہو کر امن کے ساتھ رہتے تھے اور سب یک زبان تھے۔ تم یہاں اس لئے آئے تھے کہ لوگوں کو پریشان کرو، ان میں تفرقہ ڈالو اور آپس میں فساد کراؤ تا کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر حملہ کرے اور خوں ریزی ہو۔

آپ نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں۔ میں اس لئے نہیں آیا تھا بلکہ کوفہ کے لوگوں نے بتایا کہ تیرے باپ نے یہاں کے نیک لوگوں کو قتل کیا، ان کا خون بہایا اور اسلام کا طریقہ چھوڑ کر ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ کی طرح پیش آیا۔ تو ہم اس لئے آئے کہ ان کے غلط عادات و اطوار کی اصلاح کریں اور ان کو عدل و انصاف اور تعلیمات قرآن کی دعوت دیں۔ ابن زیاد خبیث نے کہا: او بدکار! تو اور تیرا یہ دعویٰ۔ جب تو مدینہ میں شراب پیا کرتا تھا تب تجھے

عدل وانصاف اور تعلیمات قرآن کا خیال نہ آیا۔ آپ نے فرمایا میں شراب پیتا تھا؟ واللہ خدا خوب جانتا ہے کہ تو کذاب ہے اور تو بھی جانتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ شراب تو وہ پئے گا جو بے گناہ مسلمانوں کا خون پیا کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جس کا قتل حرام کیا اسے قتل کرتا ہے جس نے کوئی خون نہیں بہایا اس کا خون بہاتا ہے بغض وحسد اور بدگمانی کی وجہ سے خوں ریزی کرتا ہے پھر اس طرح بھول جاتا ہے جیسے کچھ کیا ہی نہیں۔ ابن زیاد نے کہا خدا مجھے مارے اگر میں تجھے اس طرح نہ قتل کروں کہ اسلام میں آج تک کوئی اس طرح قتل نہ ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا بے شک اسلام میں جو ظلم آج تک نہ ہوا ہو اس کے ایجاد کا تجھ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں۔ بری طرح قتل کرنا اور بری طرح مُثلہ کرنا تیرا ہی حصہ ہے اور دنیا بھر میں تجھ سے بڑھ کر اس کا کوئی سزاوار نہیں۔

ان باتوں کو سن کر ظالم ابن زیاد جھلا اٹھا۔ آپ کے والد حضرت عقیل اور حضرت علی و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے لگا تو آپ بالکل خاموش ہو گئے۔

(طبری ص ۲۰۶ ج ۴)

آپ کی شہادت:

اب ظالم ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے محل کی چھت پر لے جاؤ اور بری طرح قتل کرنے کے بعد سر کو دھڑ کے ساتھ نیچے گرا دو تا کہ ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں۔ آپ نے ابن اشعث کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تو نے مجھے امان نہ دی ہوتی تو خدا کی قسم میں اس طرح اپنے کو حوالے نہ کرتا۔ اب مجھ کو بچانے کے لئے اپنی تلوار اٹھا اور بری الذمہ ہو مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ پھر آپ نے ابن زیاد سے کہا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ بھی قرابت ہوتی (یعنی تیرا باپ زیاد ابوسفیان کی صلب سے ہوتا) تو مجھے تو قتل نہ کرتا۔

ظالم ابن زیاد نے بکیر بن حمران اسدی کو بلایا جس کی تلوار سے طوعہ کے گھر میں آپ کا ہونٹ کٹا تھا۔ جب وہ آیا تو ابن زیاد نے اسے حکم دیا کہ کوٹھے پر لے جا کر اس کا سر قلم کر دو۔ جب حضرت مسلم کو کوٹھے پر لے چلے تو آپ انتہائی صبر وسکون کے ساتھ تکبیر و استغفار اور درود شریف پڑھ رہے تھے اور ساتھ میں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ الٰہی! ہمارا اور ان

لوگوں کا انصاف تیرے ہاتھ ہے جنہوں نے ہمیں دھوکہ دیا۔ ہم سے جھوٹ بولے اور ہمیں ذلیل کیا۔ بکیر نے آپ کو شہید کر دیا اور سر مبارک کو جسم کے ساتھ نیچے پھینک دیا۔

(طبری ص ۲۰۷ ج ۲)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ ھ کا ہے۔ (سوانح کربلا ص ۹۴)

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد کوفہ والوں پر اس قدر خوف اور دہشت چھا گئی کہ لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا اور کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے قتل کی افواہ کے سبب گورنر ہاؤس کھینچی ہوئی تلواروں کے گھیرے میں آ گیا تھا جب ابن زیاد نے حکم دیا اسے بازار میں لے جا کر قتل کر دو اور سپاہی ہانی کی مشکیں باندھ کر لے چلے تو وہ پکار پکار کر کہتے۔ کہاں ہیں میرے قبیلہ بنی مذحج کے لوگ۔ کہاں ہیں میرے گھر والے میری جان کیوں نہیں بچاتے مگر ایک آدمی بھی نظر نہیں آیا جو ہانی کی مدد کرتا۔ جب انہیں ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو زور لگا کر اپنا ہاتھ رسی سے کھینچ لیا اور کہا ارے کوئی لاٹھی نہیں، کوئی چھری نہیں، کوئی پتھر نہیں، ارے کیا اونٹ کی ہڈی بھی نہیں کہ میں اسی کو لے کر اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں ماروں۔ سپاہیوں نے پھر انہیں رسی میں باندھ لیا اور ترکی غلام جس کا نام رشید تھا اس نے آپ کو شہید کر دیا۔

(طبری ص ۲۰۸ ج ۲)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

شہادت فرزندانِ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ

حضرت مسلم نے گورنر ہاؤس کے گھیراؤ یا طوعہ کے گھر قیام کے وقت بچوں کو قاضی شریح کے یہاں پہنچا دیا تھا۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم کے ساتھ ان کے دو بچے بھی آئے تھے تو اس نے پورے شہر کوفہ میں اعلان کروایا کہ جو شخص مسلم کے بچوں کو چھپائے گا اسے سخت سزا دی جائے گی اور جو ان کو ہمارے پاس لائے گا وہ انعام واکرام پائے گا۔ ابن زیاد کے اس اعلان کو سن کر قاضی صاحب گھبرا گئے۔ فوراً زادِ راہ تیار کروایا اور اپنے بیٹے اسد سے کہا کہ آج باب العراقین سے ایک قافلہ مدینہ منورہ کی طرف جانے والا ہے ان بچوں کو لے جا کر اسی قافلہ میں کسی محبِ اہل بیت کے سپرد کر دو اور تاکید کر دو کہ ان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے۔ اسد جب ان بچوں کو لے کر باب العراقین پہنچا تو معلوم ہوا کہ قافلہ تھوڑی دیر پہلے چلا گیا۔ وہ بچوں کو لے کر اس کی راہ پر تیزی کے ساتھ چلا اور جب قافلہ کی گرد نظر آئی تو بچوں کو گرد دکھا کر کہا دیکھو وہ قافلہ کی گرد نظر آ رہی ہے تم لوگ جلدی سے جا کر اس میں مل جاؤ۔ میں واپس جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا آیا اور بچے تیزی کے ساتھ چلنے لگے مگر تھوڑی دیر بعد گرد غائب ہوگئی اور انہیں قافلہ نہ ملا۔ ننھے بچے اس تنہائی میں ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے اور ماں باپ کو پکار پکار کر جی جان کھونے لگے۔

ابن زیاد کا اعلان سن کر مال و زر کی ہوس رکھنے والے سپاہی بچوں کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے تھوڑی دیر بعد انہوں نے بچوں کو پا لیا اور پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان بچوں کو اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک امیر المومنین یزید سے پوچھ نہ لوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

جیل کا داروغہ مشکور نامی محبِ اہل بیت تھا اسے بچوں کی بے کسی پر بہت ترس آیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ بچوں کی جان بہر حال بچانی ہے چاہے اپنی جان چلی جائے۔ چنانچہ اس نے رات کے اندھیرے میں بچوں کو جیل سے نکالا، اپنے گھر لایا کھانا کھلایا، اپنی انگوٹھی بطور نشانی دی اور شہر کے باہر قادسیہ کی راہ پر لا کر کہا کہ تم لوگ اسی راستے پر چلے جاؤ۔ جب قادسیہ پہنچ جانا تو کوتوال سے ملنا، ہماری انگوٹھی دکھانا اور سارے حالات بتانا وہ ہمارا بھائی ہے تم لوگوں کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔ دونوں بچے قادسیہ کی راہ پر چل پڑے مگر چونکہ انہیں بھی اس ننھی عمر میں شہادت سے سرفراز ہونا تھا اس لئے وہ راستہ بھول گئے رات بھر چلتے رہے اور جب صبح ہوئی تو گھوم پھر کے اسی جگہ پہنچے کہ جہاں سے کوفہ کے باہر قادسیہ کے راستہ پر چلے تھے۔ ننھا سا کلیجہ خوف سے دہل گیا کہ کہیں پھر نہ کوئی پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دے۔ قریب میں ایک کھوکھلا درخت نظر آیا وہیں ایک کنواں بھی تھا اسی درخت کی آڑ میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک لونڈی پانی بھرنے آئی اور جب ان بچوں کو چھپے ہوئے بیٹھے دیکھا تو قریب آئی اور ان کے نورانی چہروں میں شان شہزادگی دیکھ کر کہا ”شہزادو! تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے چھپے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم یتیم وبیکس ہیں اور راہ بھٹکے ہوئے مصیبت زدہ مسافر ہیں۔ لونڈی نے کہا تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ باپ کا لفظ سنتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا غالباً تم لوگ مسلم بن عقیل کے فرزند ہو۔ اب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس نے کہا غم نہ کرو میں اس بی بی کی لونڈی ہوں جو محبِ اہل بیت ہے۔ آؤ چلو۔ اس کے پاس لے چلتی ہوں۔ دونوں صاحبزادے اس کے ساتھ ہو لئے۔ لونڈی ان کو اپنی مالکہ کے پاس لے گئی اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اسے صاحبزادوں کی تشریف آوری پر بے انتہا مسرت ہوئی اس خوشی میں اس نیک بی بی نے لونڈی کو آزاد کر دیا اور صاحبزادوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی انہیں ہر طرح تسلی وتشفی دی کہ فکر نہ کرو اور لونڈی سے کہا کہ ان کی تشریف آوری کا راز پوشیدہ رکھنا میرے شوہر حارث کو نہ بتانا۔

ادھر ابن زیاد کو جب معلوم ہوا کہ مشکور داروغہ جیل نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے تو

اس نے مشکور کو بلا کر پوچھا کہ تو نے مسلم کے بچوں کو کیا کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ اور رسول ﷺ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ان کو رہا کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو مجھ سے ڈرا نہیں۔ انہوں نے کہا جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد نے کہا تجھے ان بچوں کے رہا کرنے میں کیا ملا؟ انہوں نے کہا مجھے امید ہے کہ ان کو رہا کرنے کے سبب حضور انور ﷺ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے۔ البتہ تو مسلم بن عقیل کو شہید کرنے کے سبب اس نعمت سے محروم رہے گا۔ ابن زیاد اس جواب پر غضبناک ہو گیا اور کہا میں ابھی تجھے سخت سزا دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا ایک نہیں مشکور کی اگر ہزار جانیں ہوں تو سب ان پر قربان ہیں۔ ابن زیاد نے جلاد سے کہا اسے اتنے کوڑے مارو کہ مر جائے اور پھر اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ جلاد نے جب کوڑے مارنے شروع کئے تو مشکور نے پہلے کوڑے پر کہا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔ دوسرے پر کہا اِلٰـهَ الْعَالَمِيْنَ! مجھے صبر عطا فرما۔ تیسرے کوڑے پر کہا: الٰہی! مجھے بخش دے، چوتھے پر کہا اِلٰـهَ الْعَالَمِيْنَ! مجھے اہل بیت نبوت کی محبت میں یہ سزا مل رہی ہے۔ پانچویں کوڑے پر کہا یاالٰھی! مجھے اپنے رسول اور ان کے اہل بیت اطہار کے پاس پہنچا دے۔ پھر اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ اور جلاد نے اپنا کام تمام کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

ادھر وہ نیک بی بی دل و جان سے بچوں کی خدمت میں دن بھر لگی رہی اور ہر طرح سے ان کی دل جوئی کرتی رہی پھر رات میں کھانا کھلا کر ان کو الگ ایک کمرہ میں سلا کر واپس آئی تھی کہ اس کا شوہر حارث آ گیا۔ عورت نے پوچھا آج دن بھر آپ کہاں رہے؟ حارث نے کہا داروغہ جیل مشکور نے مسلم بن عقیل کے بچوں کو قید سے رہا کر دیا تو امیر عبیداللہ بن زیاد نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص ان کو پکڑ کر لائے گا اسے بہت انعام دیا جائے گا۔ میں انہیں بچوں کی تلاش میں دن بھر پریشان رہا یہاں تک کہ اسی بھاگ دوڑ میں میرا گھوڑا بھی مر گیا اور مجھے ان کی تلاش میں پیدل چلنا پڑا۔ عورت نے کہا اللہ سے ڈرو اور اہل بیت نبوت کے بارے میں اس طرح کا خیال دل سے نکال دو۔ کہنے لگا چپ رہ تجھے کیا معلوم جو شخص ان بچوں کو پا جائے گا اسے ابن زیاد انعام و اکرام سے مالا مال کر دے گا اسی لئے اور بھی

بہت سے لوگ ان بچوں کی تلاش میں دن بھر لگے رہے۔ عورت نے کہا کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دنیا کی خاطر ان یتیم بچوں کو دشمن کے حوالے کرنے کے لئے تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا کے عوض اپنا دین برباد کر رہے ہیں۔ کل میدان محشر میں وہ رسول خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ حارث کا دل سیاہ ہو چکا تھا بیوی کے سمجھانے کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ کہا نصیحت کی ضرورت نہیں۔ نفع نقصان میں خود سمجھتا ہوں۔ چل تو کھانا لا۔ وہ کھانا لائی اور حارث بد بخت کھا کر سو گیا۔

آدھی رات کے بعد بڑے بھائی محمد نے خواب دیکھا اور بیدار ہو کر چھوٹے بھائی کو جگاتے ہوئے کہا اٹھو اب سونے کا وقت نہیں رہا۔ ہماری شہادت کا بھی وقت قریب آ گیا۔ ابھی میں نے خواب میں ابا جان کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ جنت کی سیر کر رہے ہیں۔ اور حضور ﷺ ابا جان سے فرما رہے ہیں کہ تم چلے آئے اور اپنے بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے۔ ابا جان نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ بھی عنقریب آنے ہی والے ہیں۔ چھوٹے نے کہا بھائی جان! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ کیا سچ مچ ہم لوگ کل صبح قتل کر دیئے جائیں گے۔ ہائے! ایک دوسرے کو ذبح ہوتے ہوئے ہم کیسے دیکھ سکیں گے۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان کے رونے اور چلانے سے حارث بد بخت کی آنکھ کھل گئی۔ ظالم نے بیوی کو جگا کر پوچھا یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ عورت بے چاری سہم گئی۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ظالم نے خود اٹھ کر چراغ جلایا اور اس کمرہ کی طرف گیا کہ جہاں سے آواز آ رہی تھی۔ جب اندر داخل ہوا تو دیکھا دو بچے روتے روتے بے حال ہو رہے ہیں۔ پوچھا تم کون ہو؟ چونکہ وہ اس گھر کو اپنی جائے پناہ سمجھے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم مسلم بن عقیل کے یتیم بچے ہیں۔ ظالم یہ سنتے ہی غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہا میں سارا دن ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہو گیا اور تم لوگ ہمارے ہی گھر میں عیش کا بستر جمائے ہو۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور نہایت بے رحمی کے ساتھ ان کو مارنا شروع کیا۔ دونوں بھائی

شدت کرب سے چیخنے لگے۔عورت بے تحاشا دوڑی ہوئی آئی اور حارث کے قدموں پر اپنا سر کر رکھ نہایت عاجزی کے ساتھ روتی ہوئی کہنے لگی کہ ارے یہ فاطمہ کے راج دلارے ہیں۔ان کی چاند جیسی صورتوں پر رحم کھا' لے میرا سر کچل کر اپنی ہوس کی آگ بجھا لے لیکن فاطمہ کے جگر پاروں کو بخش دے۔حارث بد بخت نے اسے اتنے زور کی ٹھوکر ماری کہ بے چاری ایک ستون سے ٹکرا کر لہولہان ہوگئی۔ظالم بچوں کو مارتے مارتے جب تھک گیا تو دونوں بھائیوں کی مشکیں کس دیں اور زلفوں کو کھینچ کر آپس میں ایک دوسرے سے باندھ دیا اس کے بعد یہ کہتا ہوا کوٹھری کے باہر نکل آیا کہ جس قدر تڑپنا ہے صبح تک تڑپ لو دن نکلتے ہی میری چمکتی ہوئی تلوار تمہیں ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دے گی۔

صبح ہوتے ہی ظالم نے تلوار اٹھائی، زہر میں بجھا ہوا خنجر سنبھالا اور خونخوار بھیڑیے کی طرح کوٹھری کی طرف بڑھا۔نیک بخت بیوی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی کمر تھام لی۔ حارث نے اتنے زور کا اس کو جھٹکا دیا کہ سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا اور وہ آہ کر کے زمین پر گر پڑی۔اور جب وہ کوٹھری میں داخل ہوا تو ہاتھ میں ننگی تلوار اور چمکتا ہوا خنجر دیکھ کر دونوں بھائی کانپنے لگے۔بد بخت نے آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں کی زلفیں پکڑیں اور نہایت بیدردی کے ساتھ انہیں گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔تکلیف سے دونوں بھائی تلملا اٹھے رو رو کر فریاد کرنے لگے لیکن ظالم کو ترس نہ آیا۔سامان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا اور جب اس کے کنارے پہنچا تو انہیں خچر سے اتارا مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا۔پھر میان سے تلوار نکالی ہی تھی کہ اتنے میں اس کی بیوی ہانپتی کانپتی اور گرتی پڑتی آ پہنچی۔آتے ہی اس نے پیچھے سے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامد کرتے ہوئے کہا خدا کے لئے اب بھی مان جاؤ اہل بیت رسالت کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین مت کرو۔دیکھو بچوں کی ننھی جان سوکھی جا رہی ہے تلوار سامنے سے ہٹا لو۔

حارث پر شیطان پوری طرح سوار تھا ظالم نے بیوی پر وار کر دیا وہ زخمی ہو کر گری اور تڑپنے لگی۔بچے یہ منظر دیکھ کر سہم گئے۔اب بد بخت اپنی خون آلود تلوار لے کر بچوں کی طرف بڑھا چھوٹے بھائی پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ اٹھا۔خدا کے لئے پہلے مجھے

ذبح کرو میں اپنے بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش نہیں دیکھ سکوں گا اور چھوٹے بھائی نے سر جھکاتے ہوئے کہا کہ بڑے بھائی کے قتل کا منظر مجھ سے نہیں دیکھا جاسکے گا خدا کے واسطے پہلے میرا ہی سر قلم کرو۔

ظالم کی تلوار چمکی دو ننھی چیخیں بلند ہوئیں اور یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سر خون میں تڑپنے لگے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بِن کِھلے مرجھا گئے

قاتل کا انجام:

حارث بدبخت نے جب بچوں کو شہید کردیا تو ان کی لاشوں کو دریائے فرات میں پھینک دیا اور سروں کو توبرہ (گھوڑے کا دانہ رکھنے کا تھیلا) میں رکھ کر لے گیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا اس میں کیا ہے؟ حارث نے کہا انعام و اکرام کے لئے آپ کے دشمنوں کا سر کاٹ کر لایا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا یہ میرے دشمن کون ہیں؟ کہا مسلم بن عقیل کے فرزند۔ ابن زیاد یہ سنتے ہی غضبناک ہوگیا اور کہا تجھ کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا تھا۔ کم بخت میں نے امیر المومنین یزید کو لکھا ہے کہ مسلم بن عقیل کے فرزند گرفتار کر لئے گئے ہیں اگر حکم ہو تو میں انہیں آپ کے پاس زندہ بھیج دوں۔ اگر یزید نے زندہ بھیجنے کا حکم دیا تو پھر میں کیا کروں گا؟ تو میرے پاس ان کو زندہ کیوں نہیں لایا؟ حارث نے کہا مجھے اندیشہ تھا کہ شہر کے لوگ مجھ سے چھین لیں گے۔ ابن زیاد نے کہا اگر تجھے چھین لینے کا اندیشہ تھا تو کسی محفوظ جگہ پر ان کو ٹھہرا کر مجھے اطلاع کردیتا، میں سپاہیوں کے ذریعہ منگوالیتا۔ تو نے میرے حکم کے بغیر ان کو قتل کیوں کیا' پھر ابن زیاد نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور ایک شخص جس کا نام مقاتل تھا اس سے کہا کہ اس بدبخت کی گردن ماردے۔ چنانچہ حارث کی گردن ماردی گئی اور وہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کا مصداق ہوا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

کربلا کا خونی منظر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ شریف سے روانگی

الحمدللہ الذی خلق الارض والسمٰوٰت والصلوٰۃ والسلام علٰی صاحب الفضل والشفاعات وعلی الحسین ورفقائہ الذین فازوا بالشھادات ۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ (پ۲ع۳)

صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک لمن الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین۔

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر مکہ کے سرکار مدینہ کے تاجدار' دونوں عالم کے مختار' جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب پر عقیدت و محبت کے ساتھ درود و سلام کی ڈالیاں پیش کریں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

برادرانِ اسلام! حمد و صلاۃ اور آیت کریمہ و درود شریف پڑھنے کی برکت حاصل کرنے کے بعد ہم آپ حضرات کے سامنے پہلے ایک نظم کے چند اشعار پیش کرتے ہیں انہیں بغور سماعت فرمائیں:

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جو دہکتی ریت کے بستر پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کردیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کردیا

شیر کے مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین　　جو بہتّر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین
راہِ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین　　کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین

زیرِ خنجر جس کا سجدہ عظمتِ اسلام ہے
جس کا ہر تیور رسولِ پاک کا پیغام ہے

اللہ اللہ! راکبِ دوشِ پیمبر وہ حسین　　فاطمہ کا نورِ دیدہ جانِ حیدر وہ حسین
عظمت واخلاص وقربانی کا پیکر وہ حسین　　کربلا کے غازیوں کا میرِ لشکر وہ حسین

پرچم حق تا ابد جس کا سلامی ہوگیا
زندۂ جاوید جس کا نام نامی ہوگیا

دین کی خاطر تھی جس کی زندگانی وہ حسین　　کٹ گئی اسلام میں جس کی جوانی وہ حسین
خُلد میں کی حق نے جس کی مہمانی وہ حسین　　مل گئی جس کو حیاتِ جاودانی وہ حسین

نامِ نامی جس کا لوحِ دہر پر مرقوم ہے
فرش سے تا عرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

اللھم صل علٰی سیدنا ومولانا محمد وعلٰی اٰلہ
واصحابہٖ وبارك وسلم۔

برادرانِ ملت! انسان کے لئے جہاں پر مرنا یا شہید ہونا مقدر ہوتا ہے منجانب اللہ ایسے حالات واسباب پیدا ہوتے ہیں کہ ہزار رکاوٹوں کے باوجود انسان آخری وقت میں اسی جگہ پر جانے کے لئے مجبور ہوجاتا ہے۔ سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا جن کا کربلا میں شہید ہونا ازل میں مقدر ہوچکا تھا ان کے لئے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اب کربلا کی طرف جانا ان کا ضروری ہوگیا۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے خط آنے کے بعد امام عالی مقام کو کوفیوں کی درخواست قبول کرنے میں کوئی معقول عذر باقی نہ رہا تو آپ عراق جانے کے لئے تیار ہوگئے اور سفر کے اسباب درست ہونے لگے۔

جب مکہ والوں کو آپ کی تیاری کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کا عراق کی طرف جانا پسند نہ کیا۔ جلیل القدر صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوواقد لیثی وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور عرض کیا آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں کہ وہاں کے لوگ درہم و دینار کے بندے ہیں۔ انہوں نے آپ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھلی ہوئی غداری و بے وفائی کی ہے۔ ان کا حاکم ان پر مسلط ہے اور اسی کی حکومت قائم ہے تو جان لیجئے کہ کوفہ والے آپ کو جنگ و جدال کے لئے بلا رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ دیں گے، جھٹلائیں گے اور آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے بلکہ حکومت وقت سے مل کر آپ پر حملہ کریں گے اور بلانے والے ہی سب سے بڑے آپ کے دشمن ثابت ہوں گے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ میں خدا سے خیر کا طالب ہوں دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ (طبری ص ۲۱۱ ج ۲)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جب آپ سے سفر عراق کو ملتوی کرنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا حَدَّثَنِی اَبِیْ اَنَّ لِمَكَّةَ كَبْشًا بِهٖ يَسْتَحِلُّ حُرْمَتُهَا فَمَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْكَبْشَ ۔ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے کہ ایک مینڈھا مکہ معظّمہ کی حرمت کو حلال کردے گا تو میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)

اور یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس سفر سے روکنے کے لئے اصرار کیا اور کہا کہ آپ مسجد حرام میں رہئے میں آپ کی مدد کے لئے لوگوں کو جمع کرلوں گا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک بالشت بھر میں اس مسجد کے باہر قتل کیا جاؤں تو واللہ میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ایک بالشت بھر مسجد کے اندر قتل کیا جاؤں۔ بخدا اگر میں حشرات الارض کے کسی سوراخ میں بھی چھپوں گا تو لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال لیں گے اور جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں کریں گے۔ (طبری ص ۲۱۲ ج ۲)

غرضکہ بڑے بڑے صحابہ کرام آپ کو اس سفر سے روکنے کے لئے بہت اصرار کرتے رہے اور آخر تک یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکہ معظّمہ سے تشریف نہ لے جائیں مگر ان

کی کوششیں کارآمد نہ ہوئیں۔ یہاں تک کہ امام عالی مقام ۳ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو اپنے اہلبیت اور موالی وخدام کل ۸۲ نفوس کے ساتھ مکہ شریف سے عراق کے لئے روانہ ہو گئے۔

بات اصل میں یہ تھی کہ آپ کو گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا اور یہ راز اس وقت کھلا جب فرزدق شاعر سے آپ کی راستہ میں ملاقات ہوئی اور اس نے پوچھا کہ فرزند رسول! حج کے دن بالکل قریب آ گئے تو اتنی جلدی آپ نے کس لئے فرمائی کہ حج بھی نہ ہو سکا؟ امام نے جواب دیا کہ اگر میں اتنی جلدی نہ کرتا تو وہیں گرفتار کر لیا جاتا۔ (طبری ص ۲۱۴ ج ۲)

حضرت کے اس جواب سے معلوم ہو گیا کہ ایام حج قریب ہونے کے باوجود آپ مکہ معظّمہ سے کیوں نکل پڑے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے اصرار کو قبول نہ فرمانے کا سبب کیا تھا۔ ظاہری وجہ تو وہی تھی جو حضرت امام نے فَرَزْدَق سے بیان فرمائی اور حقیقت میں شہادت کی کشش آپ کو کربلا کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔ آپ کا حال اس وقت وہی تھا جو کسی شاعر نے کہا ہے:

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

کربلا جانے والے اہل بیت:

برادرانِ اسلام! اس سفر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی اوسط جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں یہ حضرت شہر بانو کے بطن سے تھے اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال تھی اور بیمار تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے علی اکبر تھے جو لیلیٰ بنت ابی مرہ کے شکم سے ہیں۔ ان کی عمر ۱۸ برس تھی۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام عالی مقام کے تیسرے فرزند جنہیں علی اصغر کہتے ہیں ان کی والدہ قبیلہ بنی قضاعہ سے تھیں۔ یہ شیر خوار بچے تھے۔ آپ کی ایک صاحبزادی حضرت سکینہ بھی ہمراہ تھیں جن کی نسبت حضرت قاسم کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی۔ ان کی والدہ امرء القیس ابن عدی کی دختر قبیلہ بنی کلب سے تھیں ان کا عقد حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور کربلا میں حضرت قاسم کے ساتھ ان کے نکاح ہونے کی جو روایت

مشہور ہے وہ غلط ہے ان کے ساتھ آپ کی صرف نسبت ہوئی تھی عقد نہیں ہوا تھا۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں آپ کے ہمراہ تھیں۔ایک شہر بانو، دوسری حضرت علی اصغر کی والدہ۔

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے چار نوجوان صاحبزادے حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر امام عالی مقام کے ہمراہ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پانچ فرزند حضرت عباس بن علی، حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی، حضرت محمد بن علی اور حضرت جعفر بن علی حضرت امام کے ہمراہ تھے۔سب نے شہادت پائی۔

اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں سے حضرت مسلم تو حضرت امام کے کربلا پہنچنے سے پہلے ہی کوفہ میں شہید ہو چکے تھے اور تین فرزند حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت جعفر امام کے ہمراہ کربلا حاضر ہو کر شہید ہوئے۔

اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے دو پوتے حضرت محمد و حضرت عون حضرت امام کے ہمراہ حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ان کے والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھانجے ہیں۔ان کی والدہ حضرت زینب حضرت امام کی حقیقی بہن ہیں۔

صاحبزادگان اہل بیت میں سے کل ۱۷ حضرات امام عالی مقام کے ہمراہ مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے اور حضرت امام زین العابدین، عمر بن حسن، محمد بن عمر بن علی اور دوسرے کم عمر صاحبزادے قیدی بنائے گئے۔(سوانح کربلا)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ شریف سے باہر نکلے تو حاکم مکہ عمرو بن سعید کے حکم سے ایک فوجی دستہ نے شہر سے باہر آ کے آپ کو روکا اور چاہا کہ واپس چلیں۔حضرت امام نے واپس ہونے سے انکار کیا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف کے لوگوں میں مار پیٹ ہوئی۔ آپ کے ساتھی بڑی بہادری سے فوجی دستہ کی مزاحمت کو روکنے پر تیار تھے اس لئے ان لوگوں کو ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا اور قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔(طبری ص ۲۱۳ ج ۲)

جب آپ مقام صفاح تک پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔آپ نے اس سے کوفہ والوں کا حال دریافت فرمایا۔کہا کہ ان کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی

تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہوں گی۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو لیکن ہر بات اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر اللہ نے ہماری خواہشوں کے مطابق کیا تو ہم اس کا شکر ادا کریں گے اور اگر قضائے الٰہی ہمارے مطلب کے خلاف ہوئی تو انسان کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں خلوص اور اس کے دل میں پارسائی ہو۔ (طبری ص ۲۱۴ ج ۲)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرزدق سے گفتگو کرنے کے بعد جب آگے بڑھے تو آپ کے بھانجے حضرت محمد وعون رضی اللہ عنہما راستے میں آکر آپ سے ملے اور اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرا خط دیکھتے ہی واپس چلے آیئے۔ اس لئے کہ جہاں آپ جا رہے ہیں وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو دنیا میں اندھیرا چھا جائے گا۔ آپ ہدایت والوں کے رہنما اور مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے اس خط کے پیچھے میں بھی آ رہا ہوں۔ (طبری ص ۲۱۶ ج ۲)

صاحبزادوں کے بدست خط روانہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر حاکم مکہ عمرو بن سعید سے جا کر ملے اور اس سے گفتگو کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے امان کا پروانہ حاصل کیا اور حضرت کے اطمینان کے لئے عمرو بن سعید کے بھائی یحیٰی بن سعید کو ساتھ میں لے کر آپ کے پاس پہنچے۔ یحیٰی نے خط پیش کیا اور آپ نے اسے پڑھا مگر واپس آنے سے انکار کیا۔ ان لوگوں نے کہا آخر کیا بات ہے؟ آپ عراق جانے پر اس قدر بضد کیوں ہیں؟ حضرت نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے۔ آپ نے اس خواب میں جو مجھے حکم فرمایا ہے میں اسے ضرور پورا کروں گا چاہے اس میں ہمارا نقصان ہو یا فائدہ۔ ان لوگوں نے کہا وہ خواب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ خواب نہ اب تک میں نے کسی سے بیان کیا ہے اور نہ بیان کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے جا ملوں۔ (طبری ص ۲۱۶ ج ۲)

چھوٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد ﷺ

امام عالی مقام نے عمرو بن سعید کی تحریر کا جواب لکھ کران کے سپرد کیا۔ حضرت عبداللہ کچھ مجبوریوں کے سبب اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادگان عون ومحمد کو آپ کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود واپس ہو گئے۔

حضرت قیس کی شہادت:

جب آپ مقام حاجر میں پہنچے تو اپنے ایک مخلص قیس بن مسہر صیداوی کو خط دے کر کوفہ روانہ فرمایا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ حمد الٰہی اور سلام کے بعد معلوم ہو کہ مسلم بن عقیل کے خط سے تم لوگوں کے حالات کی درستگی اور میری مدد پر تم سب کے متفق ہونے کا علم ہوا' میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم پر احسان کرے اور تم لوگوں کو اس بات پر اجر عظیم عطا فرمائے میں مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکا ہوں جب میرا خط پہنچے تو اپنا انتظام تم لوگ جلدی درست کر لینا اس لئے کہ میں چند ہی روز میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے یہاں پہنچنے والا ہوں۔ والسلام (طبری ص ۲۲۳ ج ۲)

حضرت قیس جب امام کا خط لے کر قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر جو ابن زیاد کے حکم سے ایک فوج کے ساتھ پہلے سے ناکہ بندی کئے ہوئے تھا اس نے قیس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے کہا اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو گورنر ہاؤس کی چھت پر چڑھ کر حسین بن علی کے خلاف تقریر کرو اور ان کو برا بھلا کہو۔ حضرت قیس چھت پر چڑھ گئے اور حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے حضرت حسین بن علی اس وقت خلق خدا میں سب سے بہترین شخص ہیں۔ میں انہیں کا بھیجا ہوا تم لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کے لئے قدم بڑھاؤ اور ان کی آواز پر لبیک کہو۔ پھر حضرت قیس نے ابن زیاد اور اس کے باپ کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر کی۔ ابن زیاد آپ کی اس تقریر کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ انہیں چھت کے اوپر سے زمین پر گرا دو کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ بے رحموں نے انہیں نیچے گرا دیا جس سے ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں اور وہ انتقال کر گئے۔ اس طرح حضرت امام کا یہ سچا محبّ آپ پر قربان ہو گیا۔ (طبری ص ۲۲۴ ج ۲)

ابرِ رحمت ان کے مَرقد پر گُہر باری کرے
حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

جب آپ اس منزل سے آگے بڑھے تو ایک کنوئیں پر آپ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ ادھر کیسے تشریف لائے؟ حضرت امام نے اپنے آنے کی وجہ بیان فرمائی۔ انہوں نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ حرمت اسلام، حرمت رسول اور حرمت عرب کو ضائع نہ کیجئے۔ آپ کوفہ ہرگز نہ جایئے۔ وہاں آپ یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا لَنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَاکَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (پ۱۰ع۱۴) ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو خدائے تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمادی ہے۔

حضرت زہیر سے ملاقات:

حضرت امام جب آگے بڑھے اور مقام زرود میں آپ نے قیام فرمایا تو وہاں کنوئیں کے پاس ایک خیمہ نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ زہیر بن قین بجلّی کا خیمہ ہے جو حج سے فارغ ہو کر کوفہ جارہے ہیں۔ شروع میں ان کو اہل بیت رسالت سے کوئی عقیدت نہ تھی۔ آپ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے ملنے سے انکار کرنا چاہا تو ان کی بیوی نے کہا واہ کیا غضب کی بات ہے کہ فرزند رسول آپ کو بلائیں اور آپ ان سے ملنے کے لئے نہ جائیں۔ بیوی کی بات سے متاثر ہو کر وہ حضرت کے پاس گئے اور بہت جلد خوش خوش واپس ہو کر اپنا خیمہ اور کل ساز و سامان آپ کی طرف بھجوا دیا۔ اس کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے کہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی جاؤ۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا تم میں سے جو میرے ساتھ رہنا چاہے رہے اور جو چاہے چلا جائے اور یہ سمجھ کر جائے کہ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ سب حیران ہو گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ آپ نے کہا میں تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں سنو! جنگ بلنجر میں خدائے تعالیٰ نے ہم کو فتح عطا فرمائی اور بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ فتح اور مالِ غنیمت سے تم کو خوشی ہوئی؟ ہم نے کہا ہاں بہت خوشی ہوئی۔ انہوں نے فرمایا ایک

وقت آئے گا کہ تم رسول اکرم ﷺ کے گھر کے جوانوں کے سردار (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) سے ملو گے اور ان کی مدد میں ان کے دشمنوں سے جنگ کرو گے تو اس فتح اور مالِ غنیمت سے زیادہ خوشی حاصل کرو گے۔ لہٰذا میں تم لوگوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

پھر حضرت زہیر امام عالی مقام کے ساتھ رہے یہاں تک کہ کربلا میں آپ کے دشمنوں سے لڑ کر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (طبری ص ۲۲۵ ج ۲)

شہادتِ مسلم کی خبر:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ابھی تک کوفہ کے حالات معلوم نہ ہوئے تھے۔ جب آپ مقام ثعلبیہ میں پہنچے تو بکیر بن مثعبہ اسدی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دیئے گئے اور ان کی لاشوں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ اس دردناک خبر کو سن کر آپ نے بار بار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ رَحِمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا پڑھا۔

عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمعل اسدی جو حج سے فارغ ہو کر مقام زرود میں حسینی قافلہ سے آ کر ملے تھے انہوں نے امام عالی مقام سے کہا خدا کے واسطے آپ اپنی اور اپنے گھر بھر کی جان خطرہ میں نہ ڈالیں یہیں سے واپس ہو جائیں۔ اس لئے کہ کوفہ میں آپ کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ کو بلانے والے ہیں وہی آپ کے دشمن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر مسلم کے تینوں بھائی کھڑے ہو گئے اور جوش میں آ کر کہا خدا کی قسم ہم واپس نہیں ہوں گے جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے اور یا ہم بھی ان کی طرح قتل نہیں ہو جائیں گے۔ حضرت نے اسدیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا ان لوگوں کے بعد زندگی میں کچھ لطف نہیں۔ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض لوگوں نے کہا آپ کی اور مسلم کی برابری نہیں۔ جب آپ کوفہ میں پہنچ جائیں گے تو وہاں کے سب لوگ آپ کی مدد کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ حضرت نے اس خیال کی تائید نہیں فرمائی بلکہ خاموش رہے۔ (طبری ص ۲۲۷ ج ۲)

پھر قافلہ آگے بڑھتا رہا اور ابھی تک سب لوگوں کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر نہ تھی

جب آپ مقام زبالہ میں پہنچے تو اسی جگہ پر آپ نے پورے قافلہ والوں سے فرمایا کہ ہمیں دردناک خبر ملی ہے کہ مسلم بن عقیل شہید کر دیئے گئے اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے وہ چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی الزام نہیں۔

بہت سے عرب جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے اس اعلان کے سنتے ہی تقریباً سب داہنے بائیں روانہ ہو گئے اور زیادہ تر وہی لوگ باقی رہ گئے جو مدینہ طیبہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ (طبری ص ۲۲۷ ج ۲)

حُر کی آمد:

محرم ۶۱ ہجری کی پہلی تاریخ کو جب کہ آپ کوہِ ذی حشم کے دامن میں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے حر بن یزید تمیمی ایک ہزار لشکر کے ساتھ آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آ پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دشمن کے گھوڑے اور سارے آدمی بہت پیاسے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سب کو پانی پلوایا غالباً اس ہمدردی کے سبب حر آپ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کا وقت آ گیا اور اذان پڑھی گئی تو آپ نے حمد و صلاۃ کے بعد حر اور اس کی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک تمہاری طرف نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں گئے کہ آپ ہماری طرف آیئے۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے شاید آپ کے سبب ہم لوگوں کو خدائے تعالیٰ ہدایت پر جمع فرما دے۔ اب اگر تم لوگ اپنی بات پر قائم ہو تو میں آ ہی گیا ہوں۔ تم مجھ سے عہد کرو تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے تو میں تمہارے شہر میں چلوں۔ اور اگر میرا آنا پسند نہیں کرتے ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

آپ کی اس تقریر کے بعد خاموشی رہی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے حر سے پوچھا تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا الگ پڑھنا چاہتے ہو؟ حر نے کہا آپ نماز پڑھایئے ہم سب آپ کے پیچھے پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں طرف کے لوگوں نے حضرت کے پیچھے نماز ادا کی اس کے بعد آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ (طبری ص ۲۳۰ ج ۲)

جب عصر کا وقت ہوا تو حضرت امام عالی مقام نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ روانہ ہونے کے لئے سب تیار ہو جائیں۔ پھر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت بھی دونوں گروہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد پھر آپ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے اور حق پہچانو گے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو گے۔ جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں اہل بیت نبوت ان کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں لیکن اگر تم لوگ ہم کو نہیں پسند کرتے ہو اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے ہو اور تمہاری رائے اس کے خلاف ہوگئی جو تمہارے خطوط سے ظاہر ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ حر نے کہا بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیسے خطوط ہیں جن کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔ آپ نے خطوط کے تھیلے کو منگا کر سب کے سامنے الٹ دیا۔ حر نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں۔ ہم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں بھی آپ مل جائیں ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا اس مطلب کے حاصل کرنے سے تیرے لئے مرجانا زیادہ آسان ہے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو سوار ہو کر لوٹنے کا حکم دیا۔ حر نے واپس ہونے سے روکا۔ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے آخر تیرا مطلب کیا ہے؟ حر نے کہا خدا کی قسم اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا عرب یہ بات کہتا تو میں اس کی ماں کو بھی ایسے ہی کہتا لیکن آپ کی والدہ ماجدہ کا ذکر میں بھلائی کے ساتھ ہی کروں گا۔ امام نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ نہیں ہوگا۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اسی طرح تکرار ہوتی رہی۔ آخر میں حر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے مجھے تو صرف یہ حکم ہے کہ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچ جائیں۔ اگر آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو جب تک کہ میں ابن زیاد کی رائے نہ معلوم کرلوں آپ ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ آپ کو اس کی یہ بات معقول معلوم ہوئی آپ قادسیہ اور عذیب کی راہ سے بائیں مڑ کر چلنے لگے ساتھ ساتھ حر بھی چلتا رہا۔ (طبری ص ۲۳۲ ج ۲)

باپ اور بیٹے کی گفتگو:

جب امام کا قافلہ قصر بنی مقاتل پہنچا تو آپ نے وہیں قیام فرمایا تھوڑی دور پر حر بھی ٹھہرا۔ آدھی رات کے بعد آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ پانی بھر لو اور چلو۔ ابھی تھوڑی دیر چلے تھے کہ ذرا آنکھ لگ گئی پھر چونک گئے اور تین بار فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العلمین ۔ یہ سن کر آپ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ کے قریب آئے اور عرض کیا ابا جان! اس وقت یہ کلمات زبان پر کیسے جاری ہوئے؟ فرمایا ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے دیکھا ایک سوار کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ راستے پر چل رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہم کو موت کی اطلاع دی گئی ہے۔ صاحبزادے نے کہا خدائے تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس خدائے ذوالجلال کی قسم جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ہم حق پر ہیں۔ بہادر صاحبزادے نے کہا جب ہم حق پر ہیں تو ایسی موت کی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ تمہیں وہ جزائے خیر عطا فرمائے جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہو۔

جب آپ کا قافلہ نینوا میں پہنچا تو کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ سب ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ آیا تو امام عالی مقام کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ حر کو سلام کیا اور اس کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا کہ حسین کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انہیں چٹیل میدان میں اترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو اور پانی نہ ہو۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے تاکہ تمہاری کارگزاری کی ہمیں اطلاع دے اور تم سے الگ نہ ہو جب تک کہ ہمارے حکم پر عمل نہ ہو جائے۔ حر نے امام اور ان کے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔ حضرت نے فرمایا اچھا ہم کو ذرا آگے بڑھ کر سامنے والے گاؤں غاضریہ یا شفیہ میں ٹھہرنے دو۔ حر نے کہا ہمیں تو چٹیل میدان میں ٹھہرانے کا حکم دیا گیا ہے اور نگراں ہمارے ساتھ ہے۔ ابن زیاد کو ہمارے طرز عمل کی اطلاع کر دے گا۔ حر کے اس جواب پر حضرت امام کے ساتھیوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ حضرت زہیر بن قین نے کہا یا ابن

رسول اللہ! ان سے جنگ کر لینا ہمارے لئے آسان ہے۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جو ان کے بعد آئیں گے اس لئے کہ وہ اتنے ہوں گے کہ ہم کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی۔ مگر حضرت نے فرمایا ہم اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے حر سے فرمایا اچھا کچھ تو چلنے دو۔ حر خاموش رہا اور آپ بائیں طرف چل پڑے۔

زمین کربلا:

ابھی آپ تھوڑا سا چلے تھے کہ حر کے سپاہیوں نے آ کر روک دیا اور کہا بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کا نام کربلا ہے۔ اس لفظ کو سنتے ہی آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا ھٰذِہٖ کَرْبَلَاءُ مَوْضَعُ کَرْبٍ وَّبَلَآءٍ ھٰذَا مَنَاخُ رِکَابِنَا وَمَحَطُّ رِحَالِنَا وَمَقْتَلُ رِجَالِنَا ۔ یہ کربلا ہے جو مقام کرب و بلا ہے یہی ہمارے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے یہیں ہمارے مال و اسباب اتریں گے اور اسی مقام پر ہمارے ساتھی قتل کئے جائیں گے۔ یہ محرم ۶۱ ہجری کی دوسری تاریخ پنجشنبہ (جمعرات) کا دن تھا۔

جب حر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ابن زیاد کو اس بات کی اطلاع دی۔ یہ وقت وہ تھا جبکہ ایران میں بغاوت ہوگئی تھی جس کو فرو کرنے کے لئے عمرو بن سعد کو چار ہزار فوج کا سردار بنایا گیا تھا اور ''رے'' کی حکومت کا پروانہ لکھ کر دیا گیا تھا۔ ابن سعد اپنی فوج کے ساتھ نکل کر ابھی تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ ابن زیاد نے اسے واپس بلا کر حکم دیا کہ پہلے حسین کی مہم سر کرو اس کے بعد ایران کی طرف روانہ ہو۔ عمرو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کا بیٹا تھا وہ نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے خوب واقف تھا اس لئے اس نے ابن زیاد سے کہا کہ مجھے اس امر کے لئے نہ بھیجیں۔ ابن زیاد نے کہا اگر حسین کے مقابلہ کے لئے نہیں جاتے ہو تو ''رے'' کی حکومت سے دستبردار ہو جاؤ۔ ابن سعد نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت لی پھر آخر دنیوی حکومت کی لالچ میں آ کر امام عالی مقام سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا اور وہی چار ہزار کی فوج جو ملک ایران جانے کے لئے

تیار تھی انہیں ساتھ لے کر تیسری محرم کو کربلا پہنچ گیا اور پھر برابر کمک پہنچتی رہی۔ یہاں تک کہ ابن سعد کے پاس ۲۲ ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ السلام کے ساتھ کل ۸۲ آدمی ہیں جن میں بیبیاں اور بچے بھی ہیں اور پھر جنگ کے ارادے سے بھی نہیں آئے تھے اسی لئے لڑائی کے سامان بھی نہیں رکھتے تھے۔ مگر اہل بیت نبوت کی شجاعت اور بہادری کا ابن زیاد کے دل پر اتنا اثر تھا کہ ان کے مقابلہ کے لئے ۲۲ ہزار کا لشکر جرار بھیج دیا۔ دوگنی چوگنی دس گنی تو کیا سو گنی تعداد کو بھی کافی نہیں سمجھا کوفہ کے تمام قابل جنگ افراد کو کربلا میں بھیج دیا اس کے باوجود لوگوں کے دل خوف زدہ ہیں اور جنگ آزمادلاوروں کے حوصلے پست ہیں آخر مجبوراً ان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ لشکر امام پر پانی بند کر دیا جائے تب ان کا مقابلہ کیا جا سکے گا۔ چنانچہ ابن سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ دریائے فرات پر مقرر کر دیا تا کہ امام اور ان کے ساتھی پانی کی ایک بوند نہ لے سکیں۔ یہ واقعہ حضرت امام علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام کے شہید ہونے سے تین دن پہلے کا ہے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۴۱)

ابن سعد نے حضرت امام کے پاس آدمی بھیجا کہ ان سے پوچھو وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تمہارے شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھ کر مجھے بلایا ہے اب اگر میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں واپس چلا جاؤں۔ ابن سعد نے اپنا سوال اور حضرت کا جواب لکھ کر ابن زیاد کو بھیج دیا۔ اس نے ابن سعد کو جواب میں لکھا کہ تم حسین اور ان کے تمام ساتھیوں سے کہو کہ وہ یزید کی بیعت کریں۔ اگر وہ بیعت کر لیں گے تو اس کے بعد ہم جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ ابن سعد کو جب یہ خط ملا تو اس نے کہا میں سمجھ گیا ابن زیاد کو امن وعافیت منظور نہیں۔

امام اور ابن سعد کی ملاقات:

حضرت امام علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام نے ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ آج رات میں ہم تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابن سعد نے یہ بات مان لی اور رات کے وقت بیس سواروں کے ساتھ دونوں لشکروں کے درمیان آیا۔ آپ بھی بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے پھر دونوں

نے اپنے اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا اور تنہائی میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ آخر میں حضرت امام نے فرمایا کہ میں تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے تم جسے چاہو میرے لئے منظور کرلو۔

(۱) جہاں سے آیا ہوں وہیں مجھے واپس چلے جانے دو۔

(۲) مجھے کسی سرحدی مقام پر لے چلو میں وہیں رہ کر وقت گزار لوں گا۔

(۳) مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی طرف جانے دو، اطمینان کے لئے تم بھی میرے پیچھے پیچھے چل سکتے ہو۔ میں یزید کے پاس جا کر اس سے براہ راست اپنا معاملہ طے کرلوں گا جیسے کہ میرے بھائی حضرت حسن نے امیر معاویہ سے طے کیا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا رویہ اتنا نرم اور سلجھا ہوا تھا کہ ابن سعد نے اقرار کیا کہ آپ صلح کے راستے پر ہیں اور اس نے بہت خوش ہو کر ابن زیاد کو لکھا کہ خدائے تعالیٰ نے آگ کا شعلہ بجھا دیا اور اتفاق کی صورت پیدا فرمادی اور امت کے معاملہ کو سلجھا دیا۔ پھر حضرت امام کی پیش کی ہوئی تینوں باتیں تحریر کیں اور آخر میں اپنی رائے بھی لکھی کہ اب اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اب اس معاملہ کو ختم ہونا چاہئے۔ ابن زیاد نے خط پڑھ کر کہا کہ یہ تحریر ایسے شخص کی ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے۔ اچھا میں نے منظور کرلیا۔ یہ سن کر بدبخت شمر ذی الجوشن اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کیا آپ یہ بات ان کی قبول کرتے ہیں جبکہ وہ آپ کی زمین پر اترے ہوئے ہیں اور آپ کے پہلو میں ہیں۔ واللہ اگر وہ آپ کی اطاعت کے بغیر یہاں سے چلے گئے تو قوت و غلبہ ان کے لئے ہوگا اور عاجزی و کمزوری آپ کے لئے۔ میری رائے میں ان کی خواہش کبھی نہیں منظور کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ بہت بڑی ذلت اور کمزوری کی نشانی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی آپ کے حکم پر سر جھکا دیں۔ پھر اگر آپ انہیں سزا دیں تو آپ کو اس کا حق ہے اور اگر معاف کردیں تو اس کا بھی اختیار ہے۔ رہی ابن سعد کی بات تو خدا کی قسم مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ حسین اور وہ رات رات بھر بیٹھے باتیں کیا کرتے ہیں۔

شمر خبیث کی اس فتنہ پرور تقریر سے ابن زیاد کی رائے بدل گئی کہا تم نے بہترین

مشورہ دیا ہے اور پھر ابن سعد کو لکھا کہ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم حسین کے بچانے کی فکر کرو اور سفارشی بن کر ان کی سلامتی چاہو۔ دیکھو اگر حسین اور ان کے تمام ساتھی میرے حکم پر سر جھکا دیں تو ان کو میرے پاس پہنچا دو اور اگر نہ مانیں تو سب کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو اور حسین کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر روند ڈالو۔ اس لئے کہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو ہمارا لشکر شمر کے حوالے کر دو وہ ہمارے حکم پر پورا پورا عمل کرے گا۔ یہ خط اس نے شمر کے سپرد کیا اور زبانی کہہ دیا کہ اگر ابن سعد میرے حکم پر عمل نہ کرے تو پہلے تم اس کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔ (طبری ج ۲ ص ۲۴۴)

ابن سعد نے جب یہ خط پڑھا تو شمر سے کہا کم بخت تم نے یہ کیا کیا؟ خدا تجھے غارت کرے تو میرے پاس یہ کیا لایا ہے؟ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ہی ابن زیاد کو میرے مشورہ پر عمل کرنے سے روک دیا اور اس بات کو بگاڑ دیا جس کے بننے کی امید تھی۔ خدا کی قسم حسین کبھی ابن زیاد کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے۔ شمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ دشمن کو قتل کرو گے یا لشکر میرے سپرد کرو گے؟

ابن سعد جو دنیا پر جان دینے والا اور بد بخت ازلی تھا اس نے کہا میں لشکر تمہارے سپرد نہیں کروں گا بلکہ یہ مہم میں خود ہی سر کروں گا۔ چنانچہ اس نے فوراً حملہ کا حکم دے دیا۔ یہ محرم کی نویں تاریخ جمعرات کا دن اور شام کا وقت تھا۔ حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ السلام نماز عصر کے بعد خیمہ کے دروازے پر تلوار کا سہارا لے کر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ فوج کے شور وغل کی آواز سن کر آپ کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا پردے کے پاس آئیں اور آپ کو جگا کر کہا دیکھئے دشمن کی فوج کی آواز بہت نزدیک سے آ رہی ہے۔

آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اِنَّكَ تَرُوْحُ اِلَيْنَا۔ تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔ حضرت زینب یہ خواب سن کر بے قرار ہو گئیں اور روتے ہوئے کہا: يَا وَيْلَتَاهُ مصیبت مصیبت۔ آپ نے فرمایا صبر کرو۔ خاموش رہو، اللہ مالک ہے۔ پھر امام نے حضرت عباس سے فرمایا پوچھو اس وقت حملہ کا سبب کیا ہے؟ حضرت عباس فوج کے سامنے آئے اور پوچھا۔ جواب ملا ابن زیاد

کا حکم ہے کہ آپ لوگ اس کی اطاعت کریں اور یا تو لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ حضرت عباس نے ان کے جواب سے امام عالی مقام کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا ان سے کہو کہ ایک رات کی مہلت دیں تا کہ آج رات بھر ہم اچھی طرح نماز پڑھ لیں۔ دعا مانگ لیں اور توبہ واستغفار کرلیں۔ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نماز اور دعا واستغفار سے کتنی محبت رکھتا ہوں۔ جب حضرت عباس نے فوج کے دستہ سے کہا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دی جائے۔ تو انہوں نے یہ بات مان لی۔ (طبری ج ۲ ص ۲۴۸)

ساتھیوں میں امام کی تقریر:

اس کے بعد حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر فرمائی۔ سب تعریفیں خدائے تعالیٰ کے لئے ہیں۔ آرام وتکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ اے اللہ! میں تیرا شکر بجالاتا ہوں تو نے ہمیں (اہل بیت) نبوت کی عزت عطا فرمائی"۔ قرآن کا علم دیا دین کی سمجھ عطا فرمائی اور سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور دل آگاہ کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار و بہتر نہیں جانتا اور نہ کسی کے گھر والوں کو اپنے گھر والوں سے زیادہ نیکوکار وصلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ سن لو! میں یقین رکھتا ہوں کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں کل ہماری شہادت ہے۔ میں تم سب کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کا اندھیرا چھایا ہوا ہے اسی میں جہاں تم لوگوں کا جی چاہے چلے جاؤ میری طرف سے کوئی تم پر الزام نہیں۔ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں۔ جب مجھے قتل کرلیں گے تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔

امام عالی مقام کی یہ تقریر سن کر سب سے پہلے حضرت عباس پھر آپ کے دوسرے بھائی، بیٹے، بھتیجے اور بھانجے سب نے بیک زبان کہا: کیا ہم اس لئے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں ایسا برا دن نہ دکھائے۔

امام نے پکار کر کہا اے اولاد عقیل! مسلم کا قتل ہونا تمہارے لئے کافی ہے تم چلے جاؤ

میں اجازت دیتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم یہ ہم سے ہرگز نہ ہوگا بلکہ ہم آپ کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ اپنی جانیں آپ پر قربان کردیں گے۔ خدائے تعالیٰ ہمیں وہ زندگی نہ دے جو آپ کے بعد ہو۔

حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی کھڑے ہوئے اور کہا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں یہ ہم سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم میں ان دشمنوں سے نیزہ کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے اور تلوار چلاؤں گا جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہ سکے گا۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس ہتھیار نہ ہوں گے تو میں پتھر مار مار کر دشمنوں سے لڑوں گا اور اس طرح میں اپنی جان آپ پر نچھاور کروں گا۔

حضرت سعد بن عبداللہ حنفی نے کہا خدا کی قسم آپ کا ساتھ چھوڑ کر ہم نہیں جائیں گے جب تک کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ثابت نہ کردیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے نواسے کی کیسی حفاظت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا اور پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا اور میری راکھ ہوا میں اڑا دی جائے گی اور اسی طرح ۷۰ مرتبہ میرے ساتھ ہوگا پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا اور یہ تو ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے پھر اس کے بعد دائمی عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

حضرت زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ ایسے ہی میرے ساتھ ہزار مرتبہ ہو مگر خدائے تعالیٰ آپ کو اور آپ کے نوجوانوں کو بچالے۔ غرضکہ اسی طرح آپ کے تمام ساتھیوں نے اپنی اپنی عقیدت اور جان نثاری ظاہر کی اور سب کا مطلب یہی تھا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا ہے کہ ہم آپ سے جدا ہو جائیں بلکہ ہم اپنے ہاتھوں اپنی گردنوں اور اپنی پیشانیوں سے آپ کو بچائیں گے یہاں تک کہ اپنی جانیں آپ پر قربان کردیں گے۔ (طبری ج ۶ ص ۲۵۰)

اس کے بعد آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں نے نماز و دعا اور توبہ استغفار میں ساری رات گزار دی اور اس کے ساتھ ہی خیموں کی پشت پر خندق کھود کر لکڑیاں بھر دیں تاکہ جنگ کے وقت ان میں آگ لگا دی جائے تو دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

کربلا میں قیامتِ صغریٰ

دسویں محرم کے دلدوز واقعات

عاشورہ کی رات ختم ہوئی اور دسویں محرم کی قیامت نما صبح نمودار ہوئی۔ حضرت امام عالی مقام علیٰ جدّہٖ وعلیہ السلام نے اہل بیت اور اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ فجر کی نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ پیشانیوں نے سجدے میں خوب مزے لئے اور زبانوں نے تسبیح وقرأت کے خوب لطف اٹھائے۔ اب دسویں محرم کا سورج عنقریب نکلنے والا ہے۔ حضرت امام، ان کے اہل بیت اور تمام ساتھی تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں ایک لقمہ کسی کے حلق سے نیچے نہیں اترا اور نہ ایک قطرہ پانی کسی کو میسر ہوا ایسے لوگوں پر ظلم و جفا کے پہاڑ توڑنے کے لئے ۲۲ ہزار کا تازہ دم لشکر موجود ہے۔ جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا۔ آقائے دوعالم ﷺ کے لال اور علی و فاطمہ کے نونہال کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔ حضرت امام میدان کارزار میں تشریف لے گئے اور ایک تقریر فرمائی۔ حمد وصلاۃ کے بعد آپ نے فرمایا اے لوگو! میرے نسب پر غور کرو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو کہ تمہارے لئے کیا میرا خون بہانا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے چچازاد بھائی علی کا فرزند نہیں ہوں؟ جو آٹھ دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ کیا سید الشہداء حضرت حمزہ میرے باپ کے چچا اور جعفر طیار خود میرے ہی چچا نہیں تھے۔ کیا تم میں سے کسی نے یہ نہیں سنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقت میں وہ سچ ہی ہے اس لئے کہ میں کبھی جھوٹ نہیں

بولتا۔ اور اگر تم میری بات جھوٹی سمجھتے ہو تو اب بھی اسلامی دنیا میں جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری اور انس بن مالک وغیرہ موجود ہیں ان سے پوچھ لو۔ کیا یہ حدیث تمہیں میرا خون بہانے سے روکنے۔ کے لئے کافی نہیں ہے؟

شمر بدبخت نے آپ کی تقریر میں مداخلت کرتے ہوئے کچھ بدتمیزی کی تو حبیب بن مظاہر نے اسے سخت جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے اس لئے تو نہیں سمجھ رہا ہے کہ حضرت امام کیا فرما رہے ہیں۔ شمر اور حبیب کی گفتگو کے بعد امام عالی مقام نے پھر فرمایا اے لوگو! اگر تمہیں اس حدیث میں شک ہے تو کیا اس میں شبہ ہے کہ میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم پورب سے لے کر پچھم تک پوری دنیا میں میرے سوا کوئی بھی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ نہ تم میں اور نہ تمہارے سوا دوسری قوموں میں اور میں تو خود تمہارے ہی نبی کا نواسہ ہوں۔ ذرا غور تو کرو کہ میرے قتل پر تم کیسے آمادہ ہو گئے؟ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی کا مال ہلاک کیا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے؟ جس کا بدلہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔

جب مخالفین کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو آپ نے پکار کر کہا اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم لوگوں نے خط لکھ کر مجھے نہیں بلایا تھا؟ انہوں نے کہا ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔ اچھا فرض کر لو تم نے نہیں لکھا تھا اور تم نہیں چاہتے تھے کہ میں ادھر آؤں تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں امن و امان کی زندگی بسر کر سکوں۔

قیس بن اشعث نے کہا آپ اپنے قرابت دار یعنی ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دیں پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم ایسا کیوں نہیں کہو گے تم محمد بن اشعث ہی کے بھائی تو ہو۔ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ تمہارے ہاتھ میں اپنا ہاتھ ہرگز نہیں دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کروں گا۔ مخالفین کے ماننے کی پہلے ہی سے امید نہ

تھی مگر امام عالی مقام کو اپنا فرض پورا کرنا تھا وہ ہو گیا پھر آپ اونٹنی بٹھا کر اتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دیں۔ (طبری ج ۲ ص ۲۵۷)

حر کا شوقِ شہادت:

جب عُمَرُو بن سعد جنگ شروع کرنے کے لئے آگے بڑھا تو حر بن یزید نے اس سے کہا خدا تیرا بھلا کرے کیا تو واقعی ان سے جنگ کرے گا؟ ابن سعد نے کہا ہاں۔ خدا کی قسم اور ایسی جنگ کہ جس میں سروں کی بارش ہو گی اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں گے۔ حر نے کہا ان کی پیش کی ہوئی باتوں میں سے کوئی بات بھی تم لوگوں کو منظور نہیں۔ اس نے کہا خدا کی قسم اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں؟ تمہارا حاکم نہیں مانتا۔ حر یہ سن کر وہاں سے ہٹ گیا۔ نواسۂ رسول سے جنگ کے تصور نے اس کے بدن پر کپکپی طاری کر دی اور چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے تو مہاجر بن اوس اسی کے قبیلے کا ایک شخص کہنے لگا حر یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ تم پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟ مجھ سے تو جب پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا مگر اس وقت تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ حر نے کہا یہ نواسۂ رسول سے جنگ ہے، اپنی عاقبت سے لڑائی ہے، میں اس وقت جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں مگر میں جنت کو کسی چیز کے بدلے نہیں چھوڑوں گا چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا جائے، یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام عالی مقام کی خدمت میں پہنچ گیا۔ عرض کیا فرزند رسول! میری جان آپ پر قربان۔ میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا، راستے میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں یہ ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ آپ کی پیش کی ہوئی باتوں میں سے یہ کسی ایک کو بھی نہیں مانیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کی بات نہیں قبول کریں گے تو میں ہرگز ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اب میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں۔ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی جان آپ کے قدموں پر قربان کرنے کے لئے حاضر

ہوں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی۔ حضرت نے فرمایا ہاں اللہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو ان شاءاللہ تعالیٰ تم دنیا و آخرت میں حر (آزاد) ہو۔ گھوڑے سے اترو۔ عرض کیا آپ کی مدد کے لئے میرا گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ اب میں آخری وقت ہی میں (شہید ہو کر) گھوڑے سے اتروں گا۔ حضرت نے فرمایا اچھا جو تمہارا جی چاہے وہی کرو خدائے تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ (طبری ج ۲ص ۲۶۰)

کوفیوں سے حُر کا خطاب:

حضرت امام علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام سے خطا معاف کرانے کے بعد حر فوراً میدان میں آ گیا اور پہلے ملائم الفاظ میں کوفیوں سے کہا۔ اے لوگو! حسین تین باتیں جو پیش کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو تم کیوں نہیں منظور کر لیتے تا کہ خدائے تعالیٰ تم کو ان کے ساتھ جنگ میں مبتلا ہونے سے بچالے۔ کوفیوں نے کہا ہمارے سپہ سالار عمرو بن سعد موجود ہیں ان سے بات کرو۔ ابن سعد نے کہا اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا۔ یہ سن کر حر کو غصہ آ گیا اور کہا اے کوفہ والو! خدائے تعالیٰ تم کو غارت کرے کہ تم نے نواسۂ رسول کو بلایا اور جب وہ آ گئے تو تم نے انہیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم کہتے تھے کہ ہم ان پر اپنی جان قربان کریں گے اور اب قتل کرنے کے لئے انہیں پر حملہ کر رہے ہو۔ ان کو تم نے گرفتار کر لیا، چاروں جانب سے ان کو گھیر لیا، تم نے ان کو خدا کی لمبی چوڑی زمین میں جدھر امن کا راستہ پائیں ادھر جانے سے روک دیا اور اب وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی کی طرح ہو گئے ہیں۔ تم نے ان کو، ان کے اہل حرم کو، ان کے بچوں کو اور ان کے ساتھیوں کو دریائے فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے روک دیا جسے یہودی، نصرانی اور مجوسی تک پیتے ہیں بلکہ کتے اور سور بھی اس میں لوٹتے ہیں۔ مگر اسی پانی کے لئے حسین اور ان کے اہل و عیال تڑپ رہے ہیں۔ تم نے رسول اکرم ﷺ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا ہے۔ اگر آج تم ابھی اسی دم توبہ نہیں کرو گے اور اپنے ارادے سے باز نہیں آؤ گے تو قیامت کے دن خدائے تعالیٰ تمہیں بھی پیاس سے تڑپائے گا۔ کوفیوں کے پاس چونکہ اس تقریر کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے وہ حر پر تیر برسانے لگے۔ حر نے یہ دیکھ کر تقریر بند کر دی اور چونکہ ابھی جنگ باقاعدہ شروع

نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ واپس آ کر امام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ (طبری ص ۲۶۰ ج ۲)

جنگ کی ابتداء:

حر کے واپس آنے کے بعد عمرو بن سعد نے فوج کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام ذُوید کو جو علمبردار لشکر تھا آواز دی کہ جھنڈا میرے قریب لاؤ وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ابن سعد نے کمان میں تیر جوڑ کر حسینی لشکر کی طرف سر کیا اور اپنی فوج سے پکار کر کہا گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی مارا ہے۔ سپہ سالار کے ان الفاظ کو سن کر اس کے لشکر میں جوش وخروش پیدا ہو گیا تو وہ بھی تیر برسانے لگے۔ اس طرح جنگ شروع ہو گئی اور اب دونوں طرف کے سپاہی نکل نکل کر اپنی بہادری کا جوہر دکھانے لگے۔ سب سے پہلے یسار اور سالم جو زیاد اور ابن زیاد کے آزاد کردہ غلام تھے کوفیوں کی طرف سے نکل کر میدان میں آئے اور مقابلہ کے لئے بلایا۔ امام عالی مقام کے دو جان نثار ساتھی حبیب بن مظاہر اور بُریر بن حفیر اٹھ کھڑے ہوئے، مگر امام نے ان کو روک دیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن عمیر کلبی جو اپنی بیوی اُمِ وہب کے ساتھ امام کی مدد کے لئے کربلا میں آ گئے تھے کھڑے ہو گئے اور جنگ کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے سر سے پیر تک ان پر نگاہ ڈالی دیکھا جوان قوی ہیکل ہے فرمایا اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو جاؤ۔ یہ تنہا دونوں کے مقابل ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ عبداللہ نے اپنا نام ونسب بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم تمہیں نہیں جانتے۔ ہمارے مقابلہ میں زہیر بن قین، حبیب بن مظاہر یا بُریر بن حفیر کو آنا چاہئے تھا۔ یسار اس وقت سالم سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ عبداللہ نے کہا: او فاحشہ کے بیٹے! تو مجھ سے لڑنے میں اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے یسار پر حملہ کیا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ وہ ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہو گیا۔ سالم نے ایک دم جھپٹ کر حملہ کر دیا عبداللہ نے اس کی تلوار کو بائیں ہاتھ پر روکا انگلیاں کٹ گئیں مگر داہنے ہاتھ سے اس پر ایک ایسا وار کیا کہ اسے بھی ڈھیر کر دیا اور جوش میں آ کر شعر پڑھنے لگے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے نہیں پہچانتے ہو تو پہچان لو میں خاندان کلب کا ایک فرزند ہوں۔ میرے حسب ونسب کے لئے اتنا کافی ہے کہ قبیلہ عُلیم میرا گھرانا ہے میں بڑی قوت والا ہوں اور مصیبت کے وقت پست ہمتی سے کام لینے والا نہیں ہوں۔

عبداللہ کی بیوی کو اپنے شوہر کی بہادری دیکھ کر جوش آ گیا خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لی اور آگے بڑھ کر کہا میرے ماں باپ تم پر قربان نواسۂ رسول (ﷺ) کی طرف سے لڑتے جاؤ۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور چاہا کہ انہیں خیمہ میں پہنچا دیں مگر وہ ماننے والی نہیں تھیں۔ عبداللہ کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی جس سے دشمن کا خون ٹپک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئی تھیں جن سے لہو بہ رہا تھا پھر بھی انہوں نے پوری قوت کے ساتھ بیوی کو واپس کرنا چاہا مگر جوش میں بھری ہوئی خاتون نے اپنا ہاتھ عبداللہ سے چھڑا لیا اور کہا میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ تمہارے ساتھ میں بھی جان دوں گی۔ امام عالی مقام نے آواز دی خدائے تعالیٰ تم دونوں کو اہل بیت رسالت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ بی بی تم واپس چلی آؤ کہ عورتوں پر قتال واجب نہیں۔ حضرت کے حکم کو سن کر وہ واپس آ گئیں۔

کربلا میں حضرت امام کی کرامتیں

دشمنوں کے گروہ میں ایک شخص گھوڑا کوداتا ہوا سامنے آیا جس کا نام مالک بن عروہ تھا۔ جب اس نے دیکھا لشکر امام کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہل خیمہ کی حفاظت کی جا رہی ہے تو اس گستاخ بد باطن نے حضرت امام سے کہا اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگا لی ہے۔ امام عالی مقام علیٰ جدہ وعلیہ السلام نے فرمایا كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ ۔ اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ کو اس بدبخت کا یہ جملہ بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے حضرت امام سے اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے انہیں اجازت نہیں دی مگر خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی یا الٰہ العٰلمین! عذاب نار سے پہلے اس گستاخ کو دنیا کے اندر آگ کے عذاب میں مبتلا فرما۔ امام کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں گیا، وہ گھوڑے سے گرا، اس کا پاؤں رکاب میں الجھا، گھوڑا اسے لے کر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔

حضرت امام نے سجدہ شکر کیا، اپنے پروردگار کی حمد وثنا کی اور عرض کیا اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے اہل بیت رسالت کے بدخواہ کو سزا دی۔ حضرت امام کی زبان سے یہ جملہ سن کر دشمنوں کی صف میں سے ایک اور بے باک نے کہا آپ کو پیغمبر خدا ﷺ سے کیا نسبت؟ یہ کلمہ تو حضرت کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ! اس بدزبان کو فوراً ذلت میں گرفتار کر۔ امام نے یہ دعا فرمائی اور اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی وہ گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضائے حاجت کے لئے برہنہ ہو کر بیٹھا ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا تو نجاست سے آلودہ تڑپتا پھرتا تھا۔ اس رسوائی کے ساتھ پورے لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی مگر سخت دِلان بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔

اور ایک مزنی نے امام کے سامنے آ کر کہا اے امام دیکھو تو دریائے فرات کیسا موجیں مار رہا ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں اس کا ایک قطرہ نہ ملے گا اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت امام نے اس کے حق میں فرمایا اَللّٰھُمَّ اَمِتْهُ عَطْشَانًا۔ یا رب اس کو پیاسا مار۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا اچھلا۔ مزنی گرا گھوڑا بھاگا اور مزنی پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا اور پیاس اس پر ایسی شدت کی غالب ہوئی کہ العطش العطش پکارتا تھا اور جب پانی اس کے منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ نہیں پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی پیاس کی شدت میں مر گیا۔ (سوانح کربلا ص ۱۰۶)

اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء
یعنی حسین ابن علی جان اولیاء

فرزند رسول کو یہ بات بھی دکھا دینی تھی کہ ان کی مقبولیت بارگاہ حق پر اور ان کے قرب ومنزلت پر جیسے کہ نصوص کثیرہ اور احادیث شہیرہ شاہد ہیں ایسے ہی ان کے خوارق وکرامات بھی گواہ ہیں۔ اپنے اس فضل کا عملی اظہار بھی اتمام حجت کے سلسلے کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلہ میں آنا خدا سے جنگ کرنا ہے اس کا انجام سوچ لو اور باز رہو مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے۔

امام کے ساتھیوں کی شجاعت اور شہادت

کوفی لشکر سے یزید بن معقل نکلا امام عالی مقام کی طرف سے بُریر بن حفیر نے بڑھ کر اس کے سر پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ تلوار یزید کی خود کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی اور ڈھیر ہوگیا۔ اتنے میں رضی بربر سے لپٹ گیا دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ آخر بُریر رضی کو گرا کر اس کے سینہ پر سوار ہوگئے۔ رضی چلایا تو کعب نے دوڑ کر بُریر کی پیٹھ میں نیزہ مارا اور وہ شہید ہوگئے۔ پھر امام عالی مقام کی طرف سے حر نکلے ان کے مقابلہ کے لئے یزید بن سفیان آیا۔ حر نے ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔ حر کے بعد نافع بن ہلال آگے بڑھے ان کے مقابلہ میں مزاحم بن حُریث آیا نافع نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابھی تک لڑائی اسی انداز میں ہو رہی تھی کہ دونوں طرف سے ایک ایک جوان میدان میں آتا لیکن کوفیوں کی طرف سے جو بھی آتا وہ بچ کے نہ جاتا۔ یہ حال دیکھ کر عمرو بن حجاج چلایا۔ اے بیوقوف کوفیو! تمہیں نہیں معلوم تم کن لوگوں سے لڑ رہے ہو یہ سب موت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ایک ایک کر کے ہرگز نہ جاؤ۔ عمرو بن سعد نے اس کی رائے کو پسند کیا اور اس طرح لڑائی کرنے سے منع کر دیا۔ پھر عمرو بن حجاج نے فوج کے ایک دستہ کے ساتھ امام عالی مقام کے میمنہ پر عام حملہ کر دیا۔ کچھ دیر تک جنگ ہوئی جس میں حضرت کے ایک جان نثار ساتھی مسلم بن عوسجہ شہید ہوگئے۔

اس کے بعد شمر ایک بڑی جماعت کے ساتھ امام کے میسرہ پر حملہ آور ہوا اور اس حملہ کے ساتھ ہی یزیدی لشکر چاروں طرف سے امام کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑا۔ بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ امام کے ساتھ کل ۳۲ سوار تھے لیکن جدھر وہ رخ کرتے تھے کوفیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ ابن سعد نے فوراً پانچ سو تیر اندازوں کو بھیجا۔ انہوں نے پہنچ کر حسینی لشکر پر تیروں کی بارش کر دی جس سے تمام گھوڑے زخمی اور بے کار ہوگئے لیکن امام عالی مقام کے جان نثار ہمت نہیں ہارے۔ گھوڑوں سے اتر پڑے بڑی بہادری و بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے اور کوفیوں کے چھکے

چھڑا دیئے۔ ایوب بن مشرح کہتا تھا خدا کی قسم حر بن یزید کے گھوڑے کو میں نے تیر مارا جو اس کے حلق میں اتر گیا بس وہ گر پڑا اور اس کی پیٹھ پر سے حر اس طرح کود پڑا جیسے شیر۔ پھر وہ تلوار کھینچ کر میدان میں آ گیا اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میرے گھوڑے کو بیکار کر دیا تو کیا ہوا میں حر شیر ببر سے زیادہ بہادر اور شریف ہوں۔ اور وہی ابن مشرح یہ بھی کہتا تھا کہ حر کی طرح تلوار چلاتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

(طبری ج ۲ ص ۲۶۷)

جب ظہر کا اول وقت ہو گیا تو امام عالی مقام نے فرمایا کوفیوں سے کہو ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دیں۔ اس پر بدبخت حصین بن نمیر نے کہا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب بن مظاہر نے جواب دیا: او گدھے! تو سمجھتا ہے کہ فرزند رسول ﷺ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہوگی۔ یہ سن کر ابن نمیر آگ بگولہ ہو گیا اس نے حبیب پر حملہ کر دیا۔ حبیب نے اپنے آپ کو بچا لیا اور جھپٹ کر اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ آگے کے دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور ابن نمیر اس کی پیٹھ سے نیچے گر گیا لیکن کوفیوں نے دوڑ کر اسے بچا لیا۔ پھر بہت سے کوفیوں نے حبیب کو گھیر لیا وہ دیر تک ان سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے لیکن تنہا ایک بڑی جماعت کا وہ کب تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ جب تھک گئے تو ایک تمیمی نے آپ پر نیزہ سے وار کیا آپ گر گئے اور ابھی اٹھ ہی رہے تھے کہ ابن نمیر نے آپ پر تلوار ماری آپ پھر گر گئے اور تمیمی نے گھوڑے سے اتر کر آپ کا سر کاٹ لیا۔

حبیب کی شہادت سے امام عالی مقام کے دل پر بڑا زبردست اثر پڑا۔ فرمایا کہ میں نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان کو خدائے تعالیٰ کے حوالے کیا۔ حر نے جب امام کو بہت رنجیدہ دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے ساتھ ہی زہیر بن قین بھی رہے دونوں نے بہت سخت لڑائی کی۔ ان میں سے ایک حملہ کرتا اور جب وہ دشمنوں میں گھر جاتا تو دوسرا حملہ کر کے اسے بچا لیتا۔ اسی طرح دیر تک یہ دونوں شمشیر زنی کرتے رہے۔ آخر میں بہت بڑی فوج نے حر کو گھیر لیا اور وہ شہید کر دیئے گئے۔ اب زہیر تنہا رہ گئے لیکن دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کیا پھر تلوار چلاتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

کربلا والوں نے روشن کردیا اسلام کو
شمعیں گل ہوتی گئیں، اور روشنی بڑھتی گئی

ہاشمی جوانوں کی بے مثل بہادری اور شہادت

کربلا میں امام عالی مقام علیٰ جدہ وعلیہ السلام کے ساتھیوں کی وفاداری کا یہ بھی ایک بہت بڑا کارنامہ رہا کہ جب تک ان میں کا ایک بھی باقی رہا امام پاک کے بھائی اور بیٹے بھتیجے وغیرہ کسی بھی بنی ہاشم کو انہوں نے لڑنے کے لئے میدان میں نہیں جانے دیا بلکہ ان کے کسی ایک فرد کو کوئی گزند بھی نہیں پہنچنے دیا۔ حالانکہ اس درمیان میں کوفیوں کی طرف سے بڑی زبردست تیروں کی بارش بھی ہوئی مگر اس کے باوجود ایک زخم بھی کسی ہاشمی جوان یا بچہ کو لگنے کا تاریخ میں پتا نہیں چلتا۔

ان سب کی شہادت کے بعد اب اسد اللہ الغالب کے شیروں، فاطمہ زہرا کے دلاروں اور سید الانبیاء ﷺ کے جگر پاروں کے لڑنے کی باری آئی ان کے میدان میں آتے ہی بڑے بڑے بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کی اسد اللّٰہی تلواروں کے حملوں سے شیر دل بہادر بھی چیخ اٹھے۔ انہوں نے ضرب وحرب کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمنوں کے خون سے پوری زمین کربلا رنگین ہوگئی اور کوفیوں کو ماننا پڑا کہ اگر ان لوگوں پر تین دن پہلے پانی بند نہ کیا جاتا تو ہاشمی خاندان کا ایک ایک جوان پورے لشکر کو تباہ و برباد کر ڈالتا۔

اولادِ عقیل کی شہادت:

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے امام عالی مقام سے راہ حق میں سر کٹانے کی اجازت طلب کی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا بیٹا میں تمہیں کیسے اجازت دے دوں ابھی تمہارے باپ کی جدائی کا داغ میرے دل سے نہیں مٹا ہے۔ عرض کیا میں اپنے باپ کے پاس جانے کے لئے بے قرار ہوں۔ حضرت نے ان کا شوق شہادت دیکھ کر اجازت دے دی۔ اس ہاشمی جوان نے میدان میں آ کر مقابلہ کے لئے پکارا۔ کوفی لشکر سے

قدامہ بن اسد جو بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا وہ آپ سے لڑنے کے لئے نکلا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں تلوار چلتی رہی آخر عبداللہ نے تلوار کا ایسا زبردست وار کیا کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر زمین پر آ گیا۔ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ تنہا آپ کے مقابلہ میں آتا۔ آپ شیر ببر کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے۔ صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے ان میں گھستے چلے گئے۔ بہتیروں کو زخمی کیا اور کئی ایک کو جہنم میں پہنچایا۔ آخر نوفل بن مزاحم حمیری نے آپ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت جعفر بن عقیل اپنے بھتیجے عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد اشکبار آنکھوں کے ساتھ میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھی کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ ہاشمی نسل اور غالب گھرانے کا ہوں۔ بیشک ہم سارے قبیلوں کے سردار ہیں اور حسین تمام لوگوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ پھر آپ نے لڑنا شروع کیا اور بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ بہت سے یزیدیوں کو خاک میں ملا دیا۔ دشمن جب تلوار سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکے تو چاروں طرف سے گھیر کر تیروں کی بارش شروع کی۔ آخر عبداللہ بن عروہ کے تیر سے شہید ہو کر آپ بہشت بریں میں جا پہنچے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل اپنے بھائی کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر بے چین ہو گئے اور بھوکے شیر کی طرح کوفیوں پر جھپٹ پڑے۔ صفوں کو درہم برہم کر دیا اور دشمنوں کے خون سے میدان کو لالہ زار بنا دیا۔ آخر عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن سوط ہمدانی نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔ دونوں بھائیوں کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن عقیل شیر ببر کی طرح میدان میں کود پڑے اور شمشیر زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے بہادروں کے دانت کھٹے کر دیئے اور بہت سے کوفیوں کو جہنم میں پہنچا دیا۔ آخر میں عثمان بن اسیم جہنی اور بشر بن سوط ہمدانی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔

یہ فقرہ کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

فرزندانِ علی کی شہادت:

اولادِ حضرت عقیل کی شہادت کے بعد اب حضرت علی مشکل کشا کے فرزندوں کی باری

آئی۔حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہما جو اسما بنت خثعمیہ کے بطن سے تھے امام عالی مقام سے اجازت لے کر میدان میں آئے۔اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔آخر قبیلہ بنی ابان کے ایک شخص نے آپ کو زخمی کیا اور جب آپ زمین پر گر گئے تو اس نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔رضی اللہ عنہ۔

اب حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی اور حضرت جعفر بن علی کھڑے ہوئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ تینوں فرزند ام البنین کے بطن سے تھے اور امام عالی مقام علیٰ جدہ وعلیہ السلام کے ایسے وفادار و جان نثار تھے کہ جب شمر عبیداللہ ابن زیاد کا خط لے کر کربلا کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو عبداللہ بن ابی محل جو ام البنین کا بھتیجا تھا' اور جس کا شمار کوفہ کے بڑے لوگوں میں تھا' اتفاق سے وہ بھی اس وقت وہاں موجود تھا' اس نے ابن زیاد سے کہا ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے فرزند حسین کے ساتھ ہیں۔آپ ان کے لئے امان نامہ لکھ دیجئے۔ابن زیاد نے ام البنین کے چاروں فرزند حضرت عباس اور ان تینوں حضرات کے لئے امان نامہ لکھ دیا جسے عبداللہ بن ابی محل نے اپنے آزاد کردہ غلام کزمان کے ہاتھ روانہ کیا۔وہ امان نامہ لے کر ان حضرات کے پاس پہنچا اور کہا آپ کے ماموں زاد بھائی نے آپ لوگوں کے لئے ابن زیاد سے امان نامہ لکھوا کر بھجوایا ہے۔ان چاروں غیور اور بہادر جوانوں نے بیک زبان کہا ہمارے بھائی کو ہماری طرف سے سلام کہہ دینا اور کہنا کہ ہم کو ابن زیاد کی امان کی ضرورت نہیں خدائے تعالیٰ کی امان ہمارے لئے کافی ہے۔شمر ذی الجوشن ام البنین ہی کے خاندان کا آدمی تھا۔ابن زیاد کا خط عمرو بن سعد کو پہنچانے کے بعد اس نے بھی جماعت حسینی کی طرف کھڑے ہو کر آواز دی کہ ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ ان حضرات نے پوچھا ہم سے کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا تم لوگوں کے لئے امان ہے۔ ان مجاہدوں نے جواب دیا کہ خدا کی پھٹکار ہو تجھ پر اور تیری امان پر کہ ہمارے لئے امان ہے اور فرزند رسول کے لئے امان نہیں۔(طبری ج ۲ ص ۲۴۵)

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہ تینوں بھائی ایک ایک کر کے میدان میں جاتے ہیں اور ہر ایک سینکڑوں کو فیوں پر بھاری ہوتے ہیں۔زور یداللّٰہی سے یزیدی لشکر کی صفوں کو درہم

برہم کردیتے ہیں اور قوت حیدری کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیتے ہیں۔ بالآخر بہت سے یزیدیوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد فرزند رسول پر اپنی جانوں کو قربان کردیتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

وہ عاشقانِ دلبرِ شاہنشہِ زمن　　وہ کُشتگانِ خنجرِ درد و غم و محن

پُرخوں پڑے تھے دشتِ مصیبت میں اس طرح

صحنِ چمن میں پھول بکھرتے ہیں جس طرح

شہادت حضرت قاسم:

اب ہاشمی خاندان کے ایک مہکتے ہوئے پھول حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں ان کی عمر ۱۹ سال ہے اور ان کی شادی کا رشتہ امام عالی مقام کی صاحبزادی سکینہ سے طے ہو چکا ہے۔ وہ حضرت کی خدمت میں دست بستہ کھڑے ہیں اور راہ حق میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ امام نے فرمایا بیٹا! تم میرے بھائی حسن مجتبٰی کی یادگار ہو میں کس طرح تمہیں تیروں سے چھلنی ہونے اور تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں؟ عرض کیا چچا جان! مجھے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت ضرور دیجئے اور مجھے اپنے اوپر قربان ہونے کی سعادت سے محروم نہ کیجئے۔ جب حضرت قاسم نے بہت اصرار کیا تو امام پاک نے روتے ہوئے انہیں اپنے سینے سے لگایا اور رخصت کردیا۔

دشمن کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ جب آپ میدان جنگ میں آئے تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے چاند کا ایک ٹکڑا سامنے نمودار ہو گیا۔ ان کے جسم پر زرہ بھی نہ تھی بلکہ صرف ایک پیرہن پہنے ہوئے شوق شہادت کے جوش سے میدان میں آ گئے۔ اور یزیدی لشکر سے فرمایا اے دین کے دشمنو! میں قاسم بن حسن بن علی ہوں جسے میرے مقابلہ میں بھیجنا ہو بھیجو۔ عمرو بن سعد نے ملک شام کے ایک نامی گرامی پہلوان ارزق سے کہا تم اس کے مقابلہ میں جاؤ۔ اس نے کہا میں ہرگز نہیں جا سکتا کہ بچے کے مقابلہ میں جانا ہماری توہین ہے۔ ابن سعد نے کہا تم اسے بچہ نہ جانو یہ حسن کا بیٹا اور فاتح خیبر کا پوتا ہے اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اس نے کہا کچھ بھی ہو میں ایسے بچہ کے مقابلہ میں نہیں جا سکتا البتہ

میرے چار بیٹے یہاں موجود ہیں میں ان میں سے ایک کو بھیج دیتا ہوں ابھی ایک منٹ میں اس کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔

ارزق کا بڑا بیٹا زہر میں بجھی ہوئی قیمتی تلوار چمکاتا ہوا اور بادل کی طرح گرجتا ہوا میدان میں آیا اور پہنچتے ہی حضرت قاسم پر وار کیا۔ آپ نے اس کے وار سے بچ کر ایسی تلوار ماری کہ وہ ایک ہی تلوار میں ڈھیر ہو گیا۔ آپ نے لپک کر اس کی تلوار اٹھا لی۔ اب ارزق کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر غصہ میں بھرا ہوا سامنے آیا۔ آپ نے پہلے ہی وار میں نیزہ مار کر اسے بھی جہنم میں پہنچا دیا۔ اب تیسرا بھائی غیظ وغضب میں بھرا ہوا آگے بڑھا اور گالیاں بکنے لگا۔ آپ نے فرمایا ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیتے کہ یہ اہل بیت نبوت کی شان کے خلاف ہے البتہ ہم تجھے تیرے بھائیوں کے پاس ابھی جہنم میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اسے بھی کھیرے کی طرح کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا۔ اب ارزق کا چوتھا بیٹا شیر کی طرح گرجتا ہوا حضرت قاسم پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے اس کے وار کو بیکار کر دیا اور اس کے کندھے پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آ گیا اور پھر پوری طاقت کے ساتھ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اس کے سر کو جسم سے الگ کر دیا۔

جب ہاشمی بہادر نے چند منٹوں میں ارزق کے چاروں بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیا تو وہ غصہ سے کانپنے لگا اور جن کے مقابلہ میں آنا پہلے وہ اپنی توہین سمجھتا تھا اب ان سے لڑنے کے لئے بے قرار ہو گیا۔ ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا اور شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آ کر حضرت قاسم کو للکارا کہ لڑ کے تیار ہو جاؤ موت تمہارے سر پر آ گئی۔ آپ نے فرمایا ارزق! ہوش کی دوا کر۔ تو اوروں کے لئے طاقت کا پہاڑ ہو گا۔ ابھی تو نے ہاشمی بہادروں کو نہیں دیکھا ہے۔ ہماری رگوں میں شیر خدا کا خون ہے تو ہمارے نزدیک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ارزق یہ طعنہ سن کر اور بھی آگ بگولہ ہو گیا اور حضرت قاسم پر نیزہ سے حملہ کر دیا۔ آپ نے اس کے وار کو بیکار کر دیا۔ پھر آپ نے بھی نیزہ سے وار کیا جو خالی گیا۔ اس طرح دونوں طرف سے کچھ دیر نیزہ بازی ہوئی۔ اس کے بعد ارزق نے تلوار کھینچی تو آپ نے بھی تلوار نکال لی۔ اس نے

جب آپ کے ہاتھ میں اپنے بیٹے کی تلوار دیکھی تو کہا یہ تلوار تو ہمارے لڑکے کی ہے تمہارے پاس کہاں سے آ گئی؟ آپ نے ہنس کر فرمایا تیرا بیٹا مجھے یادگار کے طور پر یہ تلوار اس لئے دے گیا ہے تاکہ میں تجھے اسی سے موت کے گھاٹ اتار کر تیرے بیٹوں کے پاس پہنچا دوں۔ یہ سن کر ارزق غصہ سے بھر گیا اور حضرت قاسم پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کے پیش نظر فرمایا ارزق! ہم تو تجھے نہایت تجربہ کار بہادر سمجھتے تھے لیکن تو نہایت اناڑی ہے کہ گھوڑے کی زین کسنے کا بھی سلیقہ نہیں رکھتا۔ آپ کے اس طرح فرمانے پر جب وہ جھک کر اپنے گھوڑے کی زین دیکھنے لگا تو اسی وقتِ آپ نے تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ گیا۔

گرا فولاد کا ٹکڑا زمیں پر سرنگوں ہو کر
تکبر بہ گیا زخموں کے رستے موجِ خوں ہو کر

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ارزق کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور خیمے کی طرف آ کر حضرت امام کی خدمت میں عرض کیا یَاعَمَّاہُ اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ۔ اے چچا جان! پیاس، پیاس۔ چچا جان! اگر ہمیں تھوڑا سا پانی پینے کو مل جائے تو ابھی ہم ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ امام عالی مقام نے فرمایا بیٹا! تھوڑی دیر اور صبر کرو عنقریب تم نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہیں کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ حضرت قاسم پھر میدان کی طرف پلٹ پڑے۔ ابن سعد نے کہا اس نوجوان نے ہمارے کئی نامی گرامی جوانوں کو قتل کر دیا ہے لہٰذا اب اس کے مقابلہ میں تنہا نہ جاؤ۔ اسے چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دو۔ دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ کے جسم پر ۲۷ زخم آئے۔ آخر میں شیث بن سعد نے آپ کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے اور یَاعَمَّاہُ اَدْرِکْنِیْ پکارا۔ یعنی اے چچا جان! میری خبر گیری فرمائیے۔ امام اپنے بھتیجے کی دردناک آواز سن کر دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ جسم نازنین زخموں سے چور ہے آپ نے ان کے سر کو گود میں لے لیا چہرۂ انور سے گرد و غبار صاف کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت قاسم نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر امام پاک کی گود میں پا کر مسکرائے پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

شہادت حضرت عباس:

برادرانِ اسلام! اب وہ وقت آ گیا کہ امام عالی مقام علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام کے علمبردار حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما امام پاک سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ بھائی جان! سارے بھائی بھتیجے اور بھانجے تو بھوکے پیاسے جام شہادت نوش کر لئے مگر اب ننھے ننھے شیرخوار بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور ان کا بلکنا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر فرات سے ایک مشکیزہ پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو پلاؤں۔ حضرت کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں فرمایا بھائی عباس! تم ہی میرے علمدار ہو اگر پانی لانے میں تم شہید ہو گئے تو پھر میرا علم کون اٹھائے گا اور میرے زخم دل پر مرہم کون لگائے گا؟ عرض کیا میری جان آپ پر قربان مجھے پانی لانے کی اجازت ضرور دیجئے کہ اب ننھے بچوں کی پیاس کی تکلیف میری قوت برداشت سے باہر ہے۔ بس آخری تمنا یہی ہے کہ ساقی کوثر کے جگر پاروں کو چند گھونٹ پانی پلا کر میں بھی اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ حضرت امام نے عباس کی طرف سے جب بہت اصرار دیکھا تو انہیں سینہ سے لگایا اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ ان کو اجازت دے دی۔ وہ ایک مشکیزہ کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور فرات کی طرف روزانہ ہوئے۔

یزیدی فوج نے جب حضرت عباس کو فرات کی طرف آتا ہوا دیکھا تو روک دیا۔ آپ نے فرمایا اے کوفیو! خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماؤ۔ افسوس صد افسوس کہ تم لوگوں نے بے شمار خطوط بھیج کر نواسۂ رسول کو بلایا اور جب وہ سفر کی مشقتیں اٹھا کر تمہاری زمین پر جلوہ افروز ہوئے تو ان کے ساتھ تم نے بے وفائی کی۔ دشمنوں سے مل کر ان کے تمام رفقاء اور عزیز و اقارب کو شہید کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایک ایک بوند پانی کے لئے ترسا رہے ہو۔ سوچو قیامت کے دن ان کے نانا جان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ کوفیوں نے جواب دیا کہ اگر ساری دنیا پانی ہو جائے تب بھی ہم تمہیں پانی کا ایک قطرہ نہیں لینے دیں گے جب تک کہ حسین یزید کی بیعت نہ کر لیں۔ ظالموں کا یہ جواب سن کر آپ کو جلال آ گیا۔ فرمایا حسین سر کٹا سکتے ہیں لیکن باطل کے سامنے جھکا نہیں سکتے۔

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

پھر حضرت عباس شیر کی طرح ان پر جھپٹ پڑے اور تلوار آبدار دھواں دھار چلانے لگے یہاں تک کہ بہت سے دشمنوں کو موت کی نیند سلاتے ہوئے فرات کے قریب پہنچ گئے۔ پانی کے کنارے والی فوج نے جب آپ کو دیکھا تو وہ آہنی دیوار بن گئی مگر شیر خدا کا شیر مارتے کاٹتے اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے آگے بڑھا اور گھوڑے کو فرات میں داخل کر دیا۔ مشکیزہ بھرا اور ایک چلو ہاتھ میں پانی لے کر پینا چاہا کہ ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور بلکنا یاد آ گیا تو آپ کی غیرت ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ساقی کوثر کے دلارے اور علی و فاطمہ کے جگر پارے تو پیاس سے تڑپیں اور ہم سیراب ہو جائیں۔ آپ نے چلو کا پانی ڈال دیا اور بھرا ہوا مشکیزہ بائیں کاندھے پر لٹکائے ہوئے نکل پڑے، چاروں طرف سے شور ہوا راستہ روک لو۔ مشکیزہ چھین لو۔ پانی بہا دو کہ اگر حسین کے خیمہ تک پانی پہنچ گیا تو پھر ہمارا ایک سپاہی نہیں بچے گا سب کی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور سارے بچے یتیم ہو جائیں گے اور حضرت عباس اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح اہل بیت نبوت کے پیاسوں تک یہ پانی پہنچ جائے۔ جب دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کرنا شروع کر دیا۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں اور خون کی ندی بہنے لگی اور شیر خدا کے شیر نے ثابت کر دیا کہ میرے بازوؤں میں قوت حیدری اور رگوں میں خون علی ہے۔

آپ برابر دشمنوں کو مارتے کاٹتے اور چیرتے پھاڑتے ہوئے خیمہ حسینی کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک بدبخت جس کا نام زرارہ تھا پیچھے سے دھوکہ دے کر ایسی تلوار چلائی کہ ہاتھ کندھے سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ آپ نے فوراً داہنے کندھے پر مشکیزہ لٹکا لیا اور اسی ہاتھ سے تلوار بھی چلاتے رہے کہ پھر اچانک نوفل بن ارزق خبیث نے داہنا بازو بھی کاٹ کر الگ کر دیا۔ اب آپ نے مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا مگر مشکیزہ کا خیمہ حسینی تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا ایک بدبخت کا تیر مشکیزہ میں ایسا لگا کہ پار ہو گیا اور اس کا سارا پانی بہ گیا۔ پھر ظالموں نے چاروں طرف سے گھیر کر آپ کو زخموں سے چور چور کر دیا یہاں تک

کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر آ گئے اور یَا اَخَاهُ اَدْرِكْنِیْ فرمایا یعنی اے بھائی جان! میری خبر گیری فرمائیے۔ امام عالی مقام دوڑ کر تشریف لائے دیکھا کہ عباس علمدار خون میں نہائے ہوئے ہیں اور عنقریب جام شہادت نوش کرنے والے ہیں۔ شدت غم سے امام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے اَلْاٰنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِیْ ۔ اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ پھر عباس کی لاش کو آپ اٹھا کر خیمہ کی طرف لا رہے تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

لُوٹا اجل نے شیرِ الٰہی کے باغ کو
بھائی کے دل سے پوچھیے بھائی کے داغ کو

شہادت حضرت علی اکبر:

اب امام عالی مقام کے سامنے آپ کے لخت جگر نور نظر شبیہ پیمبر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور میدان جنگ میں جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے محبت بھری نگاہ اپنے فرزند ارجمند پر ڈالی اور فرمایا بیٹا میں تمہیں کس بات کی اجازت دوں، کیا تیروں سے چھلنی ہونے اور تلواروں سے کٹنے کی اجازت دوں؟ کیا میں تمہیں خاک وخون میں غلطاں ہونے کی اجازت دوں؟ بیٹا! تم نہ جاؤ میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں مجھے شہید کرنے کے بعد یہ پھر کسی سے تعارض نہ کریں گے۔ علی اکبر نے عرض کیا باباجان! میں آپ کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتا مجھے بھی بہشت بریں میں ناناجان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیجئے۔ چہیتا بیٹا جس کی کبھی کوئی ہٹ اور ضد ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی گئی ہو مگر آج تو وہ گردن کٹانے اور خاک وخون میں لوٹنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ اجازت دیں تو کس طرح؟ اور نہ دیں تو اس کا شیشہ دل چور چور ہو جائے گا اور باغ رسالت کا گل شاداب رنج وغم سے کمھلا جائے گا۔ مگر جب بیٹے کا اصرار بہت زیادہ بڑھا تو امام عالی مقام کو چارو ناچار اجازت دینا ہی پڑی۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہوئے تو امام عالی مقام نے خود اپنے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کیا۔ اسلحہ اپنے دست مبارک سے لگایا۔ فولادی ٹوپی سر پہ رکھی، کمر پر پٹکا باندھا، تلوار حمائل کی اور نیزہ اپنے دست اقدس سے ان کے ہاتھ میں دیا۔

بیٹے نے اپنے بابا جان اور خیمہ میں کھڑی ہوئی دکھ رسیدہ بیبیوں کو سلام کیا اور میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔

اٹھارہ سال کا یہ حسین جوان جس کا چہرہ زیبا آقائے دوعالم نورِ مجسم ﷺ کے جمال جہاں آراء کا خطبہ پڑھ رہا تھا اور جس کا روئے تاباں حبیب کبریا کے جلوۂ زیبا کی یاد دلا رہا تھا میدان کارزار میں پہنچ گیا۔ اسد اللٰہی شیر نے صف اعداء کی طرف نظر کی۔ ذوالفقارِ حیدری چمکائی اور یہ رجز پڑھنا شروع کی:

اَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنِ عَلِیْ

نَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِیْ

یعنی اے یزیدیو! جان لو کہ میں علی اکبر ہوں' میرے باپ کا نام حسین ہے جو فاتح خیبر علی حیدر کے نورِ نظر ہیں اور کان کھول کر سن لو کہ ہم اہل بیت رسالت ہیں اللہ کے پیارے رسول سے ساری دنیا میں ہم سے زیادہ کوئی قریبی نہیں ہے۔

شہزادہ عالی وقار نے جس وقت یہ رجز پڑھی ہوگی میدان کربلا کا ایک ایک چپہ اور ریگستان کوفہ کا ایک ایک ذرّہ کانپ گیا ہوگا مگر یزیدی جن کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا انہوں نے کوئی اثر نہ لیا اور ان کا سینہ اہل بیت نبوت کے کینہ سے پاک نہ ہوا۔

پھر آپ نے فرمایا اے ظالمو! اگر تم اولاد رسول کے خون کے پیاسے ہو تو جو شخص تم میں سے بہادر ہو اسے میدان میں بھیجو، زور اسد اللٰہی دیکھنا ہو تو میرے مقابلہ میں آؤ۔ مگر کس کی ہمت تھی کہ آگے بڑھتا اور کس کے دل میں تاب وتواں تھی کہ تنہا شیرِ ژیاں کے سامنے آتا۔ جب بار بار کی للکار کے باوجود کوئی مقابلہ میں نہیں آیا تو آپ نے خود ہی آگے بڑھ کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ کر دیا جس طرف کا رخ کیا یزیدی لشکر کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا اور ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر جوانوں کو گرا دیا۔ کبھی لشکر کے میمنہ پر چمکے تو اسے منتشر کر دیا اور کبھی پلٹ کر فوج کے میسرہ پر جھپٹے تو اس کی صفوں کو درہم برہم کر ڈالا اور کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگا کر شمشیر زنی کا وہ جوہر دکھایا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ہر طرف شور برپا ہو گیا۔ بڑے بڑے سورما ہمت ہار گئے اور بڑے بڑے بہادروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

ہاشمی شیر کا حملہ نہ تھا بلکہ قہرِ الٰہی کا ایک عذاب عظیم تھا جو یزیدیوں پر نازل ہو گیا تھا۔

تیز دھوپ اور تپتے ہوئے ریگستان میں لڑتے لڑتے جب پیاس سے بے قرار ہو گئے تو آپ پلٹ کر امام عالی مقام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یَا اَبَتَاہُ اَلْعَطَش ۔ اباجان! پیاس کا بہت زیادہ غلبہ ہے۔ اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے تو میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ مہربان باپ نے عزیز بیٹے کی پیاس دیکھی مگر یہاں پانی کہاں تھا جو اس تشنہ شہادت کو پلایا جاتا۔ دست شفقت سے چہرہ گلگوں کا گرد و غبار صاف کیا اپنی انگوٹھی دی کہ اسے منہ میں رکھ لو اور فرمایا بیٹا! اب تمہاری سیرابی کا وقت بہت نزدیک آ گیا ہے۔ عنقریب تم ساقی کوثر نانا جان ﷺ کے دست اقدس سے کوثر کا ایسا جام پیو گے کہ اس کے بعد کبھی تمہیں پیاس نہیں ستائے گی۔

شفیق باپ کی تسلی سے کچھ تسکین ہوئی تو پھر آپ میدان جنگ میں پہنچ گئے اور دشمنوں کے مقابلہ ہو کر پکارا ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ ہے کوئی جو میرے سامنے آئے۔ عمرو بن سعد نے طارق بن شیث پہلوان سے کہا بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک نوجوان اکیلا میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں ہو۔ اس نے پہلی مرتبہ للکارا اور جب تم میں سے کوئی مقابلہ میں نہ گیا تو اس نے خود آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ تمہاری صفوں کو درہم برہم کر دیا اور تمہارے بہت سے بہادروں کو تہ تیغ کر دیا۔ بھوکا ہے، پیاسا ہے اور دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے اس حال میں وہ تمہیں پھر للکار رہا ہے مگر تم میں سے کوئی اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ تف ہے تمہارے دعوائے شجاعت پر۔ اگر غیرت ہے تو میدان میں پہنچ کر اس کا مقابلہ کر اور سر کاٹ کر لے آ۔ تم نے یہ کام انجام دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ عبید اللہ بن زیاد سے تمہیں موصل کی گورنری دلا دوں گا۔ طارق بدبخت گورنری کی لالچ میں فرزند رسول ﷺ کا خون بہانے کے لئے دوڑ پڑا اور سامنے پہنچتے ہی شبیہ پیمبر پر نیزہ سے حملہ کر دیا۔ مگر ہاشمی شیر نے کمال ہنرمندی سے اس کے وار کو بیکار کر کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ پیٹھ سے نکل گیا اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ شہزادے نے اس کو روند ڈالا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے جب اپنے باپ کو اس طرح قتل ہوتے دیکھا تو وہ غصہ میں آگ بگولہ ہو گیا اور دوڑ کر حضرت علی اکبر پر حملہ کر دیا شہزادے نے ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اب طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لئے شہزادۂ حسین پر ٹوٹ پڑا۔

حضرت علی اکبر نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہزادے کی ہیبت سے پورا یزیدی لشکر تھرا گیا۔

ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع بن غالب کو مقابلہ کے لئے بھیجا وہ نیزہ تان کر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اس کے نیزہ کو تلوار سے قلم کر دیا اور پھر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ وہ تنہا ہاشمی شیر کے مقابل آتا۔ آخر ابن سعد نے محکم بن طفیل کو ہزار سواروں کے ساتھ یکبارگی حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ان بدبختوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ آپ بھی برابر جوابی حملے کرتے رہے اور دشمنوں کو خاک و خون میں ملاتے رہے لیکن نیزہ و تلوار کی لگاتار ضربوں سے آپ کا تن نازنین زخموں سے چور چور ہو گیا اور چمنستان فاطمہ کا یہ پھول اپنے خون سے رنگین ہو گیا۔ بالآخر آپ پشت زین سے روئے زمین پر آ گئے اور پکارا یَا اَبَتَاهُ اَدْرِكْنِیْ ۔ اے ابا جان! میری خبر گیری فرمایئے۔ امام عالی مقام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور شہزادے کو اٹھا کو خیمہ میں لائے۔ سر کو گود میں لیا اور ان کے چہرۂ انور سے خون آلود گرد صاف کرنے لگے کہ اتنے میں علی اکبر نے آنکھیں کھول دیں امام پاک کے آخری دیدار سے محظوظ ہوئے پھر آنکھیں بند ہو گئیں اور بہشت بریں کو روانہ ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

جہاں بھر کے یزیدی کو پیامِ مرگ لائے گا
شہیدانِ وفا کا خونِ ناحق رنگ لائے گا

شہادت حضرت علی اصغر:

امام عالی مقام کے چھوٹے فرزند حضرت علی اصغر جو ابھی بہت کم عمر اور شیر خوار ہیں پیاس سے بے چین ہیں تشنگی کی شدت سے تڑپ رہے ہیں۔ بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے۔ خیمہ میں پانی کا ایک قطرہ نہیں ہے، چھوٹا بچہ سوکھی زبان باہر نکالتا ہے بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ ماں سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ گود میں لئے امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا میرے سرتاج! اب علی اصغر کی پیاس دیکھی نہیں جاتی، اس ننھی سی جان کی بے چینی قوت

برداشت سے باہر ہے۔ اس کے رونے اور تڑپنے سے کلیجہ پاش پاش ہوا جارہا ہے۔ آپ اس کو گود میں لے کر جائیے اور ظالموں کو دکھائیے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچے کی پیاس پر ترس آجائے اور پانی کے چند گھونٹ اس کو پلادیں۔

امام عالی مقام اس ننھے بچے کو سینہ سے لگا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے جو پیاس سے دم توڑ رہا ہے۔ یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلا کر تم سے پانی کے چند گھونٹ طلب کر رہا ہے۔ اگر تمہارے نزدیک مجرم ہوں تو میں ہوں اس بچے کا تو کوئی جرم نہیں ہے۔ اس کو تو پانی پلادو۔ دیکھو پیاس کی شدت سے اس کی حالت کیسی ہو رہی ہے۔ اگر تم لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی رحم ہو تو اس ننھے بچے کے لئے تھوڑا سا پانی دے دو۔

امام عالی مقام کی اس تقریر کا ظالمان سنگ دل پر کوئی اثر نہیں ہوا اور بے زبان بچے پر ان کو ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ پانی کے بجائے ایک بدبخت ازلی حرملہ بن کاہل نے تیر کا ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے حلق کو چھیدتا ہوا امام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حضرت امام نے تیر کھینچا تو علی اصغر کے گلے سے خون کا فوارہ ابلنے لگا اور بچے نے باپ کے ہاتھوں میں تڑپ کر جان دے دی۔

زخمی جگر خبیثوں نے توڑا حسین کا
بچہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسین کا

امام عالی مقام نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا الٰہ العٰلمین! حسین کی یہ ننھی قربانی بھی قبول فرمالے۔ پھر ننھے شہید کی لاش کو اپنے کلیجے سے لگا کر آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب ماں کی گود میں علی اصغر کی لاش کو دیا تو ماں نے ہائے میرا لال کہہ کر لاش کو کلیجے سے لگا لیا اور روتے ہوئے کہا: آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ کیونکہ اب تم کو اپنے سینے سے لگانا کبھی مجھے نصیب نہ ہوگا۔ ہائے افسوس!

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

تاجدار کربلا امام عالی مقام کی شہادت

اب جگر پارۂ رسول، شہزادۂ بتول، علی کے نورعین، مومنوں کے دل کے چین، جنتی نوجوانوں کے سردار، مجاہدوں کے قافلہ سالار، ابن حیدر کرار، شہنشاہ کربلا، پیکر صبر و رضا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت آ گیا۔ جب آپ نے میدان جنگ میں جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زین العابدین اپنی بیماری کی نقاہت اور کمزوری کے باوجود نیزہ لئے ہوئے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: بابا جان! پہلے ہمیں میدان کارزار میں جانے اور اپنی جان کے نثار کرنے کی اجازت دیجئے۔ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں یہ نہیں ہو سکتا۔ امام عالی مقام نے نور نظر کو اپنی آغوش محبت میں لیا' پیار کیا اور فرمایا بیٹا! میں تمہیں کیسے اجازت دے دوں؟ علی اکبر بھی شہید ہو گئے۔ قاسم بھی دنیا سے چلے گئے اور تمام عزیز و اقارب جو ہمراہ تھے سب راہ حق میں نثار ہو چکے ہیں۔ میں تمہیں اجازت دے دوں تو خواتین اہل بیت کا کوئی محرم نہیں رہ جائے گا۔ ان بیکسان غریب الوطن کو مدینہ کون پہنچائے گا؟ تمہاری ماؤں بہنوں کی نگہداشت و خبر گیری کون کرے گا؟ میرے پیارے بیٹے! تمہیں زندہ رہنا ہے، تمہیں شہید نہیں ہونا ہے ورنہ میری نسل کس سے چلے گی؟ حسینی سادات کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا؟ میرے جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کے سپرد کی جائیں گی؟ میرے لخت جگر! یہ ساری امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ دیکھو میری طرح صبر و استقامت سے رہنا راہ حق میں ہر آنے والی تکلیف و مصیبت کو برداشت کرنا اور ہر حالت میں اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ان کی سنت کی پیروی کرنا، میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو تمہیں میدان کارزار میں جانے کی اجازت نہیں۔ پھر امام عالی مقام نے ان کو تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا اپنی دستار مبارک اتار کر ان کے سر پر رکھ دی اور انہیں بستر

علالت پر لٹا دیا۔

اب امام پاک اپنے خیمہ میں تشریف لائے صندوق کھولا، قبائے مصری زیب تن فرمائی اور تبرکات میں سے اپنے نانا جان ﷺ کا عمامہ مبارک سر پر باندھا، سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی۔ شیر خدا کی تلوار ذوالفقار گلے میں حمائل کی اور جعفر طیار کا نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اس طرح تاجدار کربلا، پیکر صبر و رضا سب کچھ راہ حق میں قربان کرنے کے بعد اب اپنی جان نذر کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بیبیوں نے جب اس منظر کو دیکھا تو ان کے چہروں کے رنگ اڑ گئے اور آنکھوں سے موتی ٹپکنے لگے۔ حضرت زینب نے آنسو بہاتے ہوئے کہا پیارے بھیا! بیویوں نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہا ہمارے سرتاج! اور حضرت سکینہ نے روتے ہوئے کہا بابا جان! کہاں جا رہے ہو۔ اس جنگ میں ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو؟ جو درندے ننھے علی اصغر پر رحم نہیں کھاتے وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ فرمایا اللہ تم لوگوں کا حافظ و نگہبان ہے۔ پھر آپ نے تمام اہل خیمہ کو صبر و شکر کی وصیت فرمائی اور سب کو اپنا آخری دیدار دکھا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت

غریب الوطن اور بے کس مسافروں کا دکھ رسیدہ قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتا رہا۔ پردہ نشینان حرم حسرت و یاس کی خاموش تصویریں بنی ہوئی کھڑی رہیں اور سب کی آنکھوں سے اشک غم کے موتی ٹپکتے رہے، مگر کوئی چیز حضرت امام کے پاؤں کی بیڑی نہ بن سکی۔ آپ نے سب کو خدا کے حوالے کیا اور دشمنوں کے سامنے پہنچ گئے۔ کئی دن کے بھوکے پیاسے ہیں اور بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور جان نثار ساتھیوں کے غم سے نڈھال ہیں۔ اس کے باوجود پہاڑوں کی طرح جمی ہوئی فوجوں کے مقابلہ میں شیر کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جو آپ کے نسب اور ذاتی فضائل پر مشتمل تھی۔

پھر آپ نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی اس میں آپ نے حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا اے لوگو! تم جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہو اسی رسول کا ارشاد ہے کہ جس نے حسن و حسین سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی تو اے

یزیدیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری دشمنی سے باز آؤ۔ اگر واقعی خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو سوچو اس خدائے شہید و بصیر کو کیا جواب دو گے؟ اور رسول اکرم ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ بے وفاؤ! تم نے مجھے خطوط بھیج کر بلایا اور جب میں یہاں آیا تو تم نے میرے ساتھ ایسا برا سلوک کیا کہ مظالم کی انتہا کر دی۔ ظالمو! تم نے میرے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو خاک و خون میں تڑپایا، چمن زہرا کے ایک ایک پھول کو کاٹ ڈالا۔ میرے تمام ساتھیوں کو شہید کر دیا اور اب میرے خون کے پیاسے ہو۔ اپنے رسول کا گھر ویران کرنے والو! اگر قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اپنے انجام پر غور کرو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو۔ پھر یہ بھی سوچو کہ میں کون ہوں؟ کس کا نواسہ ہوں؟ میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی لخت جگر ہیں؟ میں انہیں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں کہ جن کے پل صراط پر گزرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اے اہل محشر! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھیں بند کر لو کہ حضرت خاتون جنت ۷۰ ہزار حوروں کے ساتھ گزرنے والی ہیں۔ بے غیرتو! اب بھی وقت ہے، شرم سے کام لو اور میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرو۔

حضرت امام کی تقریر سن کر یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ متاثر ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن شمر وغیرہ بدبخت خبیثوں نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ جب انہوں نے لشکریوں پر حضرت امام کی تقریر کا کچھ اثر دیکھا تو شور و غل مچانا شروع کر دیا کہ آپ یا تو یزید کی بیعت کر لیں اور یا تو جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ہم کچھ سننا نہیں چاہتے۔ امام نے فرمایا اے بدباطنو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہارے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی مہر لگ چکی ہے اور تمہاری غیرت ایمانی مردہ ہو چکی ہے لیکن میں نے یہ تقریر صرف اُتمامِ حُجت کے لئے کی ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام برحق کو نہیں پہچانا تھا۔ الحمد للہ! میں نے تمہارا یہ عذر ختم کر دیا۔ اب رہا یزید کی بیعت کا سوال؟ تو یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکا دوں۔

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ یہ بدبخت میرے قتل کا وبال اپنی گردن پر ضرور لیں

گے اور میرا خون بہانے سے کسی طرح باز نہیں آئیں گے تو آپ نے فرمایا اب تم لوگ جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جسے میرے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو۔ بڑے بڑے مشہور بہادر جو شیر خدا کے شیر سے مقابلہ کے لئے محفوظ رکھے گئے تھے ان میں سے ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم بن قحطبہ کو حضرت امام سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔ جو ملک شام کا نامی گرامی پہلوان تھا۔ وہ غرور و تمکنت سے ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا اور اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہوا حضرت کے سامنے آیا اور پہنچتے ہی آپ پر حملہ کرنا چاہا ابھی اس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ شیر خدا کے شیر نے ذوالفقار حیدری سے ایسا جچا تلا وار کیا کہ اس کا سر جسم سے اڑا دیا اور اس کے گھمنڈ کو خاک میں ملا دیا۔

پھر یزید ابطحی بڑے کروفر کے ساتھ آگے بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابل بہادری کا جوہر دکھا کر یزیدیوں کی جماعت میں اپنی شاباشی حاصل کرے اور انعام و اکرام کا مستحق بنے۔ آپ کے سامنے پہنچ کر ایک نعرہ مارا اور کہا کہ شام و عراق کے بہادر اِن کو وِشکن میں میری بہادری کا غلغلہ ہے، میں روم و مصر میں شہرہ آفاق ہوں، بڑے بڑے بہادروں کو آنکھ جھپکتے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔ ساری دنیا کے لوگ میری شجاعت و بہادری کا لوہا مانتے ہیں اور میرے سامنے بھیڑ بکری کی طرح بھاگتے ہیں کسی میں مجھ سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ آج تم میری قوت اور میرے داؤ پیچ کو دیکھو۔ امام عالی مقام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں۔ میں اپنی رگوں میں ہاشمی خون رکھتا ہوں۔ فاتح خیبر شیر خدا علی مشکل کشا کا شیر نر ہوں تم جیسے نامردوں کی میری نگاہ میں کوئی حقیقت نہیں، میرے نزدیک مکھی اور مچھر سے زیادہ تیری حیثیت نہیں۔ شامی جوان یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً گھوڑا کدا کر آپ پر تلوار کا وار کر دیا۔ حضرت امام نے اس کے وار کو بیکار کر دیا اور پھر جھپٹ کر اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

گرا فولاد کا ٹکڑا زمیں پر سرنگوں ہو کر
تکبر بہ گیا زخموں کے رستے موجِ خوں ہو کر

بدر بن سہیل یمنی اس منظر کو دیکھ کر غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور ابن سعد سے کہا تم نے کن گنواروں کو حسین کے مقابلے میں بھیج دیا جو دو ہاتھ بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ میرے

چاروں بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیج دے پھر دیکھ ابھی منٹوں میں حسین کا سر کاٹ کر لاتے ہیں۔ ابن سعد نے اس کے بڑے بیٹے کو اشارہ کیا وہ گھوڑا کدا تا ہوا امام عالی مقام کے سامنے پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا بہتر ہوتا کہ تیرا باپ مقابلہ میں آتا تا کہ وہ تجھے خاک وخون میں تڑپتا ہوا نہ دیکھتا۔ پھر آپ نے ذوالفقار حیدری سے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر کے جہنم میں پہنچا دیا۔

بدر نے جب اپنے مشہور شہسوار بیٹے کو اس طرح ذلت کے ساتھ قتل ہوتا ہوا دیکھا تو غیض وغضب کا پتلا بن کر دانت پیستے ہوئے گھوڑا دوڑا کر امام کے سامنے آیا اور پہنچتے ہی نیزہ سے وار کیا۔ آپ نے اس کے نیزہ کو قلم کر دیا۔ اس نے فوراً تلوار سنبھالی اور کہا حسین! دیکھنا میں وہ شمشیر مارتا ہوں کہ اگر پہاڑ پر ماروں تو وہ سرمہ بن جائے۔ یہ کہتے ہوئے امام پر تلوار چلا دی۔ آپ نے اس کے وار کو خالی کر دیا اور اس پر ذوالفقار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ بدر کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا کر گرا۔

اسی طرح شام وعراق کے ایک سے ایک بہادر حضرت امام کے مقابل آتے رہے مگر جو بھی سامنے آیا آپ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا کوئی ان میں سے زندہ بچ کر واپس نہیں گیا۔ شیر خدا کے شیر نے تین دن کا بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود شجاعت وبہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ زمین کربلا میں بہادران کوفہ وشام کا کھیت بو دیا۔ کسی کے سینہ میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا، کسی کو نیزہ کی اَنی پر اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ کسی کا پٹکا پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور گھوڑے کی ٹاپوں سے اس کو روند ڈالا، کسی کی کمر پر تلوار ماری تو وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا، کسی کی گردن پر ذوالفقار حیدری چلائی تو اس کا سر بیل کی طرح لڑھکتا ہوں چلا گیا اور کسی کے سر پر تلوار آبدار ماری تو وہ زین تک کٹ گیا۔

غرض کہ امام عالی مقام نے دشمنوں کی لاشوں کا انبار لگا دیا بہادرانِ عراق وشام کے خونوں سے کربلا کے پیاسے ریگستان کو سیراب کر دیا۔ بڑے بڑے صف شکن بہادر کام آ گئے اور مشہور جنگ جو پہلوان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ آپ کی ہیبت وشجاعت سے دشمنوں کے دل تھرا گئے اور بڑے بڑے گھمنڈیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ دشمنوں کے لشکر میں شور برپا ہو گیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو ہماری جماعت کا ایک سپاہی بچ کر نہیں جا سکے گا۔

سب کی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور سارے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ لہٰذا اب موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔

روباہ صفت یزیدیوں جب دست بدست کی جنگ میں بری طرح شکست کھا چکے تو انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ ہزاروں نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ گُل عذارِ فاطمہ خاروں میں گھر گیا
تنہا علی کا لال ہزاروں میں گھر گیا

اب سینکڑوں تلواریں بیک وقت چمکنے لگیں، پچاسوں نیزے آپس میں ٹکرانے لگے اور دشمن بڑھ بڑھ کر امام پر وار کرنے لگے۔ ادھر آپ کی تلوار جلال حیدری کی تصویر اور لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ آپ تیغ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے جس طرف حملہ کرتے پرے کے پرے کاٹ ڈالتے اور دشمنوں کے سروں کو اس طرح اڑاتے جیسے بادخزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔

ابن سعد کو جب اس طرح کی جنگ میں بھی کامیابی کی امید نظر نہ آئی تو اس نے حکم دیا کہ چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب خوب زخمی ہو جائیں تب نیزوں سے حملہ کیا جائے۔ تیراندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور بیک وقت ہزاروں تیر کمانوں سے چھوٹنے لگے اور تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی طاقت نہ رہی۔ مجبوراً حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں اور امام مظلوم کا جسم اقدس تیروں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ تن نازنین زخموں سے چور اور لہولہان ہو رہا ہے، بے وفا کوفیوں نے جگر پارۂ رسول، فرزند بتول کو مہمان بلا کر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ زہر میں بجھا ہوا ایک تیر آپ کی اس مقدس پیشانی پر لگا جسے نبی کریم ﷺ نے ہزاروں بار چوما تھا۔ تیر لگتے ہی چہرۂ انور پر خون کا دھارا بہ نکلا۔ آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے فرش زمین پر آ گئے۔ اب ظالموں نے نیزوں سے حملہ کیا شیطان صفت سنان نے ایک ایسا نیزہ مارا جو تن اقدس کے پار ہو گیا۔ تیر اور نیزہ و شمشیر کے ۷۲ زخم کھانے کے بعد آپ سجدے میں گرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن کی عمر مبارک میں جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ

مطابق ۶۸۰ء کو امام عالی مقام نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

یزیدیوں نے سمجھا کہ ہم نے حسین کو مار ڈالا اور وہ مر گئے لیکن زمین کربلا کا ذرّہ، ذرہ زبانِ حال سے ہمیشہ یہ پکارتا رہے گا کہ اے حسین!

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

نضر بن خرشہ آپ کے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر امام عالی مقام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ گئی۔ پھر بدبخت ازلی خولی بن یزید، سنان بن انس، شبل بن یزید یا شمر خبیث نے آپ کے سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کیا۔

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دیں است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین (رضی اللہ عنہ)

اے حسین رضی اللہ عنہ

کلمہ توحید ہے تیری شہادت اے حسین
تو نہ ہوتا تو نہ رہ جاتی صداقت اے حسین
تیری قربانی نے زندہ کردیا اسلام کو
وہ رہے گا تا ابد تیری بدولت اے حسین
طالبان منزل امن و سکوں کے واسطے
تیری قربانی ہوئی شمع ہدایت اے حسین
ملتِ اسلام کو ملتا ہے اک درسِ حیات
کیسے بھولیں ہم ترا یومِ شہادت اے حسین
احتمال آنے کا ہے پھر سے یزیدیت کا دور
پھر جہانِ نو کو ہے تیری ضرورت اے حسین

حال میرا کچھ بھی ہو میرا عقیدہ ہے یہی
بخشوائے گی مجھے تیری محبت اے حسین رضی اللہ عنہ

(بیکل بلرام پوری)

ایک مرتبہ ہم اور آپ سب لوگ مل کر سرکار مدینہ ﷺ، ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت پر بلند آواز سے درود و سلام کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

رحمت عالم کو صدمہ جانکاہ:

برادرانِ اسلام! واقعہ کربلا سے نبی کریم ﷺ پر جو صدمہ جانکاہ گزرا اور ان کے قلب نازک کو جو دکھ پہنچا وہ انداز و قیاس سے باہر ہے۔ حضرت سلمٰی جو حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ روتی کیوں ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سر مبارک اور ریش اقدس (داڑھی) پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میں ابھی حسین کی شہادت گاہ پر گیا تھا۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۷۰)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں حضور آقائے دوعالم ﷺ کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور کے بال مبارک چہرۂ انور پر بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں اور دست اقدس میں خون سے بھری ہوئی ایک بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری جان آپ پر فدا اور میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ بوتل کیسی ہے؟ اور اس قدر رنج و ملال کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اُس بوتل میں میرے نورِ نظر حسین اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کا خون ہے جسے میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت اور تاریخ کو یاد رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حسین اسی وقت شہید کئے گئے تھے۔ (رواہ البیہقی) (نور الابصار ص ۱۲۰)

وصلی اللّٰہ تعالٰی وسلم علی النبی الکریم وعلٰی اٰلہٖ
واصحبہٖ واھل بیتہٖ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

اس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

خاصۂ ربِ داور پہ لاکھوں سلام — مالکِ حوضِ کوثر پہ لاکھوں سلام
نورِ عینِ پیمبر پہ لاکھوں سلام — تشنۂ آبِ خنجر پہ لاکھوں سلام
اس شہید دلاور پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

جس کو جھولا فرشتے جھلاتے رہے — لوریاں دے کے نوری سلاتے رہے
جس کو کندھوں پہ آقا بٹھاتے رہے — جس پہ سفّاک خنجر چلاتے رہے
اس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

جو جوانانِ جنت کا سالار ہے — جس کا نانا دو عالم کا سردار ہے
جو سراپائے محبوبِ غفّار ہے — جس کا سر دشت میں زیرِ تلوار ہے
اس صداقت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

واقعات بعد شہادت

الحمدلله رب العلمين والصلاة والسلام على سيّد المرسلين وعلى اٰله واصحابه الذين قاموا بنصرة الدين المتين ۔ امابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ط (پ۱۳ع۱۹)صدق الله وصدق رسول الله صلى الله تبارك وتعالٰى عليه وسلم تسليمًا كثيرًا ۔

برادران ملت! سب لوگ مل کر بآواز بلند تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم، نور مجسم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود شریف کا نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں۔ صلى الله على النبى الامى واٰله صلى الله عليه وسلم صلاةً وسلامًا عليك يارسول الله۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اور حکومت وقت کا اندیشہ نہیں رہتا پھر اپنی نیک نامی و بدنامی کی بھی پرواہ نہیں کرتا تو عظیم سے عظیم تر گناہ کرنے اور بڑے سے بڑا ظلم ڈھانے سے بھی وہ نہیں ڈرتا۔ یہی حال یزیدیوں کا ہوا کہ خدائے تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں نہیں تھا اور حکومت وقت کے اندیشہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اسی کے حکم سے اہل بیت رسالت پر ظلم و جفا کا پہاڑ توڑنے ہی کے لئے بھیجے گئے تھے اور انہیں اس بات کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ دنیا والوں کی نگاہ میں ہم ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔ تو پھر انہیں کسی طرح کا ظلم ڈھانے سے کوئی چیز مانع نہ ہوئی۔ نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول کو صرف بے دردی کے ساتھ شہید کرنے پر انہوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے جسم اقدس سے کپڑے بھی اتار

لئے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کی لاش مبارک کو پامال کر کے ہڈیوں کو چکنا چور بھی کیا پھر خیمے کی طرف بڑھے تمام اسباب اور سارا سامان لوٹ لیا یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین کے سروں سے چادریں کھینچ لیں اور خیموں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔ (طبری ص ۲۸۳ ج ۲)

جل گیا خیمۂ اطہر لیکن
دین پر آنچ نہیں آنے دی

مرحبا جراَتِ ابن حیدر
سر دیا بات نہیں جانے دی

امام عالی مقام کا سر مبارک خولی بن یزید کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا اور باقی شہداء کے سر قیس ابن اشعث اور شمر وغیرہ کے ساتھ روانہ کئے گئے۔ خود ابن سعد اس روز کربلا میں ٹھہر گیا اور ۱۱ محرم کی صبح کو اپنی فوج کے تمام مقتولین کو جمع کیا' ان پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا مگر شہدائے راہ حق کی لاشوں کو ایسے ہی بے گور و کفن پڑی رہنے دیا۔ پھر پردہ نشین خواتین جو بیمار زین العابدین اور چند چھوٹے بچوں کے ساتھ کھلے آسمان کے نیچے رات بھر میدان میں پڑی رہیں انہیں قیدی بنا کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

یزیدی فوج کے ایک سپاہی کا بیان ہے کہ جب حضرت زینب اپنے بھائی حضرت حسین کی لاش سے گزریں تو انتہائی درد کے ساتھ روتے ہوئے کہا وا محمداہ! وا محمداہ! آپ پر اللہ اور ملائکہ مقربین کا درود و سلام ہو۔ حسین میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ خون میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تمام اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ وا محمداہ! آپ کی بیٹیاں قید میں جا رہی ہیں۔ آپ کی اولاد قتل کی گئی۔ ہوا ان کی لاشوں پر خاک اڑا رہی ہے۔ حضرت زینب کے ان الفاظ کو سن کر دوست و دشمن سب رونے لگے۔ (طبری ص ۲۸۶ ج ۲) پھر جب کربلا سے یزیدی لشکر چلا گیا تو قبیلہ بنی اسد نے جو قریب کے گاؤں غاضریہ میں رہتا تھا حضرت امام اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کو آ کر دفن کیا۔

امام کا سرِ انور اور ابن زیاد:

امام عالی مقام کا سر انور جب کوفہ پہنچا اور بھرے دربار میں ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں رکھا گیا اس وقت ظالم ابن زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی جس سے وہ آپ کے لبوں اور دانتوں کو ٹھوکر دینے لگا۔ سرکار اقدس ﷺ کے بوڑھے صحابی حضرت زید بن ارقم

رضی اللہ عنہ جو اس وقت وہاں موجود تھے اس گستاخی کو دیکھ کر تڑپ اٹھے اور روتے ہوئے فرمایا چھڑی کو ہٹالے، خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ ان لبوں اور دانتوں کو چوما کرتے تھے اور پھر وہ زاروقطار رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا خدا تجھے خوب رلائے اگر تو بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل خراب نہ ہوگئی ہوتی تو میں تیری گردن ماردیتا۔

حضرت زید وہاں سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ غلام نے غلام کو حاکم بنادیا جس نے سارے بندگانِ خدا کو اپنا خانہ زاد بنالیا۔ اے قوم عرب! آج سے تم سب غلام ہوگئے۔ تم نے فرزند رسول کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا حاکم بنالیا جو اچھوں کو قتل کررہا ہے اور بروں کو غلام بنارہا ہے۔ تم نے ذلت کو گوارا کرلیا اور جو ذلت کو گوارہ کرے اس پر خدا کی مار ہو۔ (طبری ص ۲۸۷ ج ۲)

ایک جاں نثار کی اور شہادت:

اعلان ہوا کہ لوگ بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں جب بہت سے لوگ وہاں اکٹھا ہوگئے تو ابن زیاد بدنہاد مسجد میں گیا اور منبر پر کھڑے ہوکر کہا اللہ کا شکر ہے جس نے حق اور اہل حق کی مدد کی۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کو فتح ونصرت سے سرفراز کیا اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور ان کے گروہ کو شکست دی اور ان کو ہلاک کیا (معاذاللہ ثم معاذاللہ) جب اس بدبخت نے حضرت امام حسین اور ان کے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہما کو کذاب کہا تو حضرت عبداللہ بن عفیف ازدی جو محب اہل بیت تھے دونوں آنکھوں سے معذور تھے اور سارا دن ذکر وفکر اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گزارتے تھے۔ وہ ابن زیاد کی گستاخی کو برداشت نہ کرسکے۔ بے تاب ہوکر کھڑے ہوگئے اور فرط غضب سے کانپتے ہوئے فرمایا: او ابن مرجانہ! تو ہی کذاب ابن کذاب ہے اور جس نے تجھے حاکم بنایا وہ بھی کذاب ہے۔ حسین سچے، ان کے باپ سچے، ان کے نانا سچے تم لوگ اولادِ رسول کے قتل کے مجرم ہو اور باتیں صدیقین جیسی کرتے ہو۔ ابن زیاد نے کہا اسے پکڑلو۔ سپاہیوں نے انہیں گرفتار کرلیا۔ ابن عفیف کی قوم کے بہت سے لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے ان کو چھڑالیا مگر ظالم ابن زیاد کو ان کا خون بہائے بغیر چین نہ آیا گھر

سے بلوا کر ان کو قتل کیا اور شاہراہ عام پر ان کی لاش کو دار پر لٹکا دیا۔ اس طرح کوثر کے ساحل پر ایک جاں نثار کا اور اضافہ ہوا۔ (طبری ص ۲۸۹ ج ۲)

پھر ابن زیاد بدنہاد نے امام عالی مقام کے سر مبارک کو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے غیرتی و بے حیائی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد حضرت امام اور ان کے تمام جاں نثار شہدائے کرام کے سروں کو اور اسیران اہل بیت کو ایک جماعت کے ہمراہ شمر وغیرہ کی سرکردگی میں یزید پلید کے پاس اس حالت میں روانہ کیا کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا اور بیبیوں کو اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بٹھایا گیا تھا اور ظالم نے حکم دیا تھا کہ سروں کو نیزوں پر چڑھائے ہوئے آبادیوں میں سے ہو کر گزرنا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کوئی یزید کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو۔

غیبی شعر:

جب اشقیا کی جماعت امام عالی مقام کے سر مبارک کو لے کر پہلی منزل پر ایک گرجا گھر کے پاس رات گزارنے کے لئے اتری اور بروایت علامہ صبان شراب پی رہی تھی تو ایک لوہے کا قلم غیب سے نمودار ہوا جس نے خون سے یہ شعر لکھا:

اَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَاب

یعنی جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے کیا وہ اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ان کے نانا جان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ان کی شفاعت کریں گے؟

اور بعض روایتوں میں ہے کہ دیوار پر یہ شعر پہلے سے لکھا ہوا تھا بدبختوں نے جب دیکھا تو بہت متعجب ہوئے اور گرجا گھر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے اور کب کا لکھا ہوا ہے؟ راہب نے کہا کس نے لکھا ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے نبی کے زمانے سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

راہب نے جب شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر اور چند بیبیوں اور بچوں کو بحالت اسیری دیکھا تو اس کے دل پر بہت اثر ہوا اور دریافت کرنے پر جب پورا حال اس کو معلوم ہوا تو کہا معاذ اللہ تم لوگ کتنے برے آدمی ہو کہ اپنے نبی کی اولاد کو قتل کئے ہو اور پھر ان کے

بال بچوں کو قیدی بنائے ہو۔

راہب کا قبول اسلام:

پھر راہب نے ان بدبختوں سے کہا کہ اگر رات بھر اپنے نبی کے نواسے کا سر ہمارے پاس رہنے دو تو ہم تمہیں دس ہزار درہم دیں گے وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ راہب نے رقم ادا کر کے حضرت کا سر مبارک لیا اور اپنے مخصوص کمرہ میں لے گیا پھر سر انور، چہرہ مبارک اور مقدس زلفوں اور داڑھی کے بالوں پر جو گرد و غبار اور خون وغیرہ جمع ہوا تھا دھویا اور عطر و کافور لگایا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے سامنے رکھ کر اس کی زیارت کرنے لگا۔ خدائے عزوجل اس کے اس ادب سے راضی ہوا۔ اس نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ راہب رونے لگا اور اس کی نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ اس نے دیکھا کہ سر اقدس سے آسمان تک نور ہی نور ہے جب اس نے سر مبارک کی یہ کرامت دیکھی تو صدق دل سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور صبح کو سر انور ان کے حوالے کر دیا۔

بدبخت جب وہاں سے چل کر دوسری منزل پر پہنچے اور درہموں کو تقسیم کرنے کے لئے تھیلیوں کے منہ کو کھولا تو دیکھا کہ سب درہم ٹھیکری ہو گئے ہیں اور ان کے ایک طرف یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم جو کرتے ہیں خدائے تعالیٰ کو اس سے غافل ہرگز نہ جانو۔ (پ۱۳ ع۱۹) اور دوسری طرف یہ آیت مبارکہ تحریر تھی وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (پ۱۹ ع۱۵)

باجے بجے:

جب یزید پلید کو معلوم ہوا کہ اسیران کربلا اور امام حسین وغیرہ کا سر عنقریب دمشق پہنچنے والا ہے تو اس نے پورے شہر کو آراستہ کرنے اور سب کو خوشی منانے کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی حضرت سہل رضی اللہ عنہ تجارت کے لئے ملک شام آئے ہوئے تھے جب وہ دمشق شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ سب لوگ خوشی مناتے اور باجے بجاتے ہیں۔

انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اہل عراق نے حسین بن علی کے سر کو یزید کے پاس ہدیہ بھیجا ہے تمام اہل شہر اسی کی خوشی منا رہے ہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ایک آہ بھری اور پوچھا کہ حضرت حسین کا سر کون سے دروازہ سے لائیں گے؟ کہا باب الساعۃ سے۔ آپ اس طرف تیزی سے بڑھے اور بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اہل بیت تک پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا ایک سر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بہت زیادہ مشابہ ہے نیزہ پر چڑھا کر رکھا گیا ہے جسے دیکھ کر آپ بے اختیار رو پڑے۔ اہل بیت میں سے ایک نے پوچھا کہ تم ہم پر کیوں رو رہے ہو؟ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا میرا نام سکینہ بنت حسین ہے۔ انہوں نے فرمایا اور میں آپ کے نانا جان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیے حضرت سکینہ نے فرمایا میرے والد کے سر انور کو سب سے آگے کرا دیجئے تاکہ لوگ ادھر متوجہ ہو جائیں اور ہم سے دور رہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم دے کر حضرت امام کے سر مبارک کو مستورات سے دور کرا دیا۔ (تذکرہ ص ۱۰۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محرم کے دنوں میں باجے بجانا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دشمن یزیدیوں کی سنت ہے۔ آپ کے محبین کا گھر تو ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ان کے یہاں اس موقع پر باجا بجنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ امام کی شہادت کی خوشی میں یزیدیوں نے بجایا تھا مگر اب امام عالی مقام کی محبت کے دعویدار بجاتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے اور یزیدیوں کی سنت پر عمل کرنے سے بچائے، آمین۔

امام کا سر مبارک اور یزید:

قافلۂ عراق میں سے جو شخص سب سے پہلے یزید سے ملا وہ زحر بن قیس تھا۔ جب اس نے شہادت حسین کی خبر یزید کو سنائی تو وہ آب دیدہ ہو گیا اور کہا میں تمہاری اطاعت سے اس وقت خوش ہوتا کہ تم نے حسین کو نہ قتل کیا ہوتا۔ (طبری ص ۲۹۰ ج ۲) پھر شمر ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ عائذی سب کو لئے ہوئے یزید پلید کے دروازہ پر پہنچے۔ محضر نے بلند آواز سے کہا ہم امیر المومنین کے دربار میں بدترین اور ملامت زدہ شخص کا سر لے کر آئے ہیں (معاذ اللہ

ثم معاذ اللہ) یزید نے یہ سن کر کہا سب سے بدتر اور ملامت زدہ وہی شخص ہے جس کو مخبر کی ماں نے جنا ہے پھر وہ اندر داخل ہوئے اور امام عالی مقام کے سر مبارک کو یزید کے سامنے طشت میں رکھا۔ یزید سر انور کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے حسین! واللہ اگر تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں پڑتا تو میں تم کو قتل نہ کرتا مروان کا بھائی یحییٰ بن حکم اس وقت یزید کے پاس موجود تھا اس نے دو شعر پڑھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن زیاد کمینہ اور کھوٹے نسب والے سے اس لشکر کی قرابت زیادہ ہے جو زمین طف کے پہلو میں قتل کیا گیا۔ سمیہ کی نسل تو سنگریزوں کی تعداد کے برابر ہوگئی اور بنت رسول اللہ ﷺ کی نسل باقی نہ رہی۔ یزید نے یہ سن کر یحییٰ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا خاموش۔ (طبری ص ۲۹۱ ج ۲)

پھر یزید پلید نے امام عالی مقام کے لبوں اور دانتوں کو چھڑی لگاتے ہوئے کہا کہ اب ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ حصین بن الحمام شاعر نے کہا ہے کہ ہماری قوم نے تو انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن ان تلواروں نے انصاف کر دیا جن سے خون ٹپکتا تھا۔
رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے انہوں نے فرمایا اے یزید! تم اپنی چھڑی حسین کے دانتوں اور لبوں سے لگا رہے ہو جن کو نبی کریم ﷺ چوما کرتے تھے۔ سن لو! قیامت کے دن تمہارا حشر ابن زیاد کے ساتھ ہوگا اور حسین اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ دربار سے اٹھے اور چلے گئے۔

(طبری ص ۲۹۶ ج ۲)

پہلے جو ذکر کیا گیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر یزید رونے لگا اور پھر اس نے یہ کہا کہ اے حسین! واللہ اگر تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں پڑتا تو میں تم کو قتل نہ کرتا۔ ان باتوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت امام حسین کے قتل سے راضی نہ تھا لیکن حالات بتاتے ہیں کہ یہ اس کی سیاست تھی تاکہ ہماری بدنامی نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر واقعی وہ راضی نہ ہوتا تو ظالم ابن زیاد اور ابن سعد وغیرہ قاتلین امام حسین سے ضرور مواخذہ کرتا اور ان کو سزا دیتا۔

مدینہ منورہ کو واپسی:

صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جو حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ کوفہ میں سختی نہ کرنے کے سبب گورنری سے معزول کر دیئے گئے تھے یزید نے انہیں اہل بیت رسالت کا ہمدرد سمجھ کر بلایا اور کہا کہ حسین کے اہل و عیال کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچانے کا انتظام کرو اور پھر اپنے کو قتل حسین سے بری ثابت کرنے کے لئے حضرت زین العابدین کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے واللہ اگر براہ راست آپ کے والد کا اور میرا سامنا ہو جاتا تو جو کچھ وہ فرماتے میں منظور کر لیتا اور ان کو قتل کرنا ہرگز گوارا نہ کرتا لیکن جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا۔ اب آپ مدینہ تشریف لے جایئے مجھ کو وہاں سے خط لکھتے رہئے گا اور جس چیز کی ضرورت ہوگی مجھے خبر کیجئے گا۔ (طبری ص ۲۹۳ ج ۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تیس آدمیوں کا حفاظتی دستہ کیا گیا وہ اہل بیت کو لے کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور راستہ بھر نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے رہے۔ مدینہ طیبہ کے لوگوں کو واقعہ کربلا کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ شہر میں داخل ہوا تو تمام اہل مدینہ، حضرت محمد بن حنفیہ، ام المومنین حضرت ام سلمہ اور خاندان کی دیگر عورتیں سب روتی ہوئی نکل پڑیں۔ قافلہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوا۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ جو ابھی تک صبر و ضبط کا پیکر بنے ہوئے خاموش تھے جیسے ہی ان کی نظر قبر انور پر پڑی اور ابھی اتنا ہی کہا تھا: نانا جان! اپنے نواسے کا سلام قبول فرمایئے کہ ان کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور وہ اس طرح درد کے ساتھ روئے اور حالات بیان کرنے شروع کئے کہ کہرام برپا ہو گیا اور قیامت کا نمونہ قائم ہو گیا۔

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ انور کہاں دفن کیا گیا اس میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اسیران کربلا کے ساتھ یزید نے آپ کے سر مبارک کو مدینہ طیبہ روانہ کیا جو سیدہ حضرت فاطمہ زہراء یا حضرت امام حسن مجتبیٰ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ رضی اللہ عنہما

کربلا کے بعد یزید کی خباثت، مدینہ منورہ پر چڑھائی

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات مبارکہ یزید کی آزادیوں کے لئے بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ بالکل ہی بے لگام ہو گیا پھر تو ہر قسم کی برائیوں کا بازار گرم ہو گیا۔ زنا، لواطت، حرام کاری، بھائی بہن کا نکاح، سود اور شراب وغیرہ علانیہ طور پر رائج ہو گئے اور نمازوں کی پابندی اٹھ گئی۔ پھر اس کی شیطنت یہاں تک پہنچی کہ ۶۳ ہجری میں مسلم بن عقبہ کو بارہ یا بیس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس بدبخت لشکر نے مدینہ منورہ میں وہ طوفان برپا کیا کہ الامان والحفیظ۔ قتل وغارت گری اور طرح طرح کے مظالم کا بازار گرم کیا۔ لوگوں کے گھروں کو لوٹ لیا۔ سات سو صحابہ کو بے گناہ شہید کیا اور تابعین وغیرہ کو ملا کر کل دس ہزار سے زیادہ کو شہید کیا۔ لڑکوں کو قید کر لیا اور یہاں تک ظلم کیا کہ وہاں کی پاک دامن پارسا عورتوں کو تین شبانہ روز اپنے اوپر حلال کر لیا' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی سخت بے حرمتی کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے۔ تین دن تک مسجد نبوی میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہو سکے، صرف حضرت سعید بن میتب جو کبار تابعین میں سے تھے پاگل بن کر وہاں حاضر رہے۔ آخر میں ظالموں نے ان کو بھی گرفتار کر لیا مگر پھر دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ خبیث لشکر نے ایک نوجوان کو پکڑ لیا اس کی ماں نے مسلم بن عقبہ کے پاس آ کر فریاد کی اور اس کی رہائی کے لئے بڑی عاجزی منت کی۔ مسلم نے اس کے لڑکے کو بلا کر گردن ماردی اور سر اس کی ماں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ تو اپنے زندہ رہنے کو غنیمت نہیں سمجھتی کہ بیٹے کو لینے آئی ہے۔

ایک شخص کو جب قتل کیا گیا تو اس کی ماں ام یزید بن عبداللہ بن ربیعہ نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں گی تو اس ظالم مسلم کو زندہ یا مردہ جلاؤں گی۔ جب وہ ظالم مدینہ منورہ میں قتل وغارت کے بعد مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوا تا کہ وہاں جا کر عبداللہ بن زبیر اور وہاں کے ان لوگوں کا بھی کام تمام کرے جو یزید کے خلاف ہیں تو اتفاقاً راستہ میں اس پر فالج گرا

اور وہ مر گیا۔ اس کی جگہ یزید کے حکم کے مطابق حصین بن نمیر سکونی قائد لشکر بنا۔ مسلم کو انہوں نے وہیں دفن کر دیا۔ جب یہ خبیث لشکر آگے بڑھ گیا تو اس عورت کو مسلم کے مرنے کا پتا چلا وہ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر آئی تا کہ اس کو قبر سے نکال کر جلائے اور اپنی قسم پوری کرے جب قبر کھودی تو کیا دیکھا کہ اژدھا اس کی گردن سے لپٹا ہوا اس کی ناک کی ہڈی پکڑے چوس رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سب کے سب ڈرے اور اس عورت سے کہنے لگے خدائے تعالیٰ خود ہی اس کے اعمال کی سزا اس کو دے رہا ہے اور اس نے عذاب کا فرشتہ اس پر مسلط کر دیا ہے۔ اب تو اس کو رہنے دے۔ اس عورت نے کہا نہیں خدا کی قسم میں اپنے عہد اور قسم کو ضرور پورا کروں گی اور اس کو جلا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گی مجبور ہو کر سب نے کہا اچھا پھر اس کو پیروں کی طرف سے نکالنا چاہئے۔ جب ادھر سے مٹی ہٹائی تو کیا دیکھا کہ اسی طرح پیروں کی طرف بھی ایک اژدھا لپٹا ہوا ہے پھر سب نے اس عورت سے کہا اب اس کو چھوڑ دے اس کے لئے یہی عذاب کافی ہے مگر وہ عورت نہ مانی۔ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ الٰہی! تو خوب جانتا ہے اس ظالم پر میرا غصہ محض تیری رضا کے لئے ہے۔ مجھے یہ قدرت دے کہ میں اپنی قسم پوری کروں اور اس کو جلاؤں۔ یہ دعا کر کے اس نے ایک لکڑی سانپ کی دم پر ماری وہ گردن سے اتر کر چلا گیا پھر دوسرے سانپ کو ماری وہ بھی چلا گیا تب انہوں نے مسلم کی لاش کو قبر سے نکالا اور جلا دیا۔ (شام کربلا ص ۲۴۵)

فضائل مدینہ:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا یَکِیْدُ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ جو شخص اہل مدینہ سے مکر و فریب کرے یا جنگ کرے تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔

(بخاری شریف ص ۲۵۲ ج ۱)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا يُرِيْدُ اَحَدٌ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ۔ جو

مدینہ منورہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا خدائے تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں رانگا کی طرح پگھلائے گا۔ (مسلم شریف ص ۴۴۴ ج ۱)

اور حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ ظَالِمًا لَّهُمْ اَخَافَهُ اللّٰهُ وَكَانَتْ عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفًا وَّلَاعَدْلًا۔ جس نے اہل مدینہ کو اپنے ظلم سے خوفزدہ کیا خدائے تعالیٰ اسے خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (کنزالعمال ص ۲۱۴ ج ۱۳)

ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو اہل مدینہ کو ڈرائے ان سے جنگ کرے اور ان پر ظلم ڈھائے بلکہ ان سے برائی کا بھی ارادہ کرے تو خدائے تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں رانگا کی طرح پگھلائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اور اس کی کوئی عبادت چاہے وہ فرض ہو یا نفل خدائے تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔

مکہ معظّمہ پر حملہ:

مسلم بن عقبہ کی ہلاکت کے بعد حصین بن نمیر جو شامی لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اس نے مکہ معظّمہ پہنچ کر حملہ کر دیا۔ اہل مکہ اور حجاز والے یزید پلید کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے تھے ان کی فوج نے لشکر یزید کا مقابلہ کیا اور صبح سے شام تک لڑائی جاری رہی مگر فتح وشکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ دوسرے دن حصین بن نمیر نے منجنیق جو پتھر پھینکنے کی مشین ہوتی ہے اسے کوہ ابوقبیس پر نصب کر کے پتھر برسانا شروع کیا۔ سنگباری سے حرم شریف کا مبارک صحن پتھروں سے بھر گیا اور اس کے صدمہ سے مسجد حرام کے ستون ٹوٹ گئے۔ کعبہ شریف کی دیواریں شکستہ ہوگئیں اور چھت گر گئی۔ شامی پتھر برسانے کے ساتھ روئی، گندھک اور رال کے گولے بھی بنا بنا کر اور جلا جلا کر پھینکنے لگے جس سے خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی اس کا غلاف جل گیا اور وہ دنبہ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں قربانی کیا گیا تھا اس کے سینگ تبرک کے طور پر کعبہ شریف میں محفوظ تھے وہ بھی جل گئے۔

حرم شریف کے باشندوں کا گھر سے نکلنا دشوار تھا۔ تقریباً دو ماہ تک وہ سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ یہاں شامی لشکر کعبہ شریف کی بے حرمتی میں لگا ہوا تھا ادھر شہر حمص میں ۱۵ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو ۳۹ سال کی عمر میں یزید ہلاک ہو گیا۔

سب سے پہلے یہ خبر حضرت عبداللہ بن زبیر کو ملی۔ انہوں نے بلند آواز سے پکار کر کہا اے شامی بدبختو! تمہارا گمراہ سردار یزید ہلاک ہو گیا تو اب کیوں لڑ رہے ہو؟ شامیوں نے پہلے اس بات کو حضرت عبداللہ بن زبیر کے فریب پر محمول کیا لیکن تیسرے دن جب انہیں ثابت بن قیس نخعی نے کوفہ سے آ کر یزید کے مرنے کی خبر سنائی تو انہیں یقین ہوا اب ان کے حوصلے پست ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی فوج کے حوصلے بلند ہو گئے۔ وہ شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور شامی خائب و خاسر ہو کر بھاگے اس طرح اہل مکہ کو ان کے شر سے نجات ملی۔

یزید پلید نے کل تین برس سات مہینے تک حکومت کی۔ جب وہ قریہ حوارین میں ہلاک ہوا تو اس کی موت پر ابن عروہ نے چند اشعار کہے جن کے معنی یہ ہیں۔ "اے بنی امیہ! تمہارے بادشاہ کی لاش حوارین میں پڑی ہے۔ موت نے ایسے وقت میں آ کر اس کو مارا جبکہ اس کے تکیہ کے پاس کوزہ اور شراب کا مشکیزہ سر بمہر لبالب بھرا ہوا رکھا تھا اور اس کے نشہ سے مست ہونے والے پر ایک گانے والی سارنگی لئے رو رہی تھی جو کبھی بیٹھ جاتی اور کبھی کھڑی ہو جاتی تھی"۔

یزید کی موت کے بعد:

حجاز و یمن اور عراق و خراسان والوں نے یزید کی موت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور شام و مصر کے لوگوں نے یزید کے بیٹے معاویہ کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ معاویہ اگرچہ یزید پلید کا بیٹا تھا مگر نیک و صالح تھا اور باپ کے برے کاموں سے نفرت کرتا تھا۔ بیماری کی حالت میں اسے تخت پر بٹھایا گیا جو آخری دم تک بیمار ہی رہا نہ اس نے کسی طرف فوج کشی کی اور نہ کوئی دوسرا اہم کارنامہ انجام دیا۔ یہاں تک کہ صرف چالیس روز یا دو تین ماہ کی حکومت کے بعد اکیس سال کی عمر میں انتقال

کر گیا۔ آخروقت میں لوگوں نے اس سے کہا کہ کسی کو خلیفہ نامزد کردیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ میں نے خلافت میں کوئی حلاوت نہیں پائی تو پھر اس تلخی میں کسی دوسرے کو کیوں مبتلا کروں؟

معاویہ بن یزید کی موت کے بعد شام ومصر کے لوگوں نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ کچھ دنوں بعد مروان نے خفیہ سازشوں کے ذریعہ مصر وشام پر قبضہ جمالیا اور جب وہ مرنے لگا تو اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین بنادیا جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ لوگ بیٹے پیدا کرتے ہیں لیکن مروان نے اپنا باپ پیدا کیا۔

عبدالملک دانشمند، فقیہ اور قرآن وحدیث کا جاننے والا اور تخت نشین ہونے سے پہلے بہت بڑا عابد وزاہد تھا اور مدینہ منورہ کے عبادت گزار لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا مگر بعد میں وہ بداعمال ہو گیا۔ یحییٰ غسانی کا بیان ہے کہ عبدالملک اکثر حضرت ام درداء صحابیہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا اٹھا کرتا تھا۔ ایک دن ام درداءؓ نے فرمایا اے امیرالمومنین! میں نے سنا ہے کہ تم عبادت گزار ہونے کے بعد شراب خوار بن گئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ شراب خوار ہونے کے ساتھ ساتھ میں خونخوار بھی ہو گیا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶)

قاتلینِ امام حسین کا عبرتناک انجام

عبدالملک کے زمانہ خلافت میں کوفہ پر مختار بن عبید ثقفی کو تسلط حاصل ہوا۔ اس نے کہا میں قاتلین حسین میں سے ایک کو بھی دنیا میں چلتے پھرتے نہیں رہنے دوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھ پر اللہ ورسول کی لعنت ہو۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے ہر اس شخص کا نام و پتا بتاؤ جو حضرت امام حسین کے مقابلے میں کربلا گیا تھا۔ لوگوں نے بتانا شروع کیا اور مختار نے ایک ایک کو قتل کرنا اور سولی پر لٹکانا شروع کر دیا۔

ابن سعد کا قتل:

مختار نے ایک دن کہا کہ میں کل ایک شخص کو قتل کروں گا کہ اس سے تمام مومنین اور ملائکہ مقربین بھی خوش ہوں گے۔ ہیثم بن اسود نخعی اس وقت مختار کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ سمجھ گیا کہ عمرو بن سعد کل مارا جائے گا۔ مکان پر آ کر اس نے اپنے بیٹے کو رات میں ابن سعد کے پاس بھیج کر اطلاع کر دی کہ تم اپنی حفاظت کا انتظام کرو مختار کل تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے مگر مختار چونکہ اپنے خروج کے ابتدائی زمانے میں ابن سعد سے نہایت ہی اخلاق کے ساتھ پیش آتا تھا اس لئے اس نے کہا مختار ہمیں نہیں قتل کرے گا۔

دوسرے دن صبح کو مختار نے ابن سعد کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا اس نے اپنے بیٹے حفص کو بھیج دیا۔ مختار نے اس سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ خلوت نشین ہو گیا ہے اب گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ مختار نے کہا اب وہ ''رے'' کی حکومت کہاں ہے؟ جس کے لئے فرزند رسول ﷺ کا خون بہایا تھا اب کیوں اس سے دستبردار ہو کر گھر میں بیٹھا ہے؟ حضرت حسین کی شہادت کے دن وہ کیوں خانہ نشین نہیں ہوا تھا؟ پھر مختار نے اپنے کوتوال ابو عمرہ کو بھیجا کہ ابن سعد کا سر کاٹ کر لے آئے۔ وہ ابن سعد کے پاس گیا اور

اس کا سر کاٹ کر اپنی قبا کے دامن میں چھپا کے مختار کے پاس لایا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پہچانتے ہو یہ سر کس کا ہے؟ اس نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھی پھر کہا یہ میرے باپ کا سر ہے اور اب ان کے بعد زندگی میں کوئی مزا نہیں۔ مختار نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو اور تم زندہ بھی نہیں رہو گے پھر اسے بھی قتل کرا دیا اور کہا باپ کا سر حسین کا بدلہ ہے اور بیٹے کا سر علی اکبر کا۔ اگر چہ یہ دونوں ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ خدا کی قسم اگر میں قریش کے تین دستے بھی قتل کر ڈالوں تب بھی وہ سب حسین کی انگلیوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر مختار نے دونوں کے سر حضرت محمد بن حنفیہ (ابن علی) رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔

(طبری ص ۸۳ ج ۲ ج ۲)

خولی بن یزید کو قتل کے بعد جلا دیا گیا

خولی وہ بد بخت انسان ہے جس نے امام عالی مقام کے سر انور کو جسم اقدس سے جدا کیا تھا مختار نے اپنے کوتوال ابو عمرہ کو چند سپاہیوں کے ساتھ اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے آ کر خولی کے گھر کو گھیر لیا۔ جب اس بد بخت کو معلوم ہوا تو وہ ایک کوٹھری میں چھپ گیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ تم لاعلمی ظاہر کر دینا۔ کوتوال نے اس کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ اس کی بیوی باہر نکل آئی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا شوہر کہاں ہے؟ چونکہ جس وقت سے خولی حضرت حسین کا سر لایا تھا وہ اس کی دشمن ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نے زبان سے تو کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے مگر ہاتھ کے اشارہ سے اس کے چھپنے کی جگہ بتا دی۔ سپاہی اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ سر پر ایک ٹوکرا رکھے ہوئے زمین سے چپکا ہوا ہے۔ اس کو گرفتار کر کے لا رہے تھے کہ مختار کوفہ کی سیر کے لئے نکلا ہوا تھا راستہ میں مل گیا اس کے حکم سے خولی کے گھر والوں کو بلا کر ان کے سامنے شاہراہ عام پر قتل کیا گیا پھر اسے جلایا گیا اور جب تک اس کی لاش جل کر راکھ نہیں ہو گئی مختار کھڑا رہا۔ (طبری ص ۸۱ ج ۲ ج ۲)

از مکافاتِ عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جَو ز جَو

شمر قتل کے بعد کتوں کے حوالے کیا گیا

مسلم بن عبداللہ ضبابی کا بیان ہے کہ جب حضرت حسین کے مقابلے میں کربلا جانے والوں کو پکڑ پکڑ کر مختار قتل کرنے لگا تو ہم اور شمر ذی الجوشن تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر کوفہ سے بھاگ نکلے۔ مختار کے غلام ذربی نے ہمارا پیچھا کیا۔ ہم نے اپنے گھوڑوں کو بہت تیزی سے دوڑایا لیکن ذربی ہمارے قریب آ گیا۔ شمر نے ہم سے کہا تم گھوڑے کو ایڑ دے کر ہم سے دور ہو جاؤ شاید یہ غلام میری تاک میں آ رہا ہے۔ ہم اپنے گھوڑے کو خوب تیزی سے بھگا کر شمر سے الگ ہو گئے۔ غلام نے پہنچتے ہی اس پر حملہ کر دیا پہلے تو شمر اس کے وار سے بچنے کے لئے گھوڑے کو کاوا (چکر) دیتا رہا اور جب ذربی اپنے ساتھیوں سے دور ہو گیا تو شمر نے ایک ہی وار میں اس کی کمر توڑ دی۔ جب مختار کے سامنے ذربی لایا گیا اور اس کو واقعہ معلوم ہوا تو اس نے کہا اگر یہ مجھ سے مشورہ کرتا تو میں کبھی اسے شمر پر حملہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔

ذربی کو قتل کرنے کے بعد شمر کلتانیہ گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ اس نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر مارا پیٹا اور اسے مجبور کیا کہ میرا یہ خط مصعب بن زبیر کے پاس پہنچاؤ۔ اس خط پر یہ پتا لکھا تھا ''شمر ذی الجوشن کی طرف سے امیر مصعب بن زبیر کے نام'' کسان اس کے خط کو لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بڑا گاؤں آباد تھا جہاں کوتوال ابوعمرہ چند سپاہیوں کے ہمراہ جنگی چوکی قائم کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ یہ کسان اس گاؤں کے ایک کسان سے مل کر شمر نے جو اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس کو بیان کر رہا تھا کہ ایک سپاہی ان کے پاس سے گزرا۔ اس نے شمر کے خط اور اس کے پتا کو دیکھا پوچھا کہ شمر کہاں ہے؟ اس نے بتا دیا۔ معلوم ہوا کہ پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ابوعمرہ فوراً اپنے سپاہیوں کو لئے ہوئے شمر کی طرف چل پڑا۔

مسلم بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں رات میں شمر کے ہمراہ تھا میں نے اس سے کہا بہتر ہے کہ ہم لوگ اس جگہ سے روانہ ہو جائیں اس لئے کہ ہمیں یہاں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا: میں تین دن سے پہلے یہاں سے نہیں جاؤں گا اور تمہیں خوف غالباً مختار کذاب کی

وجہ سے ہے تم اس سے مرعوب ہو گئے ہو ہم جہاں ٹھہرے تھے وہاں ریچھ بہت زیادہ تھے ابھی زیادہ رات نہیں گزری تھی اور مجھے برابر نیند نہیں آئی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی میں نے اپنے دل میں کہا ریچھ ہوں گے مگر جب آواز تیز ہوگئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اپنی آنکھوں کو ملنے لگا اور کہا یہ ریچھوں کی آواز ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اتنے میں انہوں نے پہنچ کر تکبیر کہی اور ہماری جھونپڑیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ ہم اپنے گھوڑے چھوڑ کر پیدل ہی بھاگے وہ لوگ شمر پر ٹوٹ پڑے۔ جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے برص کی سفیدی چادر کے اوپر سے نظر آرہی تھی۔ وہ کپڑے اور زرہ وغیرہ بھی نہیں پہن سکا اسی چادر کو اوڑھے ہوئے نیزے سے ان کا مقابلہ کرنے لگا۔ ابھی ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ تکبیر کی آواز کے بعد ہم نے سنا کہ اللہ نے خبیث کو قتل کردیا پھر ان لوگوں نے اس کے سر کو کاٹ کر لاش کو کتوں کے لئے پھینک دیا۔ (طبری ص ۵۷ ج ۲)

ہاتھ پاؤں کاٹ کر تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا گیا

عبداللہ بن دباس جس نے محمد بن عمار بن یاسر کو قتل کیا تھا اس نے امام عالی مقام کے قاتلین میں سے مختار کو چند آدمیوں کے نام بتا دیئے جن میں عبداللہ بن اُسید جہنی۔ مالک بن نُسیر بدی اور حمل بن مالک محاربی بھی تھے۔ یہ سب اس زمانہ میں قادسیہ میں رہتے تھے۔ مختار نے اپنے سرداروں میں سے ایک سردار مالک بن عمرو نہدی کو ان کی گرفتاری کے لئے چند سپاہیوں کے ساتھ بھیجا۔ اس نے جا کر ان سب کو گرفتار کرلیا اور عشاء کے وقت لے کر مختار کے پاس پہنچا۔ مختار نے ان لوگوں سے کہا اے اللہ و رسول اور آلِ رسول کے دشمنو! حسین بن علی کہاں ہیں؟ مجھے حسین کی زیارت کراؤ ظالمو! تم نے اس مقدس ذات کو قتل کیا جن پر نماز میں تمہیں درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے ہمیں ان کے مقابلے میں زبردستی بھیجا گیا تھا ہم جانے کے لئے راضی نہیں تھے۔ آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں۔ مختار نے کہا تم نے نواسۂ رسول پر احسان نہیں کیا، ان پر تمہیں رحم نہیں آیا، تم نے انہیں اور ان کے بچوں کو پیاسا رکھا پانی نہیں پینے دیا اور آج ہم سے

احسان طلب کرتے ہو۔ پھر بدی سے کہا تم نے حضرت امام حسین کی ٹوپی اتاری تھی؟ عبداللہ بن کامل نے کہا جی ہاں یہی وہ شخص ہے جس نے ان کی ٹوپی اتاری تھی۔ مختار نے حکم دیا دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو چھوڑ دیا جائے تا کہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر یہ مر جائے۔ چنانچہ اس کے حکم پر عمل کیا گیا۔ بدی کے ہاتھوں اور پیروں سے خون کا دھارا بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس کے بعد جہنی اور محاربی کو بھی قتل کرا دیا۔ (طبری ص ۹۷ ج ۲ ح ۲)

حکیم برہنہ کر کے تیروں کا نشانہ بنایا گیا

حکیم بن طفیل طائی وہ بدنصیب انسان ہے کہ جس نے کربلا میں حضرت عباس علمدار ؓ کے لباس و اسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تھا۔ مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لئے چند سپاہیوں کے ساتھ بھیجا وہ پکڑ کر اسے مختار کی طرف چلا۔ حکیم کے گھر والے عدی بن حاتم کے پاس فریادی ہوئے کہ آپ مختار سے سفارش کر کے اس کو چھڑا دیں۔ مختار عدی کی بہت قدر کیا کرتا تھا وہ سفارش کے لئے مختار کے پاس پہنچ گئے۔ وہ عدی کے ساتھ عزت سے پیش آیا اور انہیں اپنے پاس بٹھایا۔ عدی نے اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ مختار نے کہا اے ابوظریف! کیا آپ قاتلین حسین کے لئے بھی سفارش کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا حکیم پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ مختار نے کہا اچھا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔

سپاہیوں کو راستہ میں معلوم ہوا کہ عدی مختار کے پاس حکیم کی سفارش کے لئے گئے ہیں انہوں نے اپنے سردار ابن کامل سے کہا کہ مختار عدی کی سفارش قبول کر لیں گے اور یہ خبیث بچ جائے گا حالانکہ آپ اس کے جرم سے بخوبی واقف ہیں لہٰذا بہتر ہے کہ ہم ہی اس کو قتل کر دیں۔ ابن کامل نے انہیں اجازت دے دی۔ وہ لوگ حکیم کو ایک گھر میں لے گئے اس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اسے ایک جگہ کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباس بن علی کے کپڑے اتارے تھے ہم تیری زندگی ہی میں تیرے سارے لباس اتارتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسے بالکل ننگا کر دیا پھر کہا تو نے حضرت حسین کو تیر مارا تھا ہم بھی تجھے تیروں کا

نشانہ بناتے ہیں یہ کہہ کر انہوں نے تیروں سے مار مار کر اس کو ہلاک کر دیا۔

ابن کامل نے آ کر مختار کو حکیم کے قتل کی اطلاع دی۔ مختار نے کہا میرے پاس لائے بغیر تم نے اسے کیوں قتل کر دیا؟ دیکھو یہ عدی اس کی سفارش کے لئے آئے ہیں۔ اور یہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی سفارش قبول کی جائے۔ ابن کامل نے کہا آپ کے شیعے میری بات نہیں مانے تو میں مجبور ہو گیا۔ عدی نے کہا اے دشمن خدا! تو جھوٹ بولتا ہے تو نے جانا کہ مختار میری سفارش قبول کر لیں گے اس لئے تو نے اسے راستہ ہی میں قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ اور تجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ابن کامل بھی عدی کو جواب میں برا بھلا کہنا چاہتا تھا مگر مختار نے انگلی اپنے منہ پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ عدی مختار سے خوش اور ابن کامل سے ناراض ہو کر چلے آئے۔ (طبری ص ۸۶ ج ۲ ح ۲)

نیزوں سے چھید چھید کر مارا گیا

بنی صدا کا ایک بدبخت جس کا نام عمرو بن صُبیح تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے حسین کے ساتھیوں کو تیر سے زخمی کیا ہے مگر کسی کو قتل نہیں کیا ہے سب لوگوں کے سو جانے کے بعد مختار نے اس کی گرفتاری کے لئے سپاہیوں کو روانہ کیا۔ جب وہ ابن صبیح کے مکان پر پہنچے تو وہ اپنی چھت پر بے خبر سو رہا تھا اور اس کی تلوار اس کے سرہانے رکھی تھی۔ سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا۔ وہ کہنے لگا اللہ اس تلوار کا برا کرے کہ یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی اور اب کتنی دور ہو گئی۔ سپاہیوں نے رات ہی میں اسے مختار کے سامنے پیش کیا۔ مختار نے حکم دیا کہ صبح تک اسے قید میں رکھو پھر صبح کو دربار عام کیا۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور ابن صبیح اس کے سامنے لایا گیا تو نہایت دلیری سے بھرے دربار میں کہنے لگا اے گروہ کفار و فجار! اگر اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں بزدل اور کمزور نہیں ہوں۔ اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سے قتل کیا جاتا تو یہ بات میرے لئے باعث مسرت ہوتی۔ اس لئے کہ میں تم کو بدترین مخلوق سمجھتا ہوں۔ اے کاش! اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو میں تھوڑی دیر تمہارا مقابلہ کرتا۔ اس کے بعد ابن صبیح نے

ابن کامل کی آنکھ پر ایک گھونسا مارا ابن کامل ہنسا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اہل بیت رسالت کو تیروں سے زخمی کیا ہے تو اب اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ مختار نے کہ نیزے لاؤ اور اسے نیزوں سے چھید چھید کر مارو۔ چنانچہ نیزوں سے مار مار کر اسے ہلاک کیا گیا۔ (طبری ص ۸۸ ج ۲ ح ۲)

قاتل کو زندہ جلا دیا گیا

بنی جب کا ایک شخص جس کا نام زید بن رقاد تھا اس بد بخت نے حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو تیر مارا تھا جو انکی پیشانی میں لگا تھا۔ انہوں نے پیشانی کو بچانے کے لئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا مگر تیر ایسا لگا کہ ہاتھ بھی پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا اور جب کوشش کے باوجود ان کا ہاتھ پیشانی سے جدا نہیں ہو سکا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی یا اللہ العالمین! ہمارے دشمنوں نے جیسے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسے ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے تو بھی ان کو قتل کر۔ پھر زید بن رقاد نے ان کے پیٹ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ ابن رقاد کہا کرتا تھا کہ ان کے پیٹ کا تیر تو میں نے آسانی سے نکال لیا مگر جو تیر پیشانی پر لگا کوشش کے باوجود نہیں نکل سکا۔

مختار نے عبداللہ بن کامل کو اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ ابن کامل سپاہیوں کے ساتھ پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا وہ بھی ایک بڑا بہادر آدمی تھا تلوار لے کر ان کا مقابلہ کیا۔ ابن کامل نے اپنے سپاہیوں سے کہا اسے نیزہ اور تلوار سے ہلاک نہ کرو بلکہ تیر اور پتھر سے مارو۔ سپاہیوں نے اس قدر تیر اور پتھر مارے کہ وہ گر گیا۔ ابن کامل نے کہا دیکھو اگر جان باقی ہو تو اسے باہر لاؤ چونکہ ابھی جان باقی تھی تو اسے باہر نکالا گیا۔ ابن کامل نے آگ منگا کر اسے زندہ جلا دیا۔ (طبری ص ۸۷ ج ۲ ح ۲)

ابن زیاد بدنہاد کا عبرتناک انجام

عبیداللہ بن زیاد وہ بدنہاد انسان ہے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اسی بد بخت کے حکم سے حضرت امام اور آپ کے اہل بیت کو تمام ایذائیں پہنچائی گئیں۔ یہی

ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلہ کے لئے ایک فوج کو لے کر بھیجا۔ موصل سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہی۔ جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب قریب غروب تھا اس وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی۔ ابن زیاد کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی بھاگے۔ ابراہیم نے حکم دیا کہ فوج مخالف میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ بہت سے ہلاک کئے گئے۔ اسی ہنگامہ میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ ھ میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا۔ ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ میں بھجوایا۔ مختار نے دارالامارت کوفہ کو آراستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا سر ناپاک اسی جگہ رکھوایا جس جگہ اس مغرور حکومت و بندۂ دنیا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک رکھا تھا۔ مختار نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے کہا اے اہل کوفہ! دیکھو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق نے ابن زیاد کو نہ چھوڑا۔ آج اس نامراد کا سر اسی ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں رکھا ہوا ہے۔ چھ سال ہوئے ہیں وہی تاریخ ہے وہی جگہ ہے۔ خداوند عالم نے اس مغرور فرعون خصال کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا۔ اسی کوفہ اور اسی دارالامارت میں اس بے دین کے قتل و ہلاک پر جشن منایا جا رہا ہے۔ (سوانح کربلا ص ۱۵۱)

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار کے سامنے لا کر رکھے گئے تو ایک بڑا سانپ نمودار ہوا اس کی ہیبت سے لوگ ڈر گئے وہ تمام سروں میں پھرا جب عبیداللہ بن زیاد کے سر کے پاس پہنچا تو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منہ سے نکلا۔ اس طرح تین بار سانپ اس کے سر کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ (نور الابصار ص ۱۲۴)

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

مختار کا دعویٰ نبوت:

مختار نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے بارے میں بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آخر میں وہ دعویٰ نبوت کر کے مرتد ہو گیا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) کہنے لگا کہ میرے پاس حضرت جبریل امین (علیہ السلام) آتے ہیں اور مجھ پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتا ہے۔ میں بطور نبی مبعوث ہوا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب اس کے دعویٰ نبوت کی خبر ملی تو آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا جو مختار پر غالب ہوا اور ماہ رمضان ۶۷ ہجری میں اس بد بخت کو قتل کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶)

قاتلین امام حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کے عذاب

جو لوگ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کربلا گئے اور ان کے قتل میں شریک ہوئے ان میں سے تقریباً چھ ہزار کوفی تو مختار کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور دوسرے لوگ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی نہیں بچا کہ جس نے آخرت کے عذاب سے پہلے اس دنیا میں سزا نہ پائی ہو۔ ان میں سے کچھ تو بری طرح قتل کئے گئے کچھ اندھے اور کوڑھی ہوئے اور کچھ لوگ سخت قسم کی آفتوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔

حضرت ابو الشیخ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں جس نے بھی کسی طرح کی کوئی مدد کی وہ مرنے سے پہلے کسی نہ کسی عذاب میں ضرور مبتلا ہوا۔ ایک بوڑھا جو اسی مجلس میں تھا اس نے کہا میں نے بھی تو مدد کی تھی مگر میں کسی عذاب میں مبتلا نہیں ہوا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ چراغ درست کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس کی آگ نے بوڑھے کو پکڑ لیا اس کا پورا بدن جلنے لگا وہ آگ آگ چلاتا رہا یہاں تک کہ دریائے فرات میں کود پڑا مگر آگ بجھی نہیں اور وہ اسی میں جل کر ہلاک ہو گیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ امام سُدّی سے بھی منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا وَاللّٰہِ اَنَا رَاَیْتُہٗ کَاَنَّہٗ حُمَمَۃٌ خدا کی قسم میں نے اس کو دیکھا وہ اس طرح جل

رہا تھا جیسے کوئلہ۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۲۰)

اور امام واقدی سے روایت ہے کہ ایک شخص جو لشکر یزید کے ساتھ تھا مگر اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد وہ اندھا ہو گیا۔ اس سے اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آستین مبارک چڑھائے ہوئے اور ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ حضور کے سامنے ایک چمڑا بچھا ہوا ہے اور دس قاتلین حسین ذبح کیے ہوئے پڑے ہیں جب آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو بہت لعنت ملامت کی اور خون میں ڈبا کر ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی اسی وقت سے میں اندھا ہو گیا۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۲۰)

اور حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یزید کے لشکر کا وہ سپاہی کہ جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بہت زیادہ کالا ہو گیا ہے تو اس سے پوچھا کہ تیرا چہرہ تو بہت زیادہ خوبصورت تھا پھر اتنا زیادہ کالا کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا جس روز میں نے حضرت حسین کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اسی روز سے ہر رات کو دو آدمی میرے پاس آتے ہیں اور مجھے پکڑ کر ایسی جگہ پر لے جاتے ہیں کہ جہاں بہت سی آگ ہوتی ہے مجھے منہ کے بل اس آگ میں ڈال کر نکال لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے میرا منہ اتنا زیادہ کالا ہو گیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص بہت بری موت مرا۔ (الصواعق المحرقہ ص۱۲۰)

منہ سور جیسا ہو گیا:

علامہ بارزی حضرت منصور سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ملک شام میں ایک ایسے شخص کو دیکھا کہ جس کا منہ سور جیسا تھا۔ انہوں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ وہ روزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک ہزار مرتبہ اور جمعہ کے دن چار ہزار مرتبہ ان پر اور ان کی اولاد پر لعنت بھیجا کرتا تھا تو ایک رات اس نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور اس نے لمبا خواب بیان کیا۔ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس کے لعنت بھیجنے کی حضور کی خدمت میں شکایت کی تو آپ نے اس پر لعنت فرمائی اور

اس کے منہ پر تھوک دیا تو اس کا منہ سُؤر (خنزیر) جیسا ہو گیا اور وہ لوگوں کے لئے نصیحت بن گیا۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۲۰)

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ نیکاں برد

اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھے نے بیان کیا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طشت رکھا ہوا ہے جو خون سے بھرا ہے لوگ آپ کے سامنے لائے جا رہے ہیں اور آپ اس خون سے ان کی آنکھوں میں لگا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ میں بھی حاضر کیا گیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان کے مقابلے میں نہیں گیا تھا۔ حضور انور نے فرمایا تو اس کی تمنا تو رکھتا تھا پھر آپ نے میری طرف انگلی سے اشارا فرمایا تو اس وقت سے میں اندھا ہو گیا۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۲۰)

اور مروی ہے وہ بدبخت جس نے کہ حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کے حلق میں تیر مارا تھا وہ اس مصیبت میں گرفتار ہوا کہ اس کے پیٹ کی طرف ایسی سخت گرمی پیدا ہوئی کہ گویا آگ لگی ہے اور پیٹھ کی طرف ایسی سردی کہ خدا کی پناہ۔ اس حالت میں اس کے پیٹ پر پانی چھڑکتے، برف رکھتے اور پنکھا جھلتے مگر ٹھنڈک پیدا نہ ہوتی اور پیٹھ کی طرف آگ جلا کر گرمی پہنچانے کی کوشش کرتے مگر کچھ فائدہ نہ ہوتا اور وہ پیاس پیاس چلاتا تو اس کے لئے ستو، پانی اور دودھ لایا جاتا لیکن پانچ گھڑا بھی اس کو پلایا جاتا تو وہ پی لیتا اور پھر بھی پیاس پیاس چلاتا ہی رہتا یہاں تک کہ اسی طرح پیتے پیتے اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ (الصواعق محرقہ ص ۱۲۱)

اور حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ محاضرات ومحاورات میں تحریر فرماتے ہیں کہ کوفہ میں چیچک کی بیماری ایک سال ایسی ہوئی کہ جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے گئے تھے ڈیڑھ ہزار اولاد ان کی چیچک سے اندھی ہو گئی۔ (نور الابصار ص ۱۲۴)

حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ قَتَلْتُ بِیَحْیَی بْنِ زَکَرِیَّا سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَاِنِّیْ قَاتِلٌ بِابْنِ بِنْتِكَ سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَّسَبْعِیْنَ اَلْفًا ۔ یعنی خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس وحی بھیجی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے عوض ۷۰ ہزار کو مارا اور اے محبوب! تمہارے نواسے کے عوض ۷۰ ہزار اور ۷۰ ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار کو ماروں گا۔

(خصائص کبریٰ ص۱۲۶ ج ۲ ما ثبت بالسنۃ ص ۱۹)

چنانچہ بہت سے لوگوں کو مختار کے ہاتھوں مارا اور بے شمار لوگوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور آفتوں سے ہلاک کیا اور پھر کئی ہزار عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ سفاح کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس طرح وعدہ الٰہی پورا ہوا اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار مارے گئے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صرف ۲۲ ہزار کا لشکر میدان کربلا گیا تھا تو ایک لاکھ چالیس ہزار کیوں مارے گئے۔ اتنے لوگوں نے کیا گناہ کیا تھا؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہوئے ان کے مجرم ہونے کے ساتھ وہ لوگ بھی مجرم ہوئے جو قتل حسین پر راضی تھے۔ لہٰذا قاتلین حسین کے ساتھ وہ مارے گئے اگرچہ ان کے ہمراہ کربلا نہیں گئے تھے۔

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا عُمِلَتِ الْخَطِیْئَةُ فِی الْاَرْضِ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا۔ یعنی جب کسی جگہ کوئی گناہ کیا جائے تو جو شخص وہاں حاضر ہو مگر اسے برا سمجھتا ہو تو وہ اس آدمی کے مثل ہے جو وہاں موجود نہیں اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو لیکن اس پر راضی ہو تو وہ اس آدمی کے مثل ہے جو وہاں موجود ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶)

مجالس محرم کے فائدے:

مجالس محرم سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ حدیث شریف میں ہے عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ۔ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور خلفائے راشدین وامامین کریمین حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہم تو صالحین کے امام و پیشوا ہیں۔ ان کے ذکر کے وقت تو کثیر رحمتیں نازل ہوں گی جن سے ان مجلسوں میں شرکت کرنے والے خاص طور پر فیض یاب ہوتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذکر کو سن کر

اللہ کے محبوب سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ دین و مذہب کی حرمت قائم رکھنے کے لئے میدان میں نکلنا اور اعلائے کلمۃ الحق کرنا، طرح طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرنا اور صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑنا، تین دن کا بھوکا پیاسا رہنے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے بلکنے کے باوجود حق کی حمایت کرنا اور باطل کے سامنے نہ جھکنا' عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی دیکھ کر بھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا۔ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہنا اور مقام صدق و صفا میں ثابت قدم رہنا۔ ان باتوں کے سننے سے دل میں امام عالی مقام کی عظمت و محبت پیدا ہوتی ہے اور دین و مذہب کی عزت و حرمت باقی رکھنے کے لئے جان و مال کی قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور چوتھا یہ ہے کہ دنیا کے لئے کوفیوں کا اپنی عاقبت برباد کرنا، اہل بیت رسالت کی توہین کرنا، ان کو ستانا اور ایذا پہنچانا پھر طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونا اور قتل حسین کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار کا مارا جانا۔ ان باتوں کے سننے سے عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ والوں کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے سے بچانے کی توفیق ہوتی ہے اور پانچواں فائدہ یہ بھی ہے کہ عشرہ محرم میں امام سے جھوٹی محبت کا دعویٰ رکھنے والوں نے جو طرح طرح کے خرافات اور ناجائز باتیں رائج کر رکھی ہیں مجلسوں کی برکت سے لوگ ان میں شامل ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہمیں اور آپ کو اسی طرح ہر سال مجالس محرم منعقد کرنے بزرگوں کا ذکر جمیل سننے سنانے اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی توفیق رفیق بخشے اور اللہ کے محبوب بندوں کو ستانے اور ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے سے محفوظ رکھے اور قیامت کے دن نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کے دامن کرم کے سائے میں ہم لوگوں کا حشر فرمائے آمین بحرمۃ النبی الکریم الامین علیه وعلیٰ اٰله افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

فضائل عاشورہ

عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ بڑی عظمت و بزرگی والی اور فضل و شرف والی ہے۔ اس لئے کہ بہت سے اہم واقعات اس تاریخ سے متعلق ہیں۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب نزہۃ المجالس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی روز آسمان و زمین اور قلم کی تخلیق ہوئی۔ حضرت آدم و حوا علیٰ نبینا و علیہما السلام پیدا ہوئے اور آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مرتبہ خلت سے سرفراز کئے گئے۔ چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام ملے۔ حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے حضرت ایوب علیہ السلام صحت یاب ہوئے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نکلے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت عطا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور اسی روز قیامت بھی قائم ہوگی۔ (نزہۃ المجالس ص ۱۸۱ ج ۱)

ثابت ہوا کہ محرم کی دسویں تاریخ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت و فضیلت والی ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے پیارے حبیب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے کی شہادت کے لئے بھی اسی تاریخ کو منتخب فرمایا۔

عاشورہ کے اعمال:

عاشورہ کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور بہت فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا یہ کیسا دن ہے کہ جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ وہ عظمت والا دن ہے جس میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون کو اس کی قوم کے ساتھ ڈبو دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ میں روزہ رکھا۔ ہم بھی رکھتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں' تو عاشورہ کا روزہ نبی کریم ﷺ نے بھی رکھا اور اس روزہ کا حکم بھی فرمایا۔ (بخاری ص ۲۶۸ ج ۱، مسلم ص ۳۵۹ ج ۱)

اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا صِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ یُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ عاشورہ کے روزہ کو پچھلے سال بھر کے گناہ کا کفارہ بنا دے۔ (مسلم، مشکوۃ ص ۱۷۹)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے کہ جس کی یہود اور عیسائی تعظیم کرتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔ اگر میں سال آئندہ دنیا میں باقی رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔ (مسلم، مشکوۃ ص ۱۷۹) اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ محرم کی نویں اور دسویں دونوں تاریخ کو روزہ رکھے۔

اور سرکار اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ صَلّٰی یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ یَقْرَأُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدٰی عَشَرَةَ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ خَمْسِیْنَ عَامًا وَّ بُنِیَ لَهٗ مِنْبَرًا مِّنْ نُّوْرٍ۔ یعنی جو شخص عاشورہ کے دن چار رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پوری سورہ گیارہ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ معاف فرما دے گا اور اس کے لئے نور کا منبر بنائے گا۔ (نزہۃ المجالس ص ۱۸۱ ج ۱)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عِیَالِهٖ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ لَمْ یَزَلْ فِیْ سِعَةٍ سَائِرَ سَنَةٍ۔ جو شخص عاشورے کے دن اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں کشادگی کرے گا سال بھر تک برابر کشادگی میں رہے گا۔ (ماثبت بالسنۃ ص ۱۰)

حور اور حُلّۂ بہشتی:

حضرت شیخ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مصر میں ایک شخص رہتا تھا جس

کے پاس صرف ایک کپڑا تھا جو اس کے بدن پر تھا اس نے عاشورہ کے دن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی۔ وہاں کا دستور یہ تھا کہ عورتیں عاشورہ کے دن اس مسجد میں دعا کے لئے جایا کرتی تھیں۔ ایک عورت نے اس شخص سے کہا اللہ کے نام پر مجھے کچھ میرے بال بچوں کے لئے دیجئے۔ اس شخص نے کہا اچھا میرے ساتھ چلو۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنے بدن سے کپڑا اتارا اور دروازے کی دراڑ سے اس عورت کو دے دیا۔ عورت نے دعا دی اَلْبَسَكَ اللّٰهُ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّة خدائے تعالیٰ تمہیں جنت کے حلے پہنائے۔

اس شخص نے اسی رات ایک نہایت خوبصورت حور دیکھی جس کے ہاتھ میں ایک عمدہ خوشبودار سیب تھا حور نے اس سیب کو توڑا تو اس میں سے ایک حلہ نکلا اس شخص نے حور سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تیری جنت کی بیوی عاشورہ ہوں۔ پھر وہ شخص نیند سے بیدار ہو گیا اور سارے گھر کو خوشبو سے مہکتا ہوا پایا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ زَوْجَتِىْ حَقًّا فِى الْجَنَّةِ فَاقْبِضْنِىْ اِلَيْكَ یا اللہ العالمین! اگر واقعی وہ جنت میں میری بیوی ہے تو میری روح کو قبض کر لے اور مجھے اس کے پاس پہنچا دے۔ خدائے تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور وہ اسی وقت مر گیا۔

(نزہۃ المجالس ص ۱۸۲ ج ۱)

امام عالی مقام کی نذر و نیاز کرنا، سبیل لگانا، ان کیلئے کھچڑا پکانا اور شربت وغیرہ پلانا باعث ثواب و برکت ہے

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کے لئے کون سا صدقہ افضل ہے۔ قال الماء فحفر بیرا وقال هذه لام سعد۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی (بہترین صدقہ ہے تو حضور کے ارشاد کے مطابق) حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور (اپنی ماں کی طرف منسوب کرتے ہوئے) کہا یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے

(یعنی اس کا ثواب ان کی روح کو ملے) (مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

اس حدیث شریف سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ حضرت امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کو ثواب پہنچانے کی غرض سے سبیل لگانا اور کھچڑا وغیرہ پکانا پھر یہ کہنا کہ یہ کھچڑا اور سبیل امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں جیسا کہ جلیل القدر صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوانے کے بعد فرمایا یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں جو کھانا کہ حضرات حسنین کریمین کو نیاز کریں۔ اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھنے سے تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۸۷ ج ۱)

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر مالیدہ اور چاولوں کی کھیر کسی بزرگ کے فاتحہ کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۵۰ ج ۱)

پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں۔ اگر فاتحہ کسی بزرگ کے نام کیا گیا تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۸۷ ج ۱)

البتہ تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا اور مٹھائی وغیرہ نہیں کھانا چاہیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

> ”حضرت امام کے نام کی نیاز کھانی چاہیے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہیے۔ پھر دو سطر بعد تحریر فرماتے ہیں تعزیہ پر چڑھانے سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی نیاز نہیں ہو جاتی اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز چاہیے“۔ (رسالہ تعزیہ داری ص ۵)

تعزیہ داری علمائے اہل سنت کی نظر میں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

تعزیہ داری درعشرہ محرم و ساختن ضرائح و صورت وغیرہ درست نیست۔(۱)

عشرہ محرم میں تعزیہ داری اور قبر وصورت وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔

پھر چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

تعزیہ داری کہ ہمچو مبتدعاں می کنند بدعت ست وہم چنیں ساختن ضرائح وصورت قبور وعلم وغیرہ ایں ہم بدعت ست وظاہر ست کہ بدعت سیئہ است(۲)

تعزیہ داری جیسا کہ بدمذہب کرتے ہیں بدعت ہے اور ایسے ہی تابوت، قبروں کی صورت اور علم وغیرہ یہ بھی بدعت ہے اور ظاہر ہے کہ بدعت سیئہ ہے۔

اور تحریر فرماتے ہیں:

ایں چوبہا کہ ساختہ اوست قابل زیارت نیستند بلکہ قابل ازالہ اند چنانچہ درحدیث شریف آمدہ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فقلبہ وذٰلك اضعف الایمان رواہ مسلم۔(۳)

یہ تعزیہ جو کہ بنایا جاتا ہے زیارت کے قابل نہیں ہے بلکہ اس قابل ہے کہ اسے نیست ونابود کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بات خلاف شرع دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرے اور اگر ہاتھ سے ختم کرنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے بھی منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

کسی طرح تعزیہ داری کی مدد کرنا کیسا ہے؟ اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں

ایں ہم جائز نیست چرا کہ اعانت بر معصیت	یہ بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ گناہ پر مدد ہے
می شود و اعانت بر معصیت غیر جائز (۴)	اور گناہ پر مدد ناجائز ہے۔

(۱) فتاویٰ عزیزیہ ص ۷۵ ج ۱ (۲) فتاویٰ عزیزیہ ص ۷۵ ج ۱ (۳) فتاویٰ عزیزیہ ص ۷۶ ج ۱ (۴) فتاویٰ عزیزیہ ص ۷۷ ج ۱

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضہ پُر نور حضور شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیٰ جدہٖ الکریم و علیہ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا۔ اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیر جاندار کی بنا کر رکھنا سب جائز اور ایسی چیزیں کہ معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی تمثال بہ نیت تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمہ دین وعلمائے معتمدین نعلین شریفین حضور سید الکونین ﷺ کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ و منافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں۔ اشتباہ ہو امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے مگر جہال بے خرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں اول تو نقش تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت۔ پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بے ہودہ طمطراق پھر کوچہ بکوچہ و دست بدست اشاعتِ غم کے لئے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے۔ کوئی مشغول طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علیٰ جدّہٖ وعلیہ الصلوٰۃ السلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں، عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔

غرض عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا ان بے ہودہ رسومات نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا ریا و تفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر

گر رہی ہیں رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں مال کی اضاعت ہورہی ہے مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔

اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے جنازے ہیں۔ کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ کر دفن کر دیئے۔ یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے، آمین۔

اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ہاں اگر اہل اسلام جائز طور پر حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کی سعادت پر اختصار کرتے تو کس قدر خوب و محبوب تھا اور اگر نظر شوق و محبت میں نقل روضہ انور کی بھی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک و زیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعت غم و تصنع الم و نوحہ زنی و ماتم کنی و دیگر امور شنیعہ و بدعات قطعیہ سے بچتے۔ اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا۔ مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے اور حدیث میں آیا اتقوا مواضع التہم اور وارد ہو امن کان یومن باللہ والیوم الاخر فلایقفن مواقف التہم۔

لہٰذا روضہ اقدس حضور سیّد الشہداء کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بقصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھے جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظّمہ اور روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پُر نور کے نقشے لکھے ہیں۔ والسلام علٰی من اتبع الھدیٰ واللہ تعالٰی وسبحانہٗ اعلم۔ (اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند و بیان الشہادۃ ص ۳)

اور تحریر فرماتے ہیں:

تعزیہ ممنوع ہے شرع میں کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں

سخت ناجائز ہیں۔تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہوجاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے۔لہٰذا نہ کھائی جائے۔ڈھول بجانا حرام ہے
(۱)تعزیہ کی تعظیم بدعت (۲)تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔(۳)

(۲)فتاویٰ رضویہ ص۱۸۹ج۱۰،(۳)ایضاً ص۲۵۸ج۳،(۴)ایضاً ص۱۸۶ج۶۔

حضرت صدر الشریعۃ علامہ امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان

مصنف بہار شریعت

تعزیہ داری کہ واقعات کربلا کے سلسلے میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضور سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ پاک کی شبیہ کہتے ہیں۔کہیں تخت بنائے جاتے ہیں کہیں ضریح بنتی ہے اور عَلَم اور شدّے (جھنڈے وغیرہ) نکالے جاتے ہیں ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں۔تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے۔آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں کہیں چبوترے کھدوائے جاتے ہیں۔تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں۔سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں۔ہار، پھول ناریل چڑھائے جاتے ہیں وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے، چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں،تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں،سبز غلاف والی کو حضرت سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر یا شبیہ قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں۔یہ تصور کرکے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں۔

پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جاکر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے۔پھر تیجا، دسواں چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے۔حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی مہندی نکالتے ہیں گویا ان کی شادی ہورہی ہے اور

مہندی رچائی جائے گی اور اسی تعزیہ داری کے سلسلے میں کوئی پیک (قاصد، نامہ بر) بنتا ہے جس کے کمر سے گھنگرو بندھے ہوتے ہیں گویا یہ حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔ کسی بچہ کو فقیر بنایا جاتا ہے اس کے گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں کوئی سقہ بنایا جاتا ہے چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے گویا یہ دریائے فرات سے پانی بھر لائے گا، کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس پر تیر لگا ہوتا ہے گویا کہ یہ حضرت عباس علمدار ہیں کہ فرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے اسی قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں یہ سب لغو و خرافات ہیں ان سے ہرگز سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ خوش نہیں۔ یہ تم خود غور کرو کہ انہوں نے احیائے دین و سنت کے لئے یہ زبردست قربانیاں کیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنالیا۔

بعض جگہ اسی تعزیہ داری کے سلسلے میں براق بنایا جاتا ہے جو عجب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا۔ شاید حضرت امام عالی مقام کی سواری کے لئے ایک جانور ہوگا۔ کہیں دلدل بنتا ہے کہیں بڑی بڑی قبریں بنتی ہیں بعض جگہ آدمی ریچھ بندر لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں جن کو اسلام تو اسلام انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی۔ ایسی بری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ افسوس کہ محبت اہل بیت کرام کا دعویٰ اور ایسی بے جا حرکتیں یہ واقعہ تمہارے لئے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشا بنالیا۔

اسی سلسلے میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے۔ سینہ سرخ ہو جاتا ہے بلکہ بعض زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینے سے خون بہنے لگتا ہے۔ تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مرثیہ میں غلط واقعات نظم کئے جاتے ہیں۔ اہل بیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع و فزع کا ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اکثر مرثیہ رافضیوں ہی کے ہیں بعض میں تبرا بھی ہوتا ہے مگر اس رو میں سنی بھی اسے بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں۔ (بہار شریعت ص ۲۴۷-۲۴۸ ج ۲ ح ۱۶)

ایک فتویٰ مع تصدیقات علمائے اہل سنت[1]

سوال نمبر۱: (الف) مروجہ تعزیہ داری جائز ہے یا ناجائز؟ (ب) علم اور شدے نکالنا نیز تعزیہ کو شب عاشورہ گلی کوچہ میں گشت کرانا پھر اسے دسویں محرم کو مصنوعی کربلا میں لے جاکر دفن کرنا پہلی محرم سے ڈھول وتاشہ بجانا پھر عاشورہ کے دن تعزیہ کے آگے آگے باجا بجاتے ہوئے اسے مصنوعی کربلا تک لے جانا شرعاً کیسا ہے؟ نیز تعزیہ داری علم اور شدے کی اصل کیا ہے؟

سوال نمبر۲: ڈھول، تاشے اور شدے وغیرہ کو مسجد یا فنائے مسجد میں رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز مسجد یا فنائے مسجد میں رکھے ہوئے ڈھول، تاشے، علم اور شدے کو باہر نکال کر پھینک دینے والا شرعاً مجرم ہوگا یانہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب۱: (الف) تعزیہ داری مروجہ ہندناجائز وبدعت سیئہ وحرام ہے۔ والتفصیل فی اعالی الافادۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) یہ سب بھی ناجائز وحرام قاتل اہل اسلام اور جب یہ ناجائز وحرام ہیں تو ان کی اصل کیا ہوسکتی ہے؟ ہاں اگر سائل کی مراد یہ ہو کہ یہ کس کی نقل ہے کہ جس کی نقل ہو اس کی اصل قرار دی جائے تو نظر غائر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور شدے جو نیزوں اور جھنڈوں کی شکل میں ہوتے ہیں غالباً یزیدی فوج کے اس فعل کی نقل ہے جوانہوں نے کربلا میں ظلم وجفا کے پہاڑ توڑنے کے بعد امام عالی مقام کا سر مبارک نیزوں پر کوفہ کی گلیوں میں بطور شادیانہ ومبارکبادی گھمایا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب۲: یہ واہیات وخرافات چیزیں سب ناجائز ہیں تو جہاں بھی رکھیں ناجائز ہی ہیں اور مسجد یا فنائے مسجد میں بدرجہ اولیٰ ناجائز اور ان چیزوں کو مسجد سے نکال کر پھینکنے والا ثواب پائے گا کیونکہ اس نے ناجائز چیز کو دفع کیا اور حدیث من رای منکم منکرا الخ پر

---

[1] یہ فتویٰ مع جملہ تصدیقات ۱۳۸۸ھ میں بشکل پوسٹر شائع ہوچکا ہے۔

عمل کیا۔ واللہ تعالیٰ ثم رسولہ ﷺ۔

محمد احمد جہانگیر خان غفرلہ والابویہ المنان
مفتی مرکز اہلسنّت منظر اسلام
بریلی شریف

تصدیقات مظہر اسلام بریلی شریف

(۱) الجواب صحیح محمد مصطفیٰ رضا خان (مفتی اعظم ہند)
(۲) لقد اصاب من اجاب قاضی محمد عبدالرحیم بستوی
(۳) صح الجواب تحسین رضا غفرلہ،
(۴) الجواب صحیح محمد اعظم
(۵) الجواب صحیح مظفر حسین غفرلہ،

منظر اسلام بریلی شریف

(۶) الجواب صحیح مفتی سیّد محمد افضل حسین غفرلہ،
(۷) صح الجواب محمد احسان علی عفی عنہ مظفر پوری
(۸) الجواب صواب غلام مجتبیٰ اشرفی
(۹) الجواب ھوالجواب سیّد محمد عارف رضوی ناناپاروی
(۱۰) الجواب صحیح والمجیب نجیح خلیل الرحمٰن رضوی
(۱۱) الجواب صحیح محمد فیض احمد صدیقی عفی عنہ
(۱۲) الجواب صحیح محمد عمر قادری اوجھا گنجوی بستوی

جبل پور

(۱۳) ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری بلاشبہ بدعات وممنوعات کا ایسا مجموعہ ہے کہ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ علماء واعظین مقررین مشائخ طریقت اور سجادہ نشین حضرات کو عملی طور پر اپنے اپنے حلقہ اثر میں ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن اور ادفع بالتی ھی احسن السیئة کے طریقہ سے کام لے کر آہستہ آہستہ مروجہ تعزیہ داری کے بدعات وممنوعات ومحرمات شرعیہ کو مٹانے کی کوشش کریں۔ مفتی صاحب کا یہ

جواب بالکل حق وصواب اور واجب العمل بلا ارتیاب ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ، الفقیر عبد الباقی محمد برہان الحق القادری الرضوی السلامی غفرلہ،

بمبئی

(۱۴) الجواب صحیح وصواب والفاضل المجیب مصیب ومثاب فقیر ابوالحسنین آل مصطفیٰ القادری البرکاتی النوری غفرلہ،

(۱۵) الجواب صحیح - السید حامد اشرف الاشرفی الجیلانی (کچھوچھوی)

(۱۶) الجواب صحیح - معین الدین دانش امین غفرلہ، ٹونکی۔

(۱۷) الجواب حق - خادم محمد سلیم غفرلہ، رضوی۔

ملتان، پاکستان

(۱۸) الجواب صحیح - فقیر محمد حسن علی الرضوی القادری غفرلہ، خادم مدرسہ غوثیہ انوار الرضا میلسی ملتان

جاورہ، ضلع رتلام

(۱۹) الجواب صحیح وصواب واللہ ورسولہ، اعلم جل جلالہ، وصلی اللہ علیہ وسلم۔

فقیر ابوالطاہر محمد طیب علی قادری غفرلہ، مفتی شہر جاورہ (رتلام)

مرادآباد

(۲۰) تعزیہ، علم اور شدے کی اصل کے متعلق عدم تحقیق کی بنا پر میں خاموش وساکت ہوں اور واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کہہ کر گزر جاتا ہوں اس کے علاوہ جواب میں تحریر کردہ امور کے ساتھ مجھے پورا پورا اتفاق ہے جوابات صحیح ہیں۔

العبد المذنب محمد حبیب اللہ غفرلہ النعیمی الاشرفی

(۲۱) الجواب صحیح محمد یونس عفی عنہ (مہتمم جامعہ نعیمیہ)

(۲۲) ما اجاب المجیب فھو الصحیح الفقیر محمد ایوب خان الحبیبی النعیمی

(۲۳) الجواب صحیح محمد طریق اللہ خادم جامعہ نعیمیہ

(۲۴) الجواب صحیح - العبد محمد ہاشم غفرلہ،

(۲۵) الجواب صحیح وصواب عبد الحکیم محمدی قادری نعیمی غفرلہ

مالوہ - اندور

(۲۶) لقد اصاب من اجاب واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب محمد رضوان الرحمٰن الفاروقی

مفتی مالوہ۔

مظفر پور۔ بہار

(۲۷) الجواب صحیح۔ محمد مطیع الرحمٰن نوری مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرہ

(۲۸) الجواب صحیح بلاارتیاب محمد مشتاق احمد غفرلہ، باتھوی

(۲۹) الجواب صحیح وصواب۔ محمد اطہر حسین باتھوی

ناگپور

(۳۰) الجواب مصیب محمد عبد الرشید غفرلہ (مفتی جامعہ)

(۳۱) الجواب صحیح محمد عبد الحفیظ غفرلہ،

(۳۲) الجواب صحیح وصواب۔ ابوالمجد محمد زین العابدین غفرلہ،

(۳۳) الجواب صحیح۔ محمد عبد الحکیم رضوی اشرفی

(۳۴) الجواب صحیح۔ محمد شفیع رضوی غفرلہ

مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ

(۳۵) الجواب صحیح۔ عبد العزیز عفی عنہ صدر المدرسین اشرفیہ

(۳۶) الجواب صحیح۔ عبد الرؤف غفرلہ، مدرس اشرفیہ

(۳۷) الجواب صحیح۔ عبد المنان اعظمی (مفتی اشرفیہ)

(۳۸) صح الجواب۔ محمد یحییٰ غفرلہ خادم دار العلوم اشرفیہ

امروہہ۔ ضلع مرادآباد

(۳۹) الجواب صحیح مع سائر فروعہا والمجیب مصاب فقیر محمد خلیل کاظمی عفی عنہ امروہوی

رائے بریلی

(۴۰) الجواب صحیح۔ عبد الوہاب صدیقی پکسراواں رائے بریلی

[illegible] شریف

(۴۱) اہل سنت وجماعت کے نزدیک تعزیہ داری کہہ کر جن مراسم کو مراد لیا جاتا ہے ان کے منکرات ہونے میں منکر ہی ہیں مثلاً اضاعت مال مسلم واسباب تعیش وتفریح وبیان مکذوبات واوہام فاسدہ وغیر ذلک اور یہ وہ منکرات ہیں جن کا منکر ہونا منصوص ہے نیز مسجد وفنائے مسجد کو ہر طرح کے تعیش وتفریح کے

آلاتِ واشیاء سے پاک رکھنا ضروری ہے- واللہ اعلم بالصواب

سیّد محمد مختار اشرف سجادہ نشین کچھوچھہ شریف

(۴۲) الجواب صحیح- سیّد مظفر حسین کچھوچھوی

ٹانڈہ- ضلع فیض آباد

(۴۳) الجواب صحیح- عبد العزیز اشرفی عفی عنہ

(۴۴) الجواب صحیح- فقیر محمد طیب خان غفرلہ، مدرس مدرسہ منظر حق

(۴۵) الجواب صحیح- محمد ایوب قادری عفی عنہ

(۴۶) الجواب صحیح وصواب، محمد قدرت اللہ عارف الرضوی

التفات گنج ضلع فیض آباد

(۴۷) الجواب صحیح- عبد الرؤف اشرفی-

(۴۸) الجواب صحیح- احقر عبد المتین ڈھلوی

(۴۹) الجواب صحیح- محمد جمیل احمد الیار علوی شیم بستوی

(۵۰) الجواب صحیح- محمد سمیع قادری الیار علوی

بلرامپور- ضلع گونڈہ

(۵۱) الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم محمد شریف الحق امجدی جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور

امرڈوبھا- بسڈیلا ضلع بستی

(۵۲) الجواب صحیح- العبد سخاوت علی رضوی عفی عنہ تنویر الاسلام

(۵۳) الجواب صحیح- نظام الدین عفی عنہ

(۵۴) الجواب صحیح- محمد ابواللیث عفی عنہ

(۵۵) الجواب صحیح- محمد ظہور احمد رضوی عفی عنہ

(۵۶) الجواب صحیح- عبد الشکور مدرس تدریس الاسلام

بسڈیلہ

(۵۷) الجواب حق- محمد اسماعیل اطہر بستوی

براؤں شریف ضلع بستی

(۵۸) الجواب صحیح محمد صدیق احمد سجادہ نشین آستانہ عالیہ یارعلویہ
(۵۹) الجواب صحیح ۔غلام جیلانی عفی عنہ (شیخ الحدیث فیض الرسول)
(۶۰) الجواب صحیح ۔بدرالدین احمد القادری الرضوی
(۶۱) الجواب صحیح ۔محمد یونس نعیمی اشرفی
(۶۲) قد صح الجواب ابوالبرکات العبد محمد نعیم الدین احمد عفی عنہ
(۶۳) لقد اصاب من اجاب جلال الدین احمد امجدی
(۶۴) الجواب حق وصواب محمد صابر القادری نسیم بستوی
(۶۵) الجواب صحیح ۔علی حسن النعیمی الاشرفی
(۶۶) الجواب صحیح ۔محمد حنیف قادری
(۶۷) الجواب صحیح ۔محمد محسن چشتی یارعلوی
(۶۸) الجواب صحیح ۔نورمحمد قادری اوجھا گنجوی
(۶۹) جواب صحیح ہے ۔محمد نورالحق خادم حضرت شاہ صاحب قبلہ ۔

بھاؤ پور ضلع بستی

(۷۰) الجواب صحیح ۔العبد محمد حلیم قادری یارعلوی
(۷۱) الجواب حق ۔محمد سمیع اللہ قادری
(۷۲) الجواب صحیح ۔عبدالجبار قادری
(۷۳) الجواب صحیح ۔عبدالجبار قادری چرکھوی

بڑھیا ۔ضلع بستی

(۷۴) الجواب صحیح ۔محمد صدیق قادری (نیپالی)
(۷۵) الجواب صحیح ۔عبدالجبار اشرفی مئوی

خدائے عزوجل مسلمانوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقصد شہادت کو سمجھنے اور محرم کی جملہ بدعات وخرافات سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے، آمین ۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی النبی الکریم وعلیٰ الہٖ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین ۔

حالاتِ مصنف

پیدائش:

۱۳۵۲ ہجری مطابق ۱۹۳۳ء میں ضلع بستی (یوپی) کی مشہور آبادی اوجھا گنج میں میری پیدائش ہوئی جو شہر بستی سے ۲۰ کلومیٹر پچھم فیض آباد روڈ پر مہراج گنج سے ۳ کلومیٹر دکھن میں واقع ہے۔

نام ونسب:

جلال الدین احمد بن جان محمد بن عبدالرحیم بن غلام رسول بن ضیاء الدین احمد بن محمد سالک بن محمد صادق بن عبدالقادر بن مراد علی غفر اللہ تعالیٰ لھم ولسائر المسلمین۔

خاندانی حالات:

آخرالذکر ضلع فیض آباد کچھوچھہ مقدسہ کے قریب بڑہر علاقہ کے مشہور ومعروف راجپوت خاندان کے ایک فرد تھے جو مراد سنگھ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے وہ اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہوکر ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے تو مراد علی کہلائے۔ خاندان والوں نے دباؤ ڈال کر اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تو آبائی وطن چھوڑ کر ضلع فیض آباد اکبر پور کے قریب قصبہ شہزاد پور میں سکونت اختیار کرلی۔ ان کی اولاد میں سے ضیاء الدین مرحوم شہزاد پور چھوڑ کر اوجھا گنج ضلع بستی میں آکر آباد ہوگئے۔

میرے والد جان محمد مرحوم عرصہ دراز تک اپنے گھر فی سبیل اللہ بچوں کو مذہبی تعلیم دیتے رہے۔ زندگی بھر بلا تنخواہ جامع مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی امامت فرماتے رہے۔ بڑے متقی وپرہیزگار تھے۔ آج بھی آبادی کے لوگ ان کے تقویٰ وپرہیزگاری کو یاد کرتے ہیں اوران کا تذکرہ بڑے احترام سے کرتے ہیں۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۰ ہجری مطابق ۱۹۵۱ء کو میرے عالم ہونے سے ۸ ماہ قبل ان کا انتقال ہوگیا۔

والدہ محترمہ بی بی رحمت النساء ایک دیندار گھرانے کی لڑکی تھیں۔ نماز اور صبح تلاوت قرآن مجید کی بہت پابند تھیں۔ دعائے گنج العرش ان کو زبانی یاد تھی جسے وہ روزانہ پڑھا کرتی تھیں۔ ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۲؍ اپریل ۱۹۷۹ء کو میں ان کے بھی ظاہری سایہ سے محروم ہو گیا۔ خدائے عزوجل ان کی قبروں پر رحمت وانوار کے پھول برسائے۔

ان لوگوں نے میری تعلیم کے بارے میں جو اعلیٰ کردار پیش کیا ہے اس زمانہ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے کہ میں ان لوگوں کے بڑھاپے کا اکلوتا بیٹا تھا مگر پہلی بار جب میں ناگپور گیا تو ڈھائی سال کے بعد آیا۔ اس درمیان میں ان لوگوں نے میرے پاس گھر آنے کے بارے میں خط لکھنا تو بڑی بات ہے سندیسا تک نہ بھیجا تا کہ میری تعلیم کا نقصان نہ ہو۔

فجزاهما الله تعالىٰ خير الجزاء۔

اس تصور سے میری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں کہ میرے چار بیٹے بقید حیات ہیں مگر ان میں سے کسی کی ڈھائی ماہ تک کی جدائی بھی میرے لئے شاق ہے تو میرے والدین نے بڑھاپے کے اکلوتے بیٹے کی ڈھائی سال تک جدائی کس دل وجگر سے برداشت کی ہو گی۔

تحصیل علم:

ناظرہ اور حفظ قرآن کی تعلیم اپنے والد کے شاگرد مقامی مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء یعنی ساڑھے دس سال کی عمر میں حفظ مکمل کر لیا۔ فارسی آمد نامہ ضلع فیض آباد التفات گنج کے مولانا عبدالرؤف صاحب سے پڑھی اور فارسی کی چھوٹی بڑی بارہ کتابوں کی تعلیم شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیرزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم سے حاصل کی اور عربی کی ابتدائی کتابیں انہیں سے پڑھیں۔

۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء ہنگامہ کے فوراً بعد میں تحصیل علم کے لئے ناگپور چلا گیا دن بھر کام کرتا جس سے پچیس تیس روپیہ ماہانہ اپنے والدین کی خدمت کرتا اور اپنے کھانے پینے کا انتظام بھی کرتا اور بعد مغرب اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ تقریباً ۱۲ بجے رات تک حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سے مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم بکرا

منڈی مومن پورہ میں درس نظامیہ کی تعلیم حاصل کرتا اور بعد نماز فجر وعصر ایک قاری سے قرأت پڑھتا رہا۔ اس طرح ناگپور میں میری تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۴ رشعبان ۱۳۷۱ھ مطابق، ۱۹ رمئی ۱۹۵۲ء کو اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت علامہ ارشدالقادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے دس ساتھیوں کے ہمراہ مجھے بھی سند فراغت عطا فرمائی۔ اس طرح اوجھا گنج کی تاریخ میں ہم سب سے پہلے قاری اور فارغ التحصیل عالم ہوئے۔

زمانہ طالب علمی کا ایک اہم واقعہ:

فارغ التحصیل ہونے سے دو سال قبل ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہم ناگپور سے تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے ڈیسائی گنج وارسا ضلع چاندہ گئے وہاں ایک صاحب جن کا نام اسماعیل عمر سپاہی تھا ایک فرم کے ملازم تھے نماز وغیرہ کے پابند تھے اور گلستان بوستان تک فارسی پڑھے ہوئے تھے وہ ہماری بڑی قدر کرتے تھے رمضان المبارک بعدوہ اپنے وطن دھوراجی (گجرات) جانے والے تھے۔

چونکہ اس زمانہ میں ناگپور کی کاروباری حالت ٹھیک نہیں تھی۔ دن بھر محنت سے کام کرنے کے باوجود اپنے اخراجات کے ساتھ والدین کی ماہانہ خدمت کرنے میں ہمیں دشواری پیش آرہی تھی میں بہت پریشان تھا اس لئے اسماعیل عمر سپاہی کے ساتھ میں احمد آباد جانے کے لئے اس خیال سے تیار ہو گیا کہ میرے یہاں کے بہت سے لوگ وہاں ملوں میں کام کرتے ہیں۔ میں بھی جاکے کسی مل میں کام کروں گا۔

عید ہوگئی ہم احمد آباد کا سفر کرنے کے لئے نکل پڑے۔ ناگپور پہنچ کر ہم نے اپنا تمام سامان اپنے رفیق سفر اسماعیل عمر سپاہی کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ آپ سٹیشن چلیں میں اپنے استاذِ گرامی حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ سے ملاقات کر کے آتا ہوں۔

جب میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ احمد آباد مت جاؤ جس طرح بھی ہو سکے یہیں رہو۔ پہلے زمانہ میں لوگوں

نے تحصیل علم کے لئے بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں اگر تم مل میں جا کر کام کرو تو جو کچھ تم نے اب تک پڑھا ہے سب برباد ہو جائے گا۔ مل مزدور اور صرف حافظ جی ہو کر رہ جاؤ گے۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ احمد آباد میں دارالعلوم شاہ عالم قائم نہیں ہوا تھا۔

میں نے حضرت علامہ کی نصیحت مان لی احمد آباد جانے کا ارادہ بالکل دل سے نکال دیا اور سٹیشن جا کر اسماعیل عمر سپاہی سے کہا آپ جائیے میں نہیں جاؤں گا اور پھر اپنا سامان لے کر میں واپس آ گیا۔

خداوند قدوس کا میں لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے دل میں استاذ کا ایسا احترام بخشا کہ میں نے ان کی اجازت کے بغیر احمد آباد کا سفر کرنا مناسب نہ سمجھا اور پھر جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا اسے تسلیم کر لیا۔ اگر میرے دل میں استاذ کا ایسا احترام نہ ہوتا تو ان سے ملے بغیر میں چلا جاتا یا اگر ملاقات بھی کر لیتا تو جبکہ میں پورا سامان سٹیشن پہنچا چکا تھا ان کی نصیحت پر عمل نہ کرتا تو بیشک آج میں مل میں مزدور ہوتا۔ اس طرح میری زندگی تباہ ہو جاتی اور وہ حال ہوتا کہ جس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میں کانپ جاتا ہوں۔

اور الحمدللہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ جب تک استاذ کا محتاج رہے ان کی عزت کرے اور جب کسی قابل ہو جائے تو غداری و بے وفائی پر اتر آئے اور اذیت پہنچائے بلکہ آج بھی میں اپنے اساتذہ کی بہت عزت کرتا ہوں اور استادی و شاگردی کے رشتہ کو احسن طریقے سے نباہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ ۷ اصفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء کے ایک مکتوب میں خادم کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ”کئی سو علماء میں صرف تنہا آپ کی ذات ہے جس نے شاگردی اور استاذی کا رشتہ نباہا ہے اور اب تک نباہ رہا ہے ورنہ نئی نسل کی خودسری، سرکشی اور احسان فراموشی سے خدا کی پناہ“۔

شرف بیعت:

چونکہ مجھے شروع ہی سے مسائل شرعیہ جاننے کا بڑا شوق تھا، اس لئے ابتدا ہی سے بہار شریعت اور اس کے مصنف حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے میں بڑی عقیدت رکھتا تھا پھر جب حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ سے معلوم ہوا کہ حضرت صدرالشریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں تو ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں حضرت سے شرف بیعت حاصل کیا اور سلسلہ رضویہ میں داخل ہوگیا۔ البتہ بعض مصالح کے پیش نظر میں نے اب تک کسی سے خلافت نہیں لی ورنہ ساجد علی خان صاحب کسی مقصد سے حضور مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی خلافت جب عام طور پر تقسیم کر رہے تھے میں بھی آسانی کے ساتھ ان سے حاصل کر لیتا۔

اعلیٰ حضرت سے عقیدت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، اگر چہ بہت سے علوم وفنون کے ماہر تھے لیکن ان میں فقاہت کا وصف سب سے ممتاز ہے اور مجھے فقہ سے زیادہ شغف ہے اس لئے میں آپ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتا ہوں اور آپ کے تحقیقی فتاویٰ کے مطالعہ سے روز بروز میری عقیدت بڑھتی ہی جارہی ہے یہاں تک کہ میں فاضلین فیض الرسول اور دیگر نوجوان علماء کو نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنے ایمان وعمل کو سنوارنے اور حقیقت میں عالم دین بننے کے لئے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرو۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کی عقیدت کا دم بھرتے ہیں لیکن ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری حرام ہونے کے متعلق ان کا فتویٰ نہیں مانتے کچھ لوگ مزامیر کے ساتھ قوالی حرام ہونے کے بارے میں ان کی تحقیق نہیں تسلیم کرتے اور بعض وہ ہیں جو بات بات پر اعلیٰ حضرت کا نام لیتے ہیں لیکن اوجھڑی ناجائز ہونے کے متعلق ان کا فتویٰ ماننے سے انکار کرتے ہیں مگر الحمدللہ میں ان لوگوں میں سے ہوں کہ ان کی ہر تحقیق کو مانتا ہوں اور ان کے ہر فتویٰ پر سر تسلیم خم کرتا ہوں البتہ میں اس درجہ کا عقیدت مند نہیں ہوں کہ صرف انہیں کی لکھی ہوئی نعت شریف پسند کروں بلکہ میں ہر اس نعت کو پڑھنا اور سننا پسند کرتا ہوں کہ

جس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو۔

تدریس:

فارغ التحصیل ہونے سے چند ماہ قبل ہم نے دوبولیا بازار میں جو اوجھا گنج سے دکھن پانچ کلومیٹر پر واقع ہے ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا تھا۔ دستار بندی کے بعد پھر اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگا اور جب مجھے وہاں اپنی ترقی کی راہیں مسدود نظر آئیں تو ذی القعدہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں مستعفی ہو کر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کی طلب پر میں جمشید پور (بہار) چلا گیا مگر چونکہ جامعہ فیض العلوم میں بروقت کسی مدرس کی ضرورت نہ تھی اس لئے مجھے ایک مکتب میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا گیا تو میں دلبرداشتہ ہو کر تقریباً پانچ ماہ بعد حضرت علامہ کی اجازت سے گھر چلا آیا۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ مطابق جنوری ۱۹۵۵ء میں شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ اور شیر بیشہ سنت حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب قبلہ علیہما الرحمۃ والرضوان کی اجازت سے مدرسہ قادریہ رضویہ بھاؤپور ضلع بستی کا مدرس مقرر ہوا مگر ڈیڑھ سال بعد وہاں کے اختلافات سے عاجز ہو کر استعفیٰ دے دیا اسی درمیان میں شعیب الاولیاء حضرت شاہ صاحب قبلہ نے مکتب فیض الرسول کو دارالعلوم بنا دیا تو میں حضرت کی طلب پر براؤں شریف چلا آیا اور یکم ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء سے دارالعلوم فیض الرسول کا مدرس ہو گیا اور تادم تحریر تقریباً ۳۴ سال ہو گئے اسی ادارہ میں دینی خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ درمیان میں دور ونزدیک کے بہت سے بڑے بڑے اداروں نے اونچا درجہ اور بہت زیادہ مشاہرہ پیش کیا مگر ہم نے شعیب الاولیاء جیسے محسن کا آستانہ چھوڑنا کسی قیمت پر گوارا نہ کیا۔

طریقہ تدریس:

مکتب کے چھوٹے بچوں کے بارے میں ہمارا طریقہ تدریس یہ رہا کہ قاعدہ پڑھنے والے کو ذ، ز اور ظ کو ج کی آواز سے ہم ہرگز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ شروع ہی میں درست کرا دیتے تھے۔ اردو کے اعتبار سے جب تک حرفوں کی ادائیگی صحیح نہ ہو جاتی آگے نہیں بڑھنے دیتے

تھے۔اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ پھر حرفوں کو صحیح آواز سے پڑھنے کے لئے کبھی ٹوکنا نہیں پڑتا تھا۔

مدرسین کا یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ آگے چل کر خود بخود ٹھیک ہو جائے گا اس لئے کہ غلط بنیاد پڑ جانے کے بعد پھر اس کی درستگی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ مکاتب سے جولڑکے ذ، ز اور ظ کو ج کی آواز سے پڑھ کر آتے ہیں بار بار ٹوکے جانے اور پھر مسلسل سزا پانے کے باوجود کئی سال تک درست نہیں کر پاتے اور بعض تو فارغ التحصیل عالم بھی ہو جاتے ہیں مگر ان کے حروف کی ادائیگی صحیح نہیں ہو پاتی اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ شعر ان کے اوپر پورے طور پر صادق آتا ہے:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اور مدرسین کا یہ عذر بھی غلط ہے کہ چھوٹے بچے ز وغیرہ کی ادائیگی پر قادر نہیں ہو پاتے اس لئے کہ میں نے ایک مدرسہ کے چھوٹے بچوں کا امتحان لیا سارے لڑکے ذ، ز اور ظ کو ج ہی کی آواز سے پڑھتے رہے۔ مدرسین نے وہی عذر بیان کیا کہ کوشش کے باوجود ان کو صحیح پڑھنا نہیں آتا۔ ہم نے کہا آپ لوگوں کا یہ عذر وہی لوگ صحیح مان سکتے ہیں جنہوں نے کبھی مکتب نہیں پڑھایا ہے، ہم نہیں تسلیم کر سکتے آئندہ سال اگر لڑکوں نے ایسا ہی پڑھا تو ہم سب کو فیل کر دیں گے نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے سال سب صحیح ہو گئے۔

بچوں کو رٹا کر پڑھانا بھی غلط ہے جب تک بچہ حرفوں کو پہچان نہ لے۔ سبق پڑھانے سے پہلے مرکب الفاظ کے ایک ایک حرف کو الگ الگ اس سے پوچھنا چاہئے ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں کا پچھلا بھولتا نہیں اور پڑھے ہوئے کو پھر سے سبقاً سبقاً پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اور مکتب کے چھوٹے بچوں کو ہم روزمرہ پیش آنے والے مسائل زبانی بتا دیا کرتے تھے داہنے ہاتھ سے کھانے پینے، بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنے، استنجا کا ڈھیلا سکھانے اور اسی ہاتھ سے آب دست لینے کی تاکید کرتے تھے اور کھڑے ہو کر پانی پینے اور قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پاخانہ پیشاب کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرتے تھے اور لڑکوں میں

اعلان کرتے رہتے تھے کہ اگر کوئی بچہ اس کے خلاف کرے تو ہمیں بتاؤ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لڑکے بچپن ہی سے اسلامی طور طریقہ کے پابند اور عادی ہو جاتے تھے۔

اے کاش! سارے مدرسین ایسے ہی کرتے تو آج صرف مکتب کا پڑھا ہوا مسلمان بھی داہنے ہاتھ سے استنجا کا ڈھیلا سکھاتا ہوا اور قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پاخانہ، پیشاب کرتا ہوا نظر نہ آتا بلکہ اسلامی طور طریقہ سے درست و آراستہ ہوتا لیکن آج کل بہت سے مدرسین صرف نوکری کرتے ہیں اسلام کی باتوں کے پھیلانے کا جذبہ نہیں رکھتے یہاں تک کہ اکثر مدرسین جو دینی مدرسہ میں پڑھاتے تو ہیں مگر لڑکوں کو دینیات کی تعلیم نہیں دیتے صرف اردو اور حساب و کتاب وغیرہ پڑھا کر پاس کر دیتے ہیں اور غلط سلط قرآن مجید پڑھا کر بچوں کے گھر والوں سے انعام پا جانے کو بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔

خدائے عزوجل انہیں اسلام کا صحیح جذبہ عطا فرمائے اور اپنی تنخواہوں کو حلال کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔

بڑے طلبہ:

دار العلوم کے طلبہ کو ہمارے پڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ تسہیل المصادر، نحو میر اور میزان بلکہ صرف میں پنج گنج علم الصیغہ اور فصول اکبری تک کے لڑکوں کا پچھلا سبق سننے کے بعد ہی آگے پڑھاتے ہیں اور جو یاد نہیں کرتا اسے مناسب سزا دیتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے روز وہ سبق یاد کر کے لاتا ہے۔

ہم چھوٹی کتابیں پڑھنے والے طلبہ کو بھی چالیس پچاس منٹ کی پوری گھنٹی پڑھاتے ہیں صرف چند منٹ نہیں پڑھاتے بلکہ گھنٹی کے ختم ہونے تک پوچھتے رہتے ہیں اور مختلف مصادر سے فعلوں کی گردان کراتے ہیں۔ البتہ نحو میر پڑھنے والے کو کافیہ و شرح جامی کی بحث اور منطق کے ابتدائی بچوں کو قطبی و ملا حسن کی باتیں نہیں بتاتے جس درجہ کا طلب علم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے سامنے مسائل پیش کرتے ہیں اپنی معلومات نہیں بلکہ طلبہ کی معلومات کے لحاظ سے ان کے سامنے تقریریں کرتے ہیں۔

متوسط اور منتہی کتابیں پڑھنے والوں کی جماعت میں اکثر ایسے طلبہ ہوتے ہیں جو تعلیم

کے نام پر مدرسوں میں کھاتے اور گھومتے ہیں۔ کتابوں کا مطالعہ کرنا تو بڑی بات ہے اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتے پھر بظاہر عالم کی لیکن حقیقت میں آٹھ دس سال مدرسہ میں کھانے کی دستار لیتے ہیں اور کام کا نہیں صرف نام کا مولانا ہو کر قوم کے لئے بوجھ بنتے ہیں۔

اس خرابی کو دور کرنے کے لئے ہم نے یہ طریقہ ایجاد کر رکھا تھا کہ پوری جماعت کے ہر طالب علم کو کم زیادہ تعداد کے اعتبار سے دو، دو یا ایک ایک سطر عبارت روزانہ پڑھنی پڑے گی اور اول و آخر یا درمیان میں جہاں جس سے چاہیں گے پڑھوائیں گے اس صورت میں ہر لڑکے کو عبارت پڑھنے کے لئے روزانہ محنت کرنی پڑتی اس لئے کہ جو ایسا نہ کرتا وہ بہت برا بھلا کہا جاتا اور سزا بھی پاتا۔

یہ طریقہ بے انتہا مفید ثابت ہوا لیکن طلبہ نے ہماری سختی کے بہت سے فرضی قصوں کا پرچار کیا اور ہمیں بہت بدنام کیا تو اس طرح عبارت پڑھوانا ہم نے بند کر دیا اب یہ دستور ہے کہ ہر طالب علم سے ایک ایک روز نمبروار عبارت پڑھواتے ہیں اور درمیان میں ایک دو صرفی نحوی مسئلہ بھی پوچھ لیا کرتے ہیں۔ یہ صورت بھی اوسطاً مفید ہے کہ ہر طالب علم کو کچھ روز بعد عبارت پڑھنی پڑتی ہے صرف چند مخصوص طالب علموں سے ہمیشہ عبارت پڑھوانا دوسروں کو نام کا عالم بنانا اور ان کی زندگی برباد کرنا ہے۔

اور عام طور پر جو یہ دستور ہے کہ عبارت پڑھنے میں اگر لڑکا غلطی کرتا ہے تو فوراً اسے بتا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی صحیح نہیں میرا دستور یہ ہے کہ بتاتا نہیں ہوں بلکہ صرف آگے پڑھنے سے روک دیتا ہوں پھر اگر وہ درست کر لیتا ہے تو اس کو وجہ بھی بتانی پڑتی ہے کہ ایسا کیوں پڑھا اس لئے کہ بسا اوقات بغیر سمجھے ہوئے صرف اندازہ سے عبارت صحیح کر لیتا ہے یا ضمہ سے روک دیا تو فتحہ پڑھ دیتا ہے اور وہ بھی صحیح نہیں ہوا تو کسرہ پڑھ دیتا ہے اور جب وجہ بتانی پڑتی ہے تو اس کے ذہن کو کام کرنا پڑتا ہے جس سے استعداد بڑھتی ہے اور مسائل حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گورنمنٹ کے امتحان میں طلبہ کو جو نقل کرا کے پاس کرایا جاتا ہے اس سبب سے وہ ذی استعداد بننے کی کوشش نہیں کرتے کہ محنت کے بغیر عالم فاضل

ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ نقل کرانے کا بھی میں سخت مخالف ہوں لیکن طلبہ کے ذی استعداد نہ ہونے کی یہ وجہ صحیح نہیں اس لئے کہ دیوبندی وغیرہ بھی گورنمنٹ کے امتحان میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اوران کے لڑکے ہمارے طلبہ کی بہ نسبت ذی استعداد ہوتے ہیں۔

میرے نزدیک اس خرابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ طلبہ پرسختی نہیں کی جاتی اس لئے سینوں کے وہ مدارس جوالحاق نہیں ہیں اوران کے طلبہ گورنمنٹ کے امتحان سے عالم فاضل نہیں ہوتے وہ بھی باصلاحیت نہیں بنتے۔ شہربستی کے بس سٹیشن پر ایک دیوبندی طالب علم ملا جو درمیان سال پورے سامان کے ساتھ اپنے گھر جارہا تھا اس نے بتایا کہ ششماہی امتحان میں صرف ایک کتاب کے اندر فیل ہوجانے کے سبب مجھے مدرسہ سے خارج کردیا گیا جبکہ میں خوراکی بھی دیا کرتا تھا۔

اور ہمارے یہاں حال یہ ہے کہ سالانہ امتحان میں فیل ہونے کے باوجود طالب علم کو خارج کردینا تو بہت بڑی بات ہے معمولی سزا بھی نہیں دی جاتی اور نہ ان کو ذی استعداد بنانے کی کماحقہ کوشش کی جاتی ہے۔ عام طور پر صرف تنخواہ بنانے کے لئے نوکری کی جاتی ہے۔

افتاء:

۴؍ صفر المظفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو ۲۴ سال کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا پھر ۲۵ سال تک ملک اور بیرون ملک پاکستان اور ہالینڈ وغیرہ سے آئے ہوئے ہزاروں سوالات کے جوابات بڑی محنت سے لکھے جو فیض الرسول کے علاوہ دوسرے مؤقر ماہناموں میں بھی عرصہ دراز تک شائع ہوتے رہے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔

یہ ہمارے لئے نہایت مسرت کی بات ہے کہ مدینہ منورہ جو دینِ اسلام کا منبع ومرکز ہے وہاں کے بعض لوگوں نے بھی فتویٰ کے لئے ہماری طرف رجوع کیا جن کا مدلل جواب لکھ کر روانہ کیا۔

ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں دماغی کمزوری کے سبب فتویٰ نویسی سے مستعفی ہوکر اب دارالعلوم فیض الرسول کے صرف شعبہ تعلیم کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔

فتاویٰ فیض الرسول کی ترتیب کا کام جاری ہے کوشش ہے کہ میری زندگی میں چھپ کر منظر عام پر آجائے تا کہ میری دماغی کاوشیں ضائع نہ ہوں۔ اس لئے کہ جو قوم اعلیٰ حضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی اور صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہما الرحمۃ والرضوان جیسی اہم شخصیتوں کے سارے فتاوے چھپوا کر اب تک منظر عام پر نہ لاسکی اس قوم سے ہم جیسے لوگوں کے فتاویٰ چھپوانے کی امید رکھنا غلط ہے۔

فتویٰ نویسی کی زندگی کے چند واقعات

مفتی کا کام ہے فتویٰ دینا اور تحقیق واقعہ کے بعد فیصلہ کرنا قاضی کا کام ہے لیکن چونکہ آج کل فتویٰ کو عام طور پر فیصلہ سمجھا جاتا ہے اور بہت سے لوگ از راہ فریب غلط سوال بنا کر اپنے مطلب کے موافق فتویٰ لینے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے میں حتی الامکان واقعہ کی تحقیق بھی کرلیا کرتا تھا۔

ضلع گونڈہ قصبہ اترولہ کے علاقہ سے ایک شخص آیا اور اس نے بیان دیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں نے ایسا کیا ہے اس لئے کہ میں غصہ میں ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا تو اس صورت میں میری بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں؟ ہم نے کہا قسم کے بغیر تمہارا ایسا حیرت انگیز بیان کہ تم نے طلاق دی اور تمہیں خبر ہی نہیں ہم ہرگز نہیں تسلیم کرسکتے۔ اس لئے کہ ہم بہت سے مکار دیکھ چکے ہیں۔ اس نے بڑی بے باکی سے کہا ایک نہیں سات قرآن شریف اپنے سر پر رکھ کر بھی ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہمارا بیان صحیح ہے۔

ہم نے جان لیا کہ یہ آدمی قرآن مجید اٹھا کر جھوٹی قسم کھالے گا لیکن کسی بزرگ کے مزار پر ہاتھ رکھ کر اغلب یہ ہے کہ یہ جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہیں کرسکے گا ہم نے کہا شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار پر ہاتھ رکھ کر قسم کے ساتھ اپنا یہ بیان دے سکتا ہے اس نے کہا ہاں بالکل دے سکتا ہوں۔

میں نے اس کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ وضو کے بعد اسے مزار شریف کے پاس لے جا کر پہلے باہر ہی کھڑا کیا اور کہا سوچ لو اب بھی وقت ہے اگر تم جھوٹی قسم کھا کر کوڑھی یا اندھے ہو گئے تو زندگی تمہاری تباہ ہو جائے گی۔ اس نے کہا میرا بیان صحیح ہے میں قسم کھانے کے سبب

کوڑھی یا اندھا نہیں ہوں گا آپ جس طرح چاہیں مجھ سے قسم کھلا سکتے ہیں۔

اب میں اسے اندر لے گیا اور کہا کہ مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ میں قسم کھا کر بیان دیتا ہوں کہ میں نے ہوش وحواس کی درستگی میں طلاق نہیں دی ہے اگر میرا یہ بیان غلط ہو تو میں کوڑھی اور اندھا ہو جاؤں۔

اب اس کے چہرہ سے گھبراہٹ ظاہر ہوئی یہاں تک کہ وہ کانپنے لگا اور مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر جھوٹا بیان دینے کی ہمت نہیں کر سکا۔ دیر تک خاموش کھڑا رہا۔

میں نے کہا تجھے کیا ہو گیا اب مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر بیان کیوں نہیں دیتا مگر وہ چپ ہزار چپ۔ آخر جب میں اسے باہر لایا تو اس نے اقرار کر لیا کہ میں نے ہوش وحواس کی درستگی میں طلاق دی ہے۔

ضلع گونڈہ کا ایک شخص جو براؤں شریف کا مرید تھا وہ ہمارے ساتھ بھی بڑا حسن اعتقاد رکھتا تھا جب کبھی میں اس کی آبادی میں جاتا تو وہ ایک خادم کی طرح میرے ساتھ رہتا اور نذرانہ وغیرہ سے ہر ممکن خدمت کرتا۔

تلسی پور کے علاقہ سے وہ ایک عورت بھگا لایا اور مجھ سے کہا کہ اس کا شوہر وہابی مرتد ہے۔ اس کا نکاح آپ میرے ساتھ پڑھ دیجئے۔ میں نے انکار کیا اس نے کہا کسی دوسرے ہی کو پڑھانے کی اجازت دے دیجئے۔ میں نے اجازت دینے سے بھی انکار کیا اور کہا میں کیسے یقین کر لوں کہ اس کا شوہر وہابی مرتد ہے؟ اس نے کہا آپ آدمی بھیج کر تحقیق کر لیجئے۔

اب دو آدمی جو بظاہر پرہیزگار تھے تحقیق حال کے لئے بھیجے گئے واپس آ کر ان لوگوں نے بیان دیا کہ ہم دونوں نے اس کی آبادی کے بہت سے لوگوں سے معلوم کیا تو یہی تحقیق ہوا کہ اس کا شوہر وہابی مرتد ہے۔ مگر میں نے اب بھی نکاح کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ میں فیض الرسول کے دیگر علماء سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔

اتفاق سے میرے وہاں سے آنے کے چند روز بعد آستانہ یار علویہ براؤں شریف کے سجادہ نشین اس آبادی میں تشریف لے گئے، جس کی بیوی اغوا کی گئی تھی اسے معلوم ہوا کہ

جو شخص میری بیوی کو بھگا کر لے گیا ہے اس کے پیر اس کی آبادی میں آئے ہوئے ہیں تو وہ آ کر سجادہ نشین سے ملا اور اپنا معاملہ پیش کیا۔ حضرت سجادہ نشین نے شخص مذکور کو بلا کر بہت ڈانٹا پھٹکارا اور حکم دیا کہ فوراً اس کی بیوی اس کے سپرد کر دو اور علانیہ توبہ و استغفار کرو۔

شخص مذکور نے کہا کہ یہ وہابی مرتد ہے اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ اس نے کہا میں الحمدللہ! اہلسنت و جماعت سے ہوں۔ وہابی مرتد نہیں ہوں۔ تمام ضروریات اہلسنت کو مانتا ہوں جس بات کے متعلق آپ چاہیں مجھ سے اقرار لے سکتے ہیں مگر میں اب اس عورت کو نہیں لے جاؤں گا اور پھر وہ طلاق دے کر چلا گیا۔

ہماری آبادی اوجھا گنج کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں کا ایک شخص کانپور سے ایک شادی شدہ عورت بھگا کر لایا۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر جب اوجھا گنج کے لوگوں کو معلوم ہوا تو اس کا بائیکاٹ کیا گیا وہ اپنی ذلت مٹانے کے لئے کانپور گیا اور بھگائی ہوئی عورت کے شوہر و گواہان کے دستخط کے ساتھ طلاق نامہ لا کر پیش کیا۔ میرے دل نے فیصلہ کیا کہ یہ طلاق نامہ فرضی ہے۔ شخص مذکور کے بھائی جو مولوی کہے جاتے ہیں انہوں نے کہا آپ اس تحریر کو صحیح کیوں نہیں مانتے؟ ہم نے کہا جو آدمی دوسرے کی عورت بھگا سکتا ہے وہ فرضی طلاق نامہ بھی بنا سکتا ہے۔ ہم ایسے شخص کی لائی ہوئی تحریر بلا تحقیق نہیں مان سکتے۔

چند روز بعد مولانا محمد علاؤالدین اوجھا گنجوی کانپور جانے لگے تو ہم نے ان سے طلاق نامہ کی تحقیق کے لئے کہا۔ انہوں نے مذکورہ عورت کے شوہر سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ میں نے طلاق نامہ لکھا ہے نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ مجھے اس کا کچھ علم ہے البتہ ایک شخص نے مجھ سے سادہ کاغذ پر یہ کہہ کر دستخط لیا ہے کہ تم کو مل میں ملازمت دلوائی جائے گی ہو سکتا ہے کہ اسی کاغذ کو طلاق نامہ بنا لیا گیا ہو۔

ضلع بستی تحصیل ڈومریا گنج کا ایک شخص آیا اور کمرہ میں داخل ہوتے ہی مصافحہ کے ساتھ پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ ہم نے کہا آج یہ نذرانہ کیسا؟ اس نے کہا بس ایسے ہی دل میں آیا کہ آج آپ کو نذرانہ پیش کروں۔ خیر ہم نے قبول کر لیا۔

پھر جب وہ کھانا وغیرہ سے فارغ ہوا تو ایک سوال پر بھاؤ پور ضلع بستی اور تلسی پور ضلع

گونڈہ کے مفتیوں کا فتویٰ دکھایا۔ سوال یہ تھا کہ حالت جنون میں زید نے طلاق دی تو واقع ہوئی یا نہیں؟ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ جب جنون کی حالت میں طلاق دی ہے تو نہیں واقع ہوئی کہ حالت جنون کے کسی فعل پر شرعی حکم نہیں لگتا۔ یہاں تک کہ اس حالت کے کلمات کفر پر بھی آدمی کافر نہیں ہوتا۔

شخص مذکور نے بتایا کہ یہ معاملہ ہمارا ہی ہے درمیان میں ہم پاگل ہو گئے تھے پھر اس نے اپنے پاگل ہونے کے بارے میں گورکھپور کے ایک مشہور ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھی دکھلایا۔

ہم نے کہا دو جگہ کے مفتیوں کا فتویٰ تو آپ کو مل گیا پھر یہاں آنے کی تکلیف آپ نے کیوں اٹھائی؟ کہا میری بیوی کہتی ہے کہ جب تک براؤں شریف کا فتویٰ نہیں لاؤ گے ہم نہیں مانیں گے ہم نے کہا اگر یہ بات ہے تو ہم بھی فتویٰ لکھ دیں گے۔

پھر ہم نے اس طرح لکھنا شروع کیا کہ اگر زید نے حالت جنون میں طلاق دی ہے تو نہیں واقع ہوئی اور اگر ہوش وحواس کی درستگی میں دی ہے تو واقع ہوگئی۔

اس نے کہا جبکہ میں آپ کو اپنے پاگل ہونے کے بارے میں دماغ کے ایک مشہور ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ دکھا رہا ہوں تو آپ کو یوں لکھنا چاہئے کہ جب زید نے حالت جنون میں طلاق دی ہے تو نہیں واقع ہوئی۔ ہم نے کہا اس طرح وہ لوگ لکھیں گے کہ جن کو فتویٰ نویسی کا تجربہ نہیں ہے ہم ایسا ہرگز نہیں لکھ سکتے۔ رہی پاگل ہونے کے بارے میں سرٹیفکیٹ کی بات تو آپ اپنے پاگل ہونے کے متعلق ایک ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ دکھا رہے ہیں آپ جس کے بارے میں کہیں میں اس کے متعلق دس ڈاکٹروں کے سرٹیفکیٹ منگوا کر دکھلا سکتا ہوں۔

جب اس نے دیکھا کہ پانچ روپیہ نذرانہ کے نام پر رشوت دینے کے باوجود کام نہیں بنا تو اس کا تین گنا وصول کرنے کے لئے ہم سے پندرہ روپے کی کتابیں ادھار لے گیا اور باربار تقاضا کے باوجود کئی برس تک نہیں دیا یہاں تک کہ اس کے لڑکے نے عاجز ہو کر اپنی طرف سے ادا کیا۔

جو لوگ کہ ظاہری پرہیزگاری کے فریب میں آجاتے ہیں عورتوں کو اغوا کرنے والوں کی باتوں کو مان لیتے ہیں اور ان کے لائے ہوئے طلاق نامہ وغیرہ بلاچون وچرا صحیح تسلیم کر

لیتے ہیں وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور خوب یاد رکھیں کہ دنیا بہت مکار ہوگئی ہے۔ ان کی باتوں میں نہ آئیں حتی الامکان معاملہ کی تحقیق کر لیں اور تحریر میں حلال وحرام، جائز وناجائز اور طلاق کے وقوع وعدم وقوع دونوں پہلوؤں کو واضح طور پر لکھیں۔

تصنیف وتالیف:

درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کی مصروفیات کے باوجود ہم نے شروع ہی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سب سے پہلے گلدستہ مثنوی یعنی مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی شریف کا انتخاب مع ترجمہ ومختصر تشریح لکھی پھر دیگر کتابیں معارف القرآن، انوار شریعت عرف اچھی نماز، حج وزیارت محققانہ فیصلہ، باغ فدک اور حدیث قرطاس، ضروری مسائل، بچوں کے لئے دینی تعلیم کا سنیت افروز سلسلہ نورانی تعلیم چہار حصے، انوار الحدیث اور الغاز الفقہ عرف فقہی پہیلیاں لکھیں پھر اس کے بعد زیر نظر کتاب خطبات محرم مرتب کی ان تمام تصنیفات میں انوار الحدیث اور الغاز الفقہ سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہیں۔

اور ہندوستان میں چونکہ اُردو داں طبقہ روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اسی لئے دوسروں نے اپنی مذہبی کتابیں بہت پہلے ہندی میں چھپوا کر پورے ملک میں پھیلا دیں جس سے اسلام وسنیت کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے کہ ان کی کتابیں پڑھ کر لوگ گمراہ ہوتے جارہے ہیں مگر ہماری جماعت کے لوگوں نے اس طرف توجہ نہ کی۔

خدائے تعالیٰ کا شکر ہے اس نے ہم کو توفیق عطا فرمائی کہ اہلسنّت وجماعت میں سب سے پہلے ہم نے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں انوار شریعت عرف اچھی نماز کو ہندی میں چھپوایا جو بے انتہا مقبول ہوئی اس کے بعد لوگوں کی توجہ اس طرف ہوئی اور بہار شریعت حصہ اوّل وغیرہ بہت سی کتابیں ہندی میں چھپ کر منظر عام پر آگئیں اور ہم نے انوار شریعت کے بعد محققانہ فیصلہ پھر انوار الحدیث کو بھی ہندی میں کر دیا جس سے اہلسنّت وجماعت کے ہندی داں طبقہ کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

دوسروں کی بہ نسبت ہماری جماعت میں تصنیف وتالیف کا کام بہت کم ہو رہا ہے اس لئے کہ جو لوگ اس کام کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اگر شروع میں کچھ کام کرتے بھی ہیں تو بعد

میں اسے چھوڑ کر وظیفہ، پیری مریدی اور تعویز نویسی میں لگ جاتے ہیں مگر میں نے دین کی تقویت اور اسلام وسنیت کی تبلیغ کے لئے کتابوں کی تصنیف اور اس کی نشر واشاعت کو سب سے زیادہ اہم سمجھا اس لئے کہ کتابیں ہر صوبہ اور ہر شہر کے مسلمانوں کو آسانی سے پہنچ جائیں گی جن سے وہ اپنے ایمان وعمل کو سنواریں گے۔ اور پیری مریدی سے چاہے ہم پکے دنیادار ہو جائیں لیکن مرید لوگ ہمیں ولی ضرور بنا دیں گے جس سے عرس بھی ہوگا مگر اس سے ہم کو اور ہماری اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور تصنیف وتالیف سے پوری قوم مستفید ہو سکے گی۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان دین کی اشاعت اور بدمذہبیت کی روک تھام کے لئے دن رات قلم چلاتے رہے۔ آج بھی وہابیت اور دیوبندیت ہر طرح سے مضبوط ہو رہی ہے اور پڑھا لکھا طبقہ ان سے متاثر ہوتا چلا جا رہا ہے اس لئے ہر سنی عالم دین پر لازم ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق بدمذہبیت کی روک تھام کے لئے قلم چلائے اور صرف پیری مریدی کو اس کے لئے کافی نہ سمجھے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں بھی پیروں کی کمی نہیں تھی مگر سنیت کا بول بالا ان کے قلم چلانے ہی سے ہوا۔

ہم نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے مقامات مقدسہ پر یہ دعا کی الٰہ العالمین! ہم کو اور ہماری اولاد کو خلوص کے ساتھ دین متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق عطا فرما اور آج بھی مبارک موقعوں پر یہ دعا کرتے رہتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمارے حق میں یہ دعا قبول فرمائی کہ ہم خدمت دین ہی کے جذبہ سے کتابیں لکھتے اور اس کی نشر واشاعت کرتے ہیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حصول زر کے لئے ایسا کر رہے ہیں وہ بدگمانی کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں اگر مقصد روپیہ کمانا ہوتا تو ہماری تصنیف کردہ کتابوں کا یہ مزاج نہ ہوتا کہ بدمذہب اسے ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ اور غلطی سے اگر خرید لیتا ہے تو پڑھنے کے بعد افسوس کرتا ہے اور کبھی فحش گالیوں سے بھرا ہوا خط بھی لکھتا ہے۔

کتب خانہ امجدیہ:

کتابوں کے ذریعہ مذہب کی اشاعت بہت ٹھوس اور مستحکم ہوتی ہے اسی لئے

بدمذہب اپنی بدمذہبی پھیلانے کے لئے تقریباً ہر شہر میں کتب خانہ قائم کئے ہوئے ہیں اور اس کے ذریعہ ہر گھر میں اپنی کتابیں پہنچا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں مگر اہلسنّت و جماعت کے لوگوں کی توجہ اس طرف نہیں اسی لئے پورے ملک میں سنیوں کا کوئی ایسا کتب خانہ نہیں جو قابل ذکر ہو صرف چند مقامات پر چھوٹے چھوٹے کتب خانے ہیں۔ جو اپنی بساط کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ بمبئی میں بھنڈی بازار جیسی مین جگہ اور دہلی میں جامع مسجد کا ایریا سنّی کتب خانوں سے خالی ہے جس سے سنّیت کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے مگر سنیوں کی آنکھ نہیں کھلتی اور انہیں نظر نہیں آتا۔

بمبئی کے ایک رضوی عالم جو بہت سے تاجروں کو بطور مضاربت بڑی بڑی رقمیں دیتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ بھنڈی بازار جہاں ہزاروں مسلمان روزانہ کتابیں خریدنے کے لئے آتے ہیں وہاں اہل سنت و جماعت کا کوئی کتب خانہ نہیں ہے جس کی اشد ضرورت ہے۔ سنّی مسلمان مترجم قرآن مجید لینا چاہتا ہے اور بدمذہب اپنے لوگوں کا ترجمہ اسے پکڑا دیتا ہے بلکہ بعض لوگ جو اعلیٰ حضرت کا ترجمہ صراحۃً طلب کرتے ہیں مگر پڑھے ہوئے نہیں ہوتے ہیں تو انہیں بھی اپنے مولوی کا ترجمہ دے دیتے ہیں اس لئے بھنڈی بازار میں آپ ایک کتب خانہ قائم کر دیجئے۔

میری ان باتوں نے ان کے اوپر ایسا اثر کیا جیسے کسی زخمی شیر کو چھیڑ دیا جائے ان کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور وہ غصہ سے بھرے ہوئے بولنے لگے کہ اس زمانہ میں جب کہ ہزار بہت وقعت رکھتا تھا انہی ہاتھوں سے میں نے فلاں مولوی کو ستر ہزار روپیہ پریس اور کتب خانہ قائم کرنے کے لئے دیا اتنا روپیہ کتنی پریشانیوں سے اکٹھا ہوا وہ میں ہی جانتا ہوں مگر قوم کا پیسہ لے کر وہ کھا گئے اور کچھ نہ کیا۔

میں نے کہا میں آپ سے کچھ مانگتا نہیں ہوں بلکہ مذہب کی اشاعت اور سنّیت کو نقصان پہنچنے سے بچانے کے لئے چاہتا ہوں کہ آپ خود بھنڈی بازار میں ایک سنّی کتب خانہ قائم کر دیں مگر آج تک انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اور بھی ہم نے کئی لوگوں سے کتب خانہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ آپ

لوگ ہر طرح کا روزگار کرتے ہیں کتب خانہ کیوں نہیں چلاتے کہ اس سے دین کا کام بھی ہوگا اور آپ کی ضروریات کے لئے دو پیسہ ملتا بھی رہے گا اور آپ خدمت دین کی نیت سے ایسا کریں گے تو ثواب بھی ملے گا مگر دنیادار تو دنیادار کسی دیندار کی سمجھ میں بھی نہیں آیا۔

ہندوستان کے ایک مشہور مقرر جن کی تقریریں اکثر بمبئی میں ہوتی رہتی ہیں اور کثیر مجمع ہوتا ہے ہم نے ان سے کہا کہ بھنڈی بازار بمبئی میں ایک سنی کتب خانہ قائم کروانے کے لئے ہم نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا اگر ہم کہہ دیں تو ہو جائے گا۔ ہم نے کہا اسی لئے تو آپ سے ذکر کیا ہے آپ کہہ دیں گے تو یقیناً وہاں ایک بڑا کتب خانہ ہو جائے گا جس کی اشد ضرورت ہے مگر نہ معلوم ان کے پیش نظر کیا مصلحت ہے کہ آج تک انہوں نے اس سلسلے میں ہونٹ ہلانا گوارا نہ کیا۔

ہندوستان کے بہت سے شہروں میں اور خود بمبئی میں ایسے ایسے بڑے بڑے ادارے ہیں جو لاکھوں روپیہ بینکوں میں رکھنے کو بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ فلاں کی صدارت و نظامت کے زمانہ میں صرف اتنا بینک بیلنس رہا اور ہمارے وقت میں اتنا زیادہ ہو گیا۔

یعنی اسلام کے نام پر روپیہ وصول کرنے کے بعد بینک کو نفع پہنچایا جاتا ہے اور اسلام کی باتوں کو عام کرنے کے لئے مسلمانوں کا پیسہ استعمال نہیں کیا جاتا نہ ان کے ایمان و عمل کو سنوارنے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے۔ البتہ بعض مدرسہ والے آمدنی کے لئے مارکیٹ اور ہوٹل وغیرہ بنواتے ہیں۔ پریس، کتب خانہ نہیں قائم کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بدمذہبوں کی اہم کتابیں ہندوستان کی پندرہ زبانوں میں شائع ہو رہی ہیں اور اہل سنت و جماعت کی بہار شریعت جیسی اہم کتاب ابھی تک صرف اردو میں بھی صحیح نہیں مل پا رہی تھی۔ خدائے تعالیٰ قادری بک ڈپو نو محلہ مسجد بریلی شریف کا بھلا کرے کہ اس کی کوششوں سے اب صحیح ''بہارِ شریعت'' اُردو میں ملنے لگی۔

بدمذہب مولویوں کے پاس جب پیسہ ہوتا ہے تو وہ پریس و کتب خانہ قائم کر کے اپنا مذہب پھیلاتا ہے اور سنی مولوی جب خوشحال ہوتا ہے اور اس کے پاس رقم پسماندہ ہوتی ہے تو

وہ سمجھانے کے باوجود اس طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ بینک میں جمع کر کے اس کو فائدہ پہنچاتا ہے، کسی دوسری چیز کی دکانداری کرتا ہے، بس اور ٹیکسی چلواتا ہے یا مرغی اور مچھلی پالتا ہے اور اس طرح کے کاموں میں ترقی کر جانے کو اپنے لئے بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہے حالانکہ عالم کی کامیابی حقیقت میں یہ ہے کہ وہ دین کے کاموں میں ترقی کرے اس لئے کہ گائے کا دودھ دیکھا جاتا ہے اس کی چال نہیں دیکھی جاتی۔ گائے کی چال کتنی ہی اچھی ہو مگر دودھ نہ دے تو بیکار ہے اور گھوڑی کی چال دیکھی جاتی ہے نہ کہ اِس کا دودھ۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز جس کام کے لئے ہوتی ہے اسی میں ترقی اس کی کامیابی ہوتی ہے تو عالم دین جو دینی کاموں کے لئے ہوا کرتا ہے اس کے بجائے دنیوی کاموں میں ترقی کرے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی گائے' دودھ کے بجائے اچھی چال والی ہو۔

خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اگر ہم کو کچھ پیسہ عطا فرمایا تو اپنے دین کی تقویت اور اس کی نشر واشاعت کے لئے ہمیں کتب خانہ امجدیہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی جو اپنی بساط کے مطابق دین کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے کہ ملک اور بیرون ملک کے بے شمار لوگ اس کی شائع کردہ کتابوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اپنے ایمان وعمل کو سنوار رہے ہیں۔

اللہ رب العزت سرکار اقدس ﷺ کے صدقہ وطفیل میں ہماری اس دینی خدمت کو بھی قبول فرمائے۔

ایک اور اہم خدمت دین:

قرآن مجید کے ابتدائے نزول سے آج تک اس کی کتابت وطباعت کی صحت کا ہر عہد میں بہت اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو غلط چھپنے سے بچانے کے لئے ہمیشہ ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس زمانہ کے چند دنیادار ناشرین زیادہ سے زیادہ نفع خوری کے لئے نہایت غیر ذمہ داری ولاپروائی سے کثیر غلطیوں کے ساتھ قرآن مجید چھاپ کر شائع کر رہے تھے اور ملک وبیرون ملک جہاں تک قرآن مجید پھیلایا جا رہا تھا ہر جگہ بے شمار علماء وحفاظ موجود ہے مگر کسی نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ غلطیاں ترجمہ رضویہ ہی کے متن میں پائی گئیں غالباً اس لئے

کہ اہلسنّت و جماعت کو ہندوستان میں اس ترجمہ والا قرآن مجید نہیں مل پا رہا تھا اور پوری قوم اس کے لئے بہت بے چین تھی تو ناشرین نے سوچا کہ جا ہے جیسے چھپوا دیا جائے گا سنی عوام وخواص سب لے لیں گے اور تھوڑے ہی خرچ میں زیادہ نفع حاصل ہو جائے گا۔

سب سے پہلے ایک کتب خانہ کے مطبوع قرآن مجید کے متن میں ہمیں پچاس غلطیاں ملیں۔ پھر اسی کتب خانہ کے چھپوائے ہوئے دوسرے نسخہ میں ۱۴۵ غلطیاں ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد دوسری کمپنی کے مطبوع قرآن میں ۴۰ غلطیاں پائی گئیں پھر تیسرے بک ڈپو کے چھپوائے ہوئے میں ۵۶ غلطیاں ملیں۔ اس کے بعد چوتھے کتب خانہ کے مطبوع میں ۷۵ غلطیاں ظاہر ہوئیں۔ پھر پانچویں کمپنی کے شائع کردہ قرآن میں ۳۴ غلطیاں پائی گئیں اور پھر میری تصحیح کے باوجود اس کے دوسرے ایڈیشن کے نسخہ میں ۲۳ غلطیاں ملیں اس کے بعد چھٹے ادارہ کے مطبوع میں ۶۸ غلطیاں ظاہر ہوئیں جن کی تصحیح تفصیل کے ساتھ ماہنامہ پاسبان الہ آباد، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف کے مختلف شماروں میں شائع کی گئی۔ ساتھ ہی ہم نے ثبوت کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ترجمہ رضویہ مع تفسیر صدرالافاضل کے ساتھ قرآن مجید کے مضامین کی جو فہرست شائع کی جارہی ہے وہ کھلا ہوا فریب ہے۔ ناشرین کو ایسی فہرست کے ساتھ قرآن مجید چھپوانے سے منع کیا جائے اور نہ مانیں تو ان کا بائیکاٹ کیا جائے لیکن آج تک ہمارے اس اعلان پر کسی نے کوئی دھیان نہیں دیا اور کتب خانہ والے برابر اسی جھوٹی فہرست کو شائع کر رہے ہیں جو مفید ہونے کے بجائے سنیوں کے لئے بے انتہا مضر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے، غیر اللہ سے مدد مانگنے اور ان کے علاوہ دیگر مختلف فیہ مسائل کے متعلق فہرست میں جو آیات مبارکہ لکھی گئی ہیں مخالفین کے سامنے جب سنی عوام ان کو پیش کریں گے اور قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر میں فہرست کے مطابق ان کا ذکر نہیں پائیں گے تو اس کے بعد جو ان کا حال ہوگا وہ ظاہر ہے کہ سنی علما سے وہ بدظن ہو جائیں گے۔ ان کو فریب کار و مکار ٹھہرائیں گے اور مخالفین آسانی کے ساتھ ان کو اپنی جماعت میں شامل کر لیں گے۔

• یہ غلطی سب سے پہلے بریلی شریف کی قرآن کمپنی نے کی ہے جیسا کہ اس کے ایک

ذمہ دار ممبر نے مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم لوگوں نے مزید افادیت کے لئے قرآن مجید کے ساتھ اس کے مضامین کی فہرست بھی شائع کی ہے اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تفسیر صدرالافاضل کے ساتھ فہرست ہونے کا اعلان سب سے پہلے اسی کمپنی نے کیا۔ دیکھئے ماہنامہ نوری کرن بریلی شریف شمارہ نومبر ۱۹۷۲ء۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ تفسیر نور العرفان کی فہرست ہے جو تفسیر خزائن العرفان کے ساتھ ضم کردی گئی ہے اس لئے مضامین اس کے مطابق نہیں۔

میں نے کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی پر فہرست کی فریب کاری دکھانے کے بعد بہت دباؤ ڈالا کہ وہ قرآن مجید بلا فہرست چھاپے۔ اس نے ایک ایڈیشن ایسا ہی طبع کیا لیکن دنیادار کتب فروشوں نے سنی عوام کو بیوقوف بنانے کے لئے پھر اس کتب خانہ کو اسی فہرست کے ساتھ قرآن مجید چھپوانے پر مجبور کردیا۔

طباعت قرآن مجید کے اغلاط کی تصحیح رسالوں میں چھپوانے کے سبب اکثر ناشرین سے ہمارے تعلقات خراب ہوگئے۔ اسی لئے ہم نے اس مضمون کے شروع میں ان کو دنیادار لکھا اس لئے کہ اگر وہ دیندار ہوتے اور قرآن کی غلط طباعت کے سبب انہیں کچھ بھی اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا تو شکر گزار ہونے کے بجائے ہم سے ناراض نہ ہوتے بلکہ وہ خود ہماری تصحیح کو کثیرالاشاعت ماہناموں میں بار بار شائع کرتے یہاں تک کہ جتنے لوگوں کے پاس ان کے شائع کردہ نسخے ہیں وہ سب آگاہ ہوجاتے اور قرآن کی غلط خوانی سے بچ جاتے مگر انہوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ ان کو اپنی نفع خوری میں کمی کا اندیشہ تھا۔

دنیوی صلہ:

اس تصحیح کا ہمیں دنیوی صلہ یہ دیا گیا کہ جب کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی نے ہماری تصحیح کے مطابق قرآن مجید چھپوایا تو ساتھ ہی اس نے یہ اعلان بھی شائع کیا کہ مفتی جلال الدین احمد امجدی کی تصحیح کے مطابق اسے طبع کروایا گیا ہے مگر پھر بھی اس میں بعض غلطیاں رہ گئی تھیں جس پر لندن سے ایک صاحب نے محاسبہ کرتے ہوئے گستاخیوں سے

بھرا ہوا خط لکھا کہ جب آپ کی نگرانی میں قرآن مجید طبع ہوا تو یہ غلطیاں کیسے رہ گئیں؟ حالانکہ میری نگرانی میں نہیں چھپا تھا بلکہ جو غلطیاں ہمیں نظر آئیں صرف ان کی تصحیح ہم نے ماہناموں میں شائع کر دی تھی۔

اور کتب خانہ اشاعت الاسلام کے اسی اعلان پر کشمیر کے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ تفسیر خزائن العرفان کے ساتھ جو فہرست شائع کی جا رہی ہے وہ ہم نے مرتب کی ہے جس سے سنیت کو نقصان پہنچ رہا ہے تو ایک گستاخ نے بلا تحقیق بد تمیزیوں سے بھرا ہوا خط لکھا حالانکہ ہم خود اس فہرست کے غلط ہونے کا اعلان ماہناموں میں کر چکے تھے۔

اور ہندوستان کے ایک مشہور مفتی نے کہا کہ آپ بلا وجہ ناشرین قرآن کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ ساری غلطیاں تو اسی نسخہ میں پائی جاتی ہیں جو حضرت صدر الافاضل نے چھپوایا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب حضرت صدر الافاضل کے شائع کردہ نسخہ میں یہ ساری غلطیاں پائی جا رہی ہیں تو اس کی تصحیح نہ کی جائے بلکہ قیامت تک اسے باقی رہنے دیا جائے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اور فقہ حنفی کی عظیم کتاب بہار شریعت میں گمراہ کن تحریف کی مذموم حرکت کی گئی کہ اس کے مثبت مسائل کو منفی اور منفی کو مثبت بنا کر چھاپا گیا لیکن اس کے متعلق کسی نے قلم نہیں اٹھایا اور نہ کچھ لکھا ہم نے چند غلطیاں بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے اس کے خلاف مضامین لکھے جو ماہنامہ پاسبان الہ آباد شمارہ مارچ ۱۹۷۹ء اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف شمارہ اپریل ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئے اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو کچھ دنوں بعد مخالفین اس کے مصنف فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعۃ علامہ حکیم ابو العلا محمد امجد علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات پر کیچڑ اچھالتے اور انہیں بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کرتے۔ خداوند قدوس اس خدمت کو بھی قبول فرمائے اور ہمیں اجر جزیل و جزائے جلیل عطا فرمائے، آمین

عام حالات

حق گوئی وبیبا کی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

علمائے دین کا حق گو اور بے باک ہونا ضروری ہے، ان پر لازم ہے کہ باطل سے نہ ڈریں اور بلاخوف لومۃ لائم حق کو بیان کریں جس کے اندر یہ جوہر نہیں ہے وہ حقیقت میں وارث انبیاء کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

الحمدللہ! ہم نے بڑی بڑی طاقت رکھنے والوں، بڑے بڑے پیروں اور بڑے بڑے دولت مندوں کی پرواکئے بغیر بہت سے موقعوں پر حق گوئی کی ہے جن میں سے چند اہم واقعات یہ ہیں۔

دہریوں کے مقابلہ میں حق گوئی:

بحمدہ تعالیٰ ہمارا وطن اوجھا گنج وہابیوں، دیوبندیوں اور رافضیوں وغیرہ سے پاک ہے لیکن کچھ لوگ کمیونزم سے متاثر ہوکر دہریہ ہوگئے۔ اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا ان کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں اور یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے باپ پہلے زمیندار تھے اور ہماری ہریا تحصیل کے سب سے بڑے حکیم اور ڈاکٹر تھے۔ اس لئے وہ لوگ روپے پیسے سے بہت مضبوط تھے اور باپ کی سابقہ زمینداری و موجودہ ڈاکٹری کے سبب پورے علاقہ میں بڑا اثر رکھتے تھے۔

جب ان گستاخیوں کی آواز ہمارے کانوں میں آئی تو اگرچہ ہماری علمی و مالی پوزیشن اس زمانہ میں کمزور تھی اور ہمارے مخلصین بھی بہت کم تھے مگر ہم نے ان کے خلاف کھلم کھلا تقریریں کرنی شروع کردیں اور ہر جمعہ، ہر محفل میلاد اور محرم شریف کی ہر مجلس میں برابر ان کا رد کرنے لگے۔

ایک بار دہریوں کے بڑے باپ آئے انہوں نے کہا ہمارے گھر والے تو بہت خراب ہوتے چلے جارہے ہیں ہمارا فلاں بھتیجا کہتا ہے کہ قرآن پرانا ہوگیا اب وہ عمل کے قابل نہیں رہ گیا۔ (معاذ اللہ رب العالمین)

قرآن مجید کی حقانیت بیان کرنے کے لئے انہوں نے میلاد شریف کی محفل کا انعقاد کیا ہم نے اس میں حاضر ہوکر قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے اور ہمیشہ کے لئے اس کے مشعل ہدایت ہونے پر عقلی ونقلی دلائل کے انبار لگادیئے اور دہریوں کے دروازہ ہی پر ان کا بہت سخت رد کیا۔

ہماری تقریروں کے جواب میں انہوں نے اوران کے گھر والوں نے مولویوں کی برائی کرنی شروع کی کہ فلاں مولوی نے یہ غلط کام کیا اور فلاں مولوی نے یہ برائی کی آبادی کے لوگوں نے ان کو یہ جواب دیا کہ مگر ہمارے یہاں کے مولانا صاحب میں تو اس قسم کا کوئی عیب نہیں ہے کسی جگہ کے کسی مولوی نے اگر کوئی برائی کی ہوگی تو اس کا ذمہ دار وہی ہوگا۔

جب اس طرح ان کو کامیابی نظر نہ آئی تو انہوں نے دھمکی دینی شروع کی کہ ہم تھانیدار سے کہہ کر پریشان کرائیں گے اور طرح طرح کے مقدموں میں پھنسا کر حالت خراب کردیں گے۔ ہم نے کہا اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم ہر جمعہ کو ایک ایک مسلم آبادی میں جاکر ان کے خلاف تقریریں کریں گے اور ان کے تمام عیوب بیان کرکے طشت ازبام کریں گے اور اس طرح ہم ان کو ذلیل کریں گے کہ علاقہ میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

ضلع بستی چھاؤنی کے رئیس جناب ریاست علی خان صاحب مرحوم (خدائے تعالیٰ ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے) وہ شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مخصوص مرید تھے اور میرے مخلصین میں سے تھے۔ میں نے ان سے دہریوں کی دھمکی کا ذکر کیا کہ وہ لوگ مجھے مقدمات میں پریشان کرنے کو کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا آپ ان سے دبیے گا نہیں اگر ضرورت پڑے گی تو ہم چھاؤنی سے لے کر بستی تک روپے بچھادیں گے۔ مگر دہریوں کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ اوجھا گنج سے منتقل ہوکر دوسرے مقامات پر چلے گئے اور دہریت کا فتنہ بالکل ختم ہوگیا۔

ہمارا خاندان جو اوجھا گنج میں سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے اور طرح طرح کے لوگوں پر مشتمل ہے دہریئے بھی اسی خاندان کے افراد ہیں مگر ساری قرابت اور تمام رشتوں پر اسلام کا رشتہ بالا ہے جب وہ مسلمان نہیں رہ گئے اور دہریہ ہو کر مرتد ہو گئے جو کافروں کی بدترین قسم ہے تو ہم نے تقریباً ۲۵ برس سے مکمل ان کا بائیکاٹ کر رکھا ہے نہ ان کی شادی وغیرہ میں ہمارے گھر کا کوئی فرد شریک ہوتا ہے اور نہ ہم اپنے گھر کی کسی تقریب میں ان کو مدعو کرتے ہیں۔

اپنے عزیز وہ ہیں جنہیں وہ عزیز ہیں
ہم کو ہیں وہ پسند جنہیں آئیں وہ پسند ﷺ

مگر افسوس کہ اوجھا گنج کے بعض مولوی ان دہریوں سے شیر و شکر کی طرح ملتے ہیں اور ان کی شادی و غمی میں شریک ہو کر ہمارے کئے ہوئے پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدائے عزوجل انہیں حکم شریعت کے مطابق دہریوں سے دور رہنے کی توفیق رفیق بخشے، آمین۔

اوجھا گنج کے ڈاکٹر ضمیر الحسن مرحوم جو پرانے زمانے کے زمیندار تھے۔ یونانی، ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک اور آیورویدک وغیرہ ہر طرح سے لوگوں کا علاج کرتے تھے جن کی ڈاکٹری اور طبابت کی پورے علاقہ میں دھوم مچی ہوئی تھی اور قرب و جوار کے بڑے بڑے برہمن اور ٹھاکر حاضر ہو کر ان کو سلام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بعض اہم عقائد اسلامی کی تضحیک کی اور مذاق اڑایا تو اگرچہ وہ ہمارے خاندانی چچا تھے اور بڑے اثرات رکھتے تھے مگر اس بنیاد پر ہم نے ان کا بائیکاٹ کر دیا۔ شادی وغیرہ کے موقع پر وہ برابر ہمارے گھر دعوت دیتے اور مٹھائی وغیرہ بھجواتے لیکن ہم ان کی دعوت کو رد کر دیتے اور مٹھائی کو واپس کر دیتے۔

اسی طرح تقریباً دس سال تک وہ اپنی ساری تقریبات میں بلاتے رہے اور ہم جانے سے انکار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو ہمیں اکثر یاد کرنے لگے۔ لوگوں نے ہم سے کہا وہ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ ہم نے کہا یاد کرنے دو وہ مرجائیں گے مگر ہم ان کے قریب نہ جائیں گے۔

جب ان کی صحت بہت زیادہ خراب ہوئی تو لوگوں نے کہا وہ آپ کا ذکر بہت کرتے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں مگر آنے سے معذور ہیں۔ میں نے کہا میں ان سے مل سکتا

ہوں۔بشرطیکہ وہ توبہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

ایک شخص ان کے گھر گیا اور آ کر بتایا کہ وہ توبہ کرنے کے لئے تیار ہیں میں فوراً ان کے پاس گیا انہوں نے بخوشی توبہ اور تجدید ایمان کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی اولاد کو تاکید کر دیجئے کہ وہ اسلام کے خلاف کچھ نہ بولیں اور عقیدہ صحیح رکھیں کہ بدعملی تو کسی حد تک برداشت کی جاسکتی ہے مگر بداعتقادی نہیں برداشت کی جاسکتی تو انہوں نے میری موجودگی ہی میں اپنے لڑکوں کو اسلامی عقائد پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔

ان کے گھر کے بعض لوگوں کو ان کا توبہ اور تجدید ایمان برا معلوم ہوا جس کے خلاف ان سے کچھ کہلوانا چاہا مگر انہوں نے کچھ نہ کہا اور اپنی توبہ پر قائم رہے یہاں تک کہ اس واقعہ کے تقریباً ایک ماہ بعد رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں انتقال کر گئے۔

خدائے عزوجل انہیں اپنی مغفرت سے نوازے اور قیامت کے دن سرکار اقدس کے دامن کرم کا سایہ نصیب فرمائے، آمین۔

بمبئی میں حق گوئی:

ایک سال ماہ محرم میں بمبئی والوں کی دعوت پر میں قریش نگر کرلا میں وعظ کہہ رہا تھا۔ دوران تقریر مجھے خبر دی گئی کہ فوجدار سیٹھ کا انتقال ہو گیا۔ شخص مذکور بستی ضلع کا رہنے والا تھا۔ میرا بڑا مخلص تھا اور محرم کمیٹی قریش نگر کرلا کے ایک خاص ممبر کا چچا تھا۔ جنازہ غسل وکفن کے بعد کرلا محلہ کی ایک مسجد میں رکھا گیا اور مجھے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے لے جایا گیا۔ جب مجھ سے مسجد کی طرف مڑنے کے لئے کہا گیا تو میں نے کہا ادھر کہاں؟ لوگوں نے کہا جنازہ اسی مسجد میں پڑھنا ہے۔ ہم نے کہا جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز نہیں ہم وہاں نہیں پڑھ سکتے جنازہ باہر لائیے لوگوں نے کہا بمبئی میں سب مولانا مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں اس لئے کہ شہر میں مسجد کے باہر جنازہ پڑھانے کے لئے جگہ نہیں۔ ہم نے کہا ہاں بمبئی میں جلسہ وقوالی کے لئے جگہ ہے یہاں تک کہ سینما و سرکس اور ہر قسم کے لہو ولعب کے لئے بھی جگہ ہے مگر نماز جنازہ کے لئے جگہ نہیں ہے ہم مسجد میں نہیں پڑھا سکتے جو لوگ پڑھاتے ہیں وہ ناجائز کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ سیّد العلماء حضرت مولانا سیّد آل مصطفٰی صاحب قبلہ اور محبوب العلماء حضرت مولانا مفتی محبوب علی خان صاحب قبلہ (علیہم الرحمۃ والرضوان) مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتے رہے اور آپ ناجائز کہتے ہیں ہم نے کہا آپ لوگ بڑی بڑی شخصیتوں کا نام لے کر ہم کو دبانے کی کوشش مت کیجئے ہم کہاں تحقیق کرنے جائیں کہ یہ حضرات پڑھاتے تھے یا نہیں۔ آپ لوگ دو باتوں میں سے ایک بات کیجئے یا تو مجھ سے فقہ کی معتبر کتابوں میں ناجائز دیکھ لیجئے اور یا تو آپ لوگ جائز دکھا دیجئے باقی ہم کوئی تیسری بات سننے کے لئے تیار نہیں۔

کچھ لوگ ضلع بستی کے ایک بہت بڑے سیٹھ کو لائے جو دارالعلوم فیض الرسول کو بطور امداد ہر سال بڑی رقم دیا کرتے تھے کہ شاید ان کے دباؤ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھادیں۔ انہوں نے کہا کہ چلئے پڑھا دیجئے، بمبئی میں سب پڑھاتے ہیں۔ ہم نے کہا جس بمبئی میں پلے ہاؤس کے سوناپور (قبرستان) کو دکان بنالیا گیا اور مسلمان مُردوں کے سینوں پر روزانہ گھن گرایا جاتا ہے مگر کسی مسلمان کے کان پر جوں نہیں رینگتی آپ اس بمبئی کا نام لیتے ہیں اور ہم کتاب کی بات کرتے ہیں۔ میرے اس جواب پر وہ خاموشی کے ساتھ چلے گئے اور ہماری حق گوئی سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کے بعد جب بھی ملے پہلے سے زیادہ عزت کے ساتھ پیش آئے۔

غرضکہ ہم کسی طرح نماز جنازہ مسجد میں پڑھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور برابر کہتے رہے کہ ہمیں جانے دیجئے آپ لوگ کسی اور سے پڑھوا لیجئے۔ مگر ہماری اس بات کے جواب میں فوجدار مرحوم کا بھتیجہ یہی کہتا رہا کہ ہم کسی اور سے نہیں پڑھوائیں گے۔ چچا صاحب آپ کو بہت مانتے تھے اس لئے ان کی نماز جنازہ آپ ہی کو پڑھانی ہے اور جب ہم کہتے جنازہ مسجد کے باہر نکالئے تو وہ دوڑ کر مسجد میں جاتا مگر جنازہ نکالنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مسجد کے مصلیان یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھی گئی تو نہ ہم جنازہ کی نماز پڑھیں گے اور نہ مٹی دیں گے اور وہ لوگ ایسا اس لئے کہہ رہے تھے کہ ان کے امام صاحب ۳۲ سال سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھ رہے تھے آج جنازہ مسجد میں آکر بغیر نماز ہوئے اس

کے نکل جانے میں امام صاحب کی توہین ہو رہی تھی۔

جب مرحوم کے بھتیجا نے دیکھا کہ دونوں طرف سے بہت سختی پیدا ہو گئی ہے تو اس نے لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا کہ پنچو صاحبو! ہم تو جاہل آدمی ہیں کچھ جانتے نہیں البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے چچا صاحب حضرت مفتی صاحب قبلہ کو بہت مانتے تھے اگر وہ براؤں شریف میں ہوتے تو ہم اس موقع پر ان کو بلانے نہیں جاتے اور جبکہ وہ یہاں موجود ہیں اگر وہ جنازہ نہیں پڑھائیں گے تو چچا مرحوم کو تکلیف ہوگی اس بات پر مصلیان مسجد نرم پڑ گئے اور جنازہ مسجد کے باہر نکالا گیا تو ہم نے نماز پڑھائی۔

ایک بڑے بابا:

بمبئی وہ شہر ہے کہ جس کی ہر گلی میں دادا اور بابا پائے جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بابا ایسے ہیں جن کو بمبئی کے بعض لوگ بڑا بابا مانتے ہیں جنازہ میں وہ بھی شریک تھے۔ نماز جنازہ مسجد میں جائز اور ناجائز ہونے کی بات جب ہو رہی تھی تو اس وقت وہ کچھ نہیں بولے لیکن صبح سویرے ہماری مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہم پر فتنہ انگیزی کا الزام لگایا اور ہمارے خلاف فتویٰ لینے کی کوشش کی مگر جب علمائے اہل سنت نے بھرپور ہماری تائید فرمائی اور یہ ان سے مایوس ہوئے تو پھر قریش نگر کرلا کی محرم کمیٹی کے ذریعہ ہم کو سٹیج سے ہٹانے کی کوشش کی اور جب اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو فوجدار مرحوم کے تیجہ کی مجلس میں ہمیں فتنہ انگیز کہہ کر اپنے مخلصین کے سامنے سخت برہمی ظاہر کی یعنی جو حکم شرع کے خلاف کر رہے ہیں وہ صلح پسند ہیں اور ہم نے شریعت کے حکم پر عمل کیا تو ہم فتنہ انگیز اور قابل ملامت ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ نام نہاد بابا نے حکم شرعی کی مخالفت کی اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ سچے مجذوب کی پہچان یہ ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کا مقابلہ نہیں کرے گا (الملفوظ حصہ دوم ص ۸۰) اور جب مجذوب کی یہ پہچان ہے تو غیر مجذوب ولی کی بدرجہ اولیٰ یہی پہچان ہے کہ وہ کبھی حکم شرع کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

بڑے بابا قلب بمبئی میں رہتے ہیں داڑھی روز منڈاتے ہیں اور دوسروں کو منڈانے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ شعیب الاولیاء علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک خاص مرید بابا کے

معتقدین میں سے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر جو حضور مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے مرید ہیں انہوں نے بابا کے اشارہ پر داڑھی منڈالی اور برابر منڈا رہے ہیں مجھ سے بھی بابا نے کہا کہ داڑھی منڈالو تو میں نے جواب دیا کہ آپ اپنے ہاتھ سے استرہ اٹھا کر مونڈنے والے کو دیجئے اور حکم کیجئے کہ وہ میری داڑھی مونڈے تو میں اس صورت میں داڑھی منڈالوں گا' تم کلامہ۔

سرکار اقدس ﷺ نے بار بار داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا اسی لئے کوئی محبت والا داڑھی منڈانا گوارا نہیں کرتا کہ جب استاذ اور ماں باپ کے حکم پر عمل نہ کرنے سے ان کو تکلیف ہوتی ہے تو محبوب کائنات ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنے سے ان کو بھی یقیناً تکلیف ہوگی۔

اسی لئے فقہاء کرام نے داڑھی منڈانے کو حرام قرار دیا۔ درمختار مع شامی جلد پنجم ص ۲۶۱ میں ہے: یحرم علی الرجل قطع لحیته اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۶۸ ج ۱ ج ۶) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ (بہار شریعت ص ۱۶۴ ج ۱ ح ۱۶)

مگر شخص مذکور جو علانیہ فعل حرام کا ارتکاب کرتا ہے اور دوسروں کو حرام پر عمل کرنے کا حکم بھی دیتا ہے اس کو نذرانہ وصول کرنے والے مولوی اور تجارت کے لئے روپیہ پانے والے سیٹھوں نے بمبئی کا قطب مشہور کر رکھا ہے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۔ یعنی اللہ کے ولی صرف متقی لوگ ہیں (پ ۹ ع ۱۸) اور فعل حرام کا مرتکب متقی نہیں ہوسکتا تو ایسا شخص اللہ کا ولی بھی نہیں ہوسکتا۔

یہاں تک کہ شعیب الاولیاء قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی ہوا میں اڑتا جارہا ہو اور وہ بزرگی کا دعویٰ رکھتا ہو مگر شریعت کا پابند نہ ہو تو میں اسے کچھ نہیں سمجھتا بلکہ یہاں تک فرماتے تھے کہ میرے نزدیک وہ استنجا کے ڈھیلے کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ مگر ان کے بعض مریدین بھی اپنے پیر کی باتوں کو پس پشت ڈال کر اس فاسق معلن کو بہت بڑا ولی قرار دیتے ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن

صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان بابا کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

لیکن ہمیں اس بیان کا صحیح ہونا تسلیم نہیں اس لئے کہ بہت سے لوگ جب کوئی غلط کام کرتے ہیں تو اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کرنے کے لئے جھوٹا بیان دے دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے ایسا کیا ہے۔

ماہ رمضان ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء زمانہ طالب علمی میں ہم ناگ بھیڑ ضلع چاندہ (مہاراشٹر) میں تراویح پڑھانے کے لئے گئے جو ناگپور سے ساٹھ میل یعنی ۹۶ کلو میٹر پر واقع ہے پھر درمیان سال کسی تعطیل کے موقع پر ہم اپنے ایک ساتھی کو لے کر بطور تفریح ناگ بھیڑ گئے مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے ہم نے اسی کو کھڑا کیا اس نے قصر پڑھائی یعنی شرعی مسافر ہونے کے سبب مغرب کی نماز تین رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھائی جب شور ہوا کہ مغرب کی نماز میں قصر نہیں تو اس نے کہا بہار شریعت کے مصنف حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میں بہت رہا ہوں انہوں نے ہمیشہ سفر میں مغرب کی نماز دو ہی رکعت پڑھائی ہے اس جواب کو سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔

ایک مولانا جو ضلع گونڈہ کے رہنے والے ہیں اور ایک بڑے مدرسہ کے صدر مدرس بھی ہیں وہ ایک غلطی میں مبتلا تھے بمبئی کرلا غفور خان اسٹیٹ کی غوثیہ مسجد میں جب لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا کہ سید العلماء حضرت مولانا آل مصطفیٰ صاحب قبلہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس زمانہ میں حضرت سیّد العلماء قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان باحیات تھے میں نے فوراً ان کی قیام گاہ مسجد کھڑک پر جا کر ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ حضرت فلاں چیز کو جائز قرار دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا **معاذ اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ** بھلا میں ایسی چیز کو جائز قرار دے سکتا ہوں۔

یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہے کہ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے لوگ مجاہد ملت قبلہ کا نام لیتے ہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انہوں نے اس فاسق معلن کی تعظیم کی ہے جس سے اس کا بزرگ ہونا ثابت ہوتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو رہا ان کا عمل مگر اس کے بارے میں ان کا قول کیا ہے؟ اس لئے کہ قول کے مقابلہ میں عمل مرجوع ہوتا ہے جیسا کہ اصول

حدیث کا قاعدہ ہے اور اگر اس کے متعلق حضرت کا کوئی قول نہیں ہے تو جو شریعت کا قول ہے وہی ان کا بھی قول ماننا پڑے گا۔ اس لئے کہ شریعت کے خلاف وہ قول کر ہی نہیں سکتے۔

اور شریعت کا فرمان یہ ہے کہ ایسے شخص کی تعظیم نہیں کی جائے گی بلکہ برائی بیان کی جائے گی تا کہ لوگ اس کے فریب سے بچیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

اَتَرْغَبُوْنَ عَنْ ذِكْرِ الْفَاجِرِ مَتٰى يَعْرِفُهُ النَّاسُ اُذْكُرُ الْفَاجِرَ بِمَافِيْهِ يَحْذُرُهُ النَّاسُ	کیا فاجر کو برا کہنے سے پرہیز کرتے ہو لوگ اسے کب پہچانیں گے فاجر کی برائیاں بیان کرو کے کہ لوگ اس سے بچیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۵۱)

اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان ردالمحتار سے نقل فرماتے ہیں اما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه فانه لا يهتم لامر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعًا. (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۴۸)

طبقہ ملامتیہ:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بابا طبقہ ملامتیہ کے بزرگ ہیں یعنی داڑھی اس لئے منڈاتے ہیں تا کہ لوگ ان کی ملامت کریں اور ان کو برا سمجھیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ملامت کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ شیخ المشائخ سلطان العارفین حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ایک یہ کہ وہ سیدھا چلے۔ دوسرے یہ کہ وہ قصد کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ ترک کرے۔

پہلی قسم کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کام کرتا ہے اور امور دینیہ میں کامل احتیاط برتتا ہے اور معاملات میں مراعات سے کام لیتا ہے مگر خلق پھر بھی اس پر ملامت کرتی ہے کیونکہ یہ لوگوں کی عام عادت ہے مگر وہ شخص کسی کی پروا نہیں کرتا۔

دوسرے یہ کہ کوئی شخص لوگوں میں صاحب عزت و شرف ہونے کے ساتھ ان میں مشہور بھی ہو اور اس کا دل عزت کی طرف مائل بھی ہو اس کے باوجود وہ یہ چاہے کہ ان سے

جدا ہو کر یاد الٰہی میں محو ہو جائے اور قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے اور ایسے عمل سے شریعت میں بھی خلل نہ واقع ہو مگر لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اور اس سے متنفر ہو کر جدا ہو جائیں۔

اور تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں تو کفر وضلالت سے طبعی نفرت بھری ہو۔ بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے اور خیال کرے کہ ملامتی طریقہ پر ایسا کرتا ہوں اور یہ ملامت کا طریقہ اس کی عادت بن جائے اس کے باوجود وہ دین میں مضبوط اور راست رو ہو۔ لیکن ظاہر طور پر بغرض ملامت نفاق وریا کے طور وطریق پر دین کی خلاف ورزی کرے اور مخلوق کی ملامت سے بے خوف ہو وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھے خواہ لوگ اسے جس نام سے چاہیں پکاریں۔ (کشف المحجوب اردو ص ۹۴)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان جملوں کو پھر پڑھئے کہ "قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے اور ایسے عمل سے شریعت میں بھی خلل نہ واقع ہو بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے، ظاہر طور پر بغرض ملامت نفاق وریا کے طور طریق پر دین کی خلاف ورزی کرے"۔

یعنی طبقہ ملامتیہ کا بزرگ قصداً ایسی راہ اختیار کرتا ہے کہ جس سے مخلوق اس پر ملامت کرے مگر اس کے عمل سے شریعت میں خلل نہیں واقع ہوتا۔ بظاہر شریعت کی متابعت نہیں کرتا صرف لوگوں کے دیکھنے میں دین کی خلاف ورزی کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا عمل شریعت کے خلاف نہیں ہوتا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ:

مشہور بزرگ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ والرضوان رمضان شریف کے مہینہ سفر کر رہے تھے۔ جب ایک شہر کے قریب پہنچے تو وہاں بڑا شہرہ ہوا کہ حضرت بایزید تشریف لا رہے ہیں شہر کے بہت سے لوگ استقبال کے لئے نکل پڑے اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے شہر میں لائے۔ حضرت نے جب لوگوں کی خاطر ومدارات کو ملاحظہ فرمایا تو ان کا دل بھی مشغول ہو گیا وہ یاد الٰہی سے باز رہنے کے سبب پریشان ہو گئے۔ جب

بازار میں آئے تو روٹی نکال کروہیں کھانے لگے۔ یہ دیکھ کر سب لوگ ان سے برگشتہ ہوگئے اور انہیں تنہا چھوڑ کر چلے گئے کہ یہ کیسے بزرگ ہو سکتے ہیں جو روزہ بھی نہیں رکھتے۔

(کشف المحجوب اردو ص ۹۶)

مگر چونکہ حضرت مسافر تھے اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اس لئے آپ کا روٹی کھانا حقیقت میں شریعت کے خلاف نہیں تھا۔ صرف ظاہر میں خلاف تھا جس کے سبب لوگ آپ سے برگشتہ ہوگئے اور آپ کا جو مقصد تھا پورا ہوگیا۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان اس واقعہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ملامت کی روش اختیار کرنے کے لئے کوئی غلط کام کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور ایسی بات ظاہر کرنی پڑتی تھی جو عوام کے منشاومزاج کے خلاف ہو لیکن آج اگر کوئی چاہے کہ اسے ملامت کی جائے تو دو رکعت نفل شروع کر کے اسے خوب طول دے دے یا پورے دین کی مکمل پیروی شروع کردے تاکہ تمام لوگ اسے ریاکار اور منافق کہنے لگیں۔

اور تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص ترک کے طریقہ پر ملامت اختیار کرے اور کوئی کام خلاف شریعت کر کے یہ کہے کہ یہ عمل میں نے حصول ملامت کے لئے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی ہے اور ظاہری آفت و سچی ہوا پرستی ہے۔ (کشف المحجوب اردو ص ۹۶)

خلاصہ:

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہوا کہ طبقہ ملامتیہ کا دعویدار اگر کوئی کام خلاف شریعت کرے اور یہ کہے کہ میں نے یہ کام حصول ملامت کے لئے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی اور سچی نفس پرستی ہے۔ البتہ ان میں سے بعض بزرگ ظاہر میں کچھ عمل شریعت کے خلاف کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ خلاف نہیں ہوتا۔

اور حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ والرضوان ایسے بزرگ ہیں کہ جب آپ لاہور میں مسجد تعمیر کروارہے تھے تو لوگوں نے کہا اس کا قبلہ غلط ہے مگر آپ خاموش رہے پھر جب مسجد مکمل ہوگئی تو آپ نے لوگوں کو بلایا اور خود نماز پڑھائی۔ اس کے بعد فرمایا دیکھو کعبہ کس طرف ہے تو لاہور ہی کی زمین سے سب کو کعبہ نظر آگیا۔ (حدائق الحنفیہ ص ۱۹۸)

یعنی حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان وہ بزرگ ہیں کہ لاہور سے کعبہ شریف کو دیکھ رہے تھے اور جب ضرورت پڑی تو دوسروں کو بھی دکھا دیا تو ہمیں ایسے بزرگ کا فرمان کافی ہے کہ طبقہ ملامتیہ کا کوئی بزرگ حقیقت میں خلاف شریعت کام نہیں کرتا صرف ظاہر میں خلاف نظر آتا ہے۔

حضرت مخدوم سمنانی:

ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ایک گروہ ملامتیہ بزرگوں کا ہے جو فرائض اور واجبات وسنن تو بجائے خود اہم ہیں مگروہ مستحبات بلکہ نوافل تک کی پابندی بے حد ضروری جانتے ہیں اور ان کو بھی کبھی قضا نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی عبادت کو اس طرح چھپاتے ہیں جیسے برا آدمی اپنی بدکرداری کو۔ ان کی کوشش رہتی ہے کہ ان کے حسن عمل سے کوئی بھی باخبر نہ ہونے پائے۔ (محبوب یزدانی ص ۱۰۶)

اس سلسلے میں حضرت مخدوم صاحب نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں سبزوار جا رہا تھا راستہ میں مجھے ایک نہایت حسین باغ ملا وسط میں شاندار خیمہ نصب تھا جس میں ایک خوبصورت نوجوان اور حسین عورت پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے۔ سامنے گلابی (شراب کی صراحی) رکھی تھی اور حسینہ جام بکف اس نوجوان سے خوش مذاق کر رہی تھی میں نے جب ان کو دیکھا تو بیک نظر خیال ہوا کہ یہ لوگ نفس کے غلام بن کر کس طرح اپنے کو تباہ کر رہے ہیں لیکن جب میری اور ان کی نگاہیں چار ہوئیں تو ان کا حال روشن ہوا کہ وہ عورت ان کی منکوحہ بیوی ہے اور صراحی میں شراب کے بجائے شربت ہے اور خود بدولت ملامتی گروہ کے بلند مرتبہ بزرگ ہیں۔ (محبوب یزدانی ص ۱۰۷)

حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرمان سے بھی اچھی طرح واضح ہو گیا کہ طبقہ ملامتیہ کا بزرگ فرائض وواجبات تو بڑی چیز ہیں وہ سنن ومستحبات بلکہ نوافل کا بھی سخت پابند ہوتا ہے البتہ اپنی عبادت کو چھپاتا ہے اور کبھی ظاہر میں اس کا فعل اگرچہ شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ متبع شریعت ہوتا ہے۔

آج ایک داڑھی منڈانے والے کو گروہ ملامتیہ کا بزرگ تسلیم کیا جا رہا ہے اور اس کی

بزرگی کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے تو وہ دن دور نہیں جبکہ بے نمازی یہاں تک کہ طوائف کے کوٹھوں پر گھومنے والا بھی طبقہ ملامتیہ کے بزرگ ہونے کا دعویٰ کرے گا اور کہے گا کہ میں بھی اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہوں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

خطرناک غلطی:

یاد رکھنا چاہئے کہ ہر غلط طریقہ کی ابتداء بہت معمولی ہوتی ہے مگر ایک نسل سے دوسری نسل اور دوسری سے تیسری تک پہنچتے پہنچتے وہی چھوٹی سی ابتداء ایک خطرناک غلطی بن جاتی ہے۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چوں پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے مگر بڑے بڑے حق گوئی کا دعویٰ رکھنے والے کسی مصلحت سے خاموش ہیں صرف ملاقات نہ کرنے اور سلام نہ کہلوانے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس کے خلاف نہ کچھ بولتے ہیں اور نہ کچھ لکھتے ہیں بلکہ اس کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْقَالَ الْبِدَعُ وَلَمْ يُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفاً وَّلَا عَدْلاً ۔

(صواعق محرقہ ص ۲ الملفوظ حصہ چہارم ص ۴)

جب فتنے ظاہر ہوں اور ہر طرف بے دینی پھیلنے لگے اور ایسے موقع پر عالم دین اپنا علم ظاہر نہ کرے اور اپنی کسی مصلحت یا مفاد کی لالچ میں خاموش رہے تو اس پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ اس کی نفل۔

اور سرکارِ اقدس نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ ۔

(بیہقی۔ انوار الحدیث ص ۴۱۹)

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے۔

اور جبکہ یہ پرچار کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے متقی پرہیزگار اور حق گو علماء بابا کے خلاف کچھ نہیں بولتے بلکہ ان سے خصوصی تعلقات رکھتے ہیں تو بابا یقیناً پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اگر وہ غلط ہوتے تو ایسے ایسے علماء خاموش نہ رہتے۔ اس صورت میں شخص مذکور کے متعلق

عالموں کا حکم شرع کے ظاہر نہ کرنے اور اس سے خصوصی تعلقات رکھنے کا گناہ اور بھی شدید ہو جاتا ہے۔

اور اگر بابا واقعی بزرگ ہیں تو نذرانہ وصول کرنے والے مولوی اسے شریعت کی روشنی میں واضح کریں تا کہ ہم جیسے لوگ جو غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ بھی بابا سے کچھ فائدہ حاصل کر سکیں۔

مدعا پورا کیا:

بابا کو ہمارے اس بیان سے چیں بجبیں نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ جب وہ گروہ ملامتیہ کے بزرگ ہیں جیسا کہ ان کے ہواخواہوں کا بیان ہے تو میں نے ان کا مدعا پورا کیا اس لئے کہ اس طبقہ کے بزرگ کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کو برا بھلا کہیں اور ان کی ملامت کریں۔

اور معتقدین کو بھی ناراض نہیں ہونا چاہئے کہ میں ان کے ملامتی بابا کی عین تمنا کسی حد تک پوری کر رہا ہوں اور اپنے اس مضمون کو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کر رہا ہوں:

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
او ہرگز بمنزل نخواہد رسید

عیب جوئی اور غیبت:

جب کسی کے شرعی عیب کی گرفت کی جاتی ہے اور اس کے خلاف کچھ کہا جاتا ہے تو وہ عیب جوئی اور غیبت کا الزام لگاتا ہے حالانکہ ڈاڑھی منڈانا، نماز نہ پڑھنا، ترک جماعت کا عادی ہونا، وہابیوں، دیوبندیوں یا دہریوں سے دوستی رکھنا اور ان سے شادی بیاہ کرنا وغیرہ ان باتوں کے خلاف بولنا اور لکھنا عیب جوئی نہیں ہے اس لئے کہ پوشیدہ عیبوں کو تلاش کرنا عیب جوئی اور جو برائی علانیہ کی جاتی ہے اس کی مخالفت کرنا حق گوئی ہے عیب جوئی نہیں۔ ان میں بعض مدعی علم بھی ہوتے ہیں جو حق گوئی اور عیب جوئی کا فرق نہیں سمجھتے اور یا تو سمجھتے ہیں مگر ازراہ فریب برائی روکنے والے ہی کو گنہگار ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

اور فاسق معلن کی برائی بیان کرنا گناہ نہیں اور جو برائی وہ علانیہ کرتا ہے اس کا ذکر کرنا

غیبت نہیں۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

''فاسق معلن یا بدمذہب کی برائی کرنا جائز ہے بلکہ اگر لوگوں کو اس کے شر سے بچانا مقصود ہو تو ثواب ملنے کی امید ہے۔ (بہار شریعت ج ۲ حصہ ۱۶ بیان غیبت، بحوالہ ردالمحتار)

اور تحریر فرماتے ہیں:

جو شخص علانیہ برا کام کرتا ہو اور اس کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ لوگ اسے کیا کہیں گے تو اس شخص کی اس بری حرکت کا بیان کرنا غیبت نہیں مگر اس کی دوسری باتیں جو ظاہر نہیں ہیں ان کو ذکر کرنا غیبت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے حیا کا حجاب اپنے چہرہ سے ہٹا دیا اس کی غیبت نہیں۔ (بہار شریعت بحوالہ ردالمحتار)

دیوبندی گھر میں حق گوئی:

بستی ضلع میں فیض آباد روڈ پر ایک آبادی بکرم جوت ہے وہاں پر ایک سخت قسم کا دیوبندی بالے نام کا رہتا تھا جو بہت بڑا دولت مند تھا اور کسی زمانہ میں وہ دیوبندی مولویوں کو اکٹھا کر کے سنیوں سے مناظرہ کرا چکا تھا جس میں سنیوں کی طرف سے مناظرہ کے ذمہ دار بانی فیض الرسول حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

بالے دوبولیا بازار کے حاجی رمضان علی سیٹھ کے یہاں لڑکی کا رشتہ کرنا چاہتا تھا یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ میں دوبولیا بازار میں تھا اور اس وقت بھی میں دیوبندیوں کے یہاں شادی کرنے سے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کیا کرتا تھا۔

بالے کو معلوم ہوا کہ دیوبندی ہونے کے سبب رمضان سیٹھ ہمارے یہاں رشتہ نہیں کریں گے تو اس نے اپنے کو سنی ثابت کرنے کے لئے ہمیں میلاد شریف پڑھنے کی دعوت دی میں وقت مقررہ پر بکرم جوت پہنچ گیا وہاں کے حاجی عبدالستار جو براؤں شریف کے مرید تھے انہوں نے بتایا کہ بالے سخت قسم کا دیوبندی ہے۔ ہم نے انہیں تاکید کی کہ جتنے سنی ہیں سب کو لے کر میلاد شریف میں اول وقت پہنچ جایئے تاخیر ہرگز نہ کیجئے۔

ایک بڑے ہال میں میلاد شریف کا انتظام ہوا۔ حاجی عبدالستار سارے سنیوں کو لے کر سب سے پہلے پہنچ گئے۔ ہم نے سامعین سے دریافت کیا کہ آپ لوگ ایمان کے

بارے میں تقریر سننا چاہتے ہیں یا عمل کے؟ سارے سنیوں نے بیک زبان کہا کہ ہم ایمان کے بارے میں تقریر سننا چاہتے ہیں اور دیوبندیوں نے کہا عمل کے متعلق بیان کریں۔

ہم نے سورہ عصر کو موضوعِ سخن بنایا۔ لفظ اٰمَنُوْا پر تقریر کرتے ہوئے دیوبندیوں کے کفریات بیان کئے اور ان کا سخت رد کیا پھر آخر میں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے متعلق بھی روشنی ڈالی اور صلاۃ وسلام پر میلاد شریف کا اختتام ہوا۔

اس واقعہ کی خبر حاجی عبدالستار نے حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمۃ والرضوان کو پہنچائی جس سے آپ بہت خوش ہوئے اور ملاقات ہونے پر بڑی عزت افزائی فرمائی یہاں تک کہ یہی حق گوئی تین چار سال بعد فیض الرسول میں آنے کا سبب بنی۔

شہزاد پور میں حق گوئی:

ضلع فیض آباد کی مشہور آبادی اکبر پور کے متصل شہزاد پور ہے۔ وہاں کا ایک پیر زندگی بھر مریدوں سے اپنا سجدہ کراتا رہا اور موت کے بعد وہ سب قبر کا سجدہ کرتے ہیں بلکہ کعبہ شریف کی طرح ہر چہار جانب سے قبر کی طرف منہ کر کے نماز بھی پڑھتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

یہ باتیں عام طور پر مشہور ہیں لیکن وقت کے بڑے بڑے شیخ الحدیث اور بلند پایہ مفتی شخص مذکور کے عرس میں شریک ہوتے رہے اور رسمی تقریریں کر کے نذرانے وصول کرتے رہے۔

اتفاق سے ۱۳۹۱ھ میں مجھے بھی عرس کے تقریری پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ غازی پور کے ایک مشہور عالم، فیض آباد کے ایک بڑے خطیب اور لکھا ہی ضلع گونڈہ کے ایک عالم بھی بحیثیت مقرر آئے ہوئے ہیں ساتھ ہی وہاں کی خرافات کا بھی علم ہوا۔

تینوں مقررین نے پہلے تقریریں کرلیں اور آخر میں ہمیں تنہا اسٹیج پر چھوڑ کر چلے آئے۔ اس موقع پر ہماری حق گوئی کا سخت امتحان تھا مگر ہم نے طے کرلیا تھا کہ حق ظاہر کئے بغیر نہیں رہیں گے چاہے جو کچھ ہو جائے بہت کریں گے نذرانہ نہیں دیں گے، گستاخی کریں گے یا ماریں گے بلکہ قتل بھی کردیں گے تو کوئی پروا نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس سے

ہمارا درجہ اور بلند ہو جائے گا۔ ہم نے تعظیم نبی کریم ﷺ کو موضوع سخن بنایا۔ اس ضمن میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعبدی کا کفر ہونا اور تعظیمی سجدہ کا سخت حرام و ناجائز ہونا واضح لفظوں میں بیان کیا۔

مجمع جس میں اکثر مریدین ہی تھے اس میں انتشار پیدا ہوا۔ میں وعظ بند کر کے قیام گاہ کی طرف چلا۔ میرے پیچھے بہت سے مریدین آئے اور گستاخی کے ساتھ اس بات پر مجبور کرنے لگے کہ آپ سجدہ تعظیمی کے جائز ہونے کا اعلان کریں۔ ہم نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا جو چیز ناجائز و حرام ہے میں اس کے جائز ہونے کا اعلان کبھی نہیں کرسکتا۔ کہنے لگے پھر ناجائز ہونے کو ہی آپ ثابت کر دیجئے۔ ہم نے کہا کہ یہاں کتابیں لے کر ہم نہیں آئے ہیں لکھ کر بھیج دیں گے۔ کہا' فلاں عالم نے بھی وعدہ کیا تھا مگر برسوں گزر گئے انہوں نے کچھ نہیں لکھ کر بھیجا۔ ہم نے کہا میں فلاں عالم نہیں ہوں۔ آپ لوگوں نے ان کو دیکھا اب ہم کو بھی دیکھ لیجئے گا۔ بہر حال ان لوگوں نے گستاخیوں اور دھمکیوں ہی پر اکتفا کیا آگے نہیں بڑھے اور پھر چلے گئے۔

صبح ہم کو صرف واپسی کرایہ بھر کا نذرانہ دیا گیا مگر ہم اعلان حق کر دیئے، پیشہ ور مقرروں کا طریقہ نہیں اختیار کئے اور نذرانہ پانے کی لالچ میں یا مریدین کے خوف سے کتمان حق نہیں کئے اس پر خدا کا شکر بجالائے۔

غازی پوری اور گونڈوی مولوی ختم جلسہ سے پہلے ہی یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ براؤں شریف کا مفتی خاموش نہیں رہے گا ان کے خلاف ضرور بولے گا جس سے فتنہ ہوگا مگر فیض آباد کے خطیب اکبرپور سے فیض آباد تک ہمارے ساتھ رہے جو بار بار کہتے رہے کہ آپ کی وجہ سے امسال نذرانہ آدھا ہو گیا ورنہ ہر سال اتنا ملتا رہا۔

خدائے عزوجل ایسے پیشہ ور مقرروں کو ہدایت نصیب فرمائے، نذرانہ کی ایسی لالچ دلوں سے نکال دے اور بلاخوف اعلان حق کی توفیق رفیق بخشے، آمین۔

براؤں شریف پہنچ کر ہم نے فوراً حرمت سجدہ پر ۱۶ صفحات کا ایک رسالہ بنام ''سجدہ تعظیم'' لکھا جو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالہ مبارکہ

''الزبدة الزكية في حرمة سجود التحية'' سے ماخوذ رہا۔ پھر اسے جلد ہی چھپوا کر پانچ سو کی تعداد میں لے جا کر اکبر پور چوراہے پر مفت تقسیم کر دیا اور شہزاد پور کے گدی نشین کو رجسٹری کر دیا جو آج بھی چند فتاویٰ کے ساتھ ''ضروری مسائل'' میں شائع ہو رہا ہے۔

تقریر اور اس کا نذرانہ:

تقریر کرنے کے لئے تو ہم ملک کے طول و عرض بہار، بنگال، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، گجرات، راجستھان، مہاراشٹر اور یوپی کے مختلف مقامات و ریاست نیپال میں گئے مگر مقصد نذرانہ نہیں رہا بلکہ مسلمانوں کے عقیدے اور ان کے اعمال کی اصلاح مطلوب رہی۔ اسی لئے ہم نے کبھی کسی سے نذرانہ طے نہیں کیا بلکہ جو بھی دیا گیا ہم نے اسے خاموشی سے رکھ لیا۔ یہاں تک کہ بعض مقامات پر اتنا کم نذرانہ دیا گیا کہ جس کا کبھی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا مگر ہم نے پھر بھی بلا اعتراض قبول کیا۔

ضلع بستی بانسی کے جانبِ پورب ایک موضع گھریا ہے جو براؤں شریف سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر پر واقع ہے وہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہوا چونکہ ان کا لڑکا اس آبادی کا بہت بڑا سیٹھ تھا اس لئے جنازہ میں کئی وہابی اور دیوبندی مولوی بھی شریک ہوئے۔ بعد دفن سیٹھ نے اعلان کیا کہ جتنے لوگ جنازہ میں شریک ہیں فلاں دن سب لوگوں کو کھانے کی دعوت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں کو شادی بیاہ کی طرح مدعو کیا گیا۔

گھریا کے سب لوگ اپنے کو سنی ہی کہتے تھے مگر بد مذہبوں کا ان پر پورا تسلط تھا۔ ان میں ایک صاحب سنیت کا درد رکھتے تھے جن کو عبد اللہ میاں کہا جاتا تھا انہوں نے سیٹھ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ دعوت کے موقع پر براؤں شریف کے کسی عالم کی تقریر ہو جائے۔ اس کے لئے مجھے انہوں نے دعوت دی۔

یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ براؤں شریف سے بانسی جانے کے لئے بس وغیرہ کی سہولت نہیں تھی۔ ہم نے ایک طالب علم کو کرایہ کی سائیکل لانے کے لئے بانسی بھیجا۔ وہ پندرہ کلومیٹر پیدل جا کر سائیکل لایا۔ ہم اسی سے گھریا گئے۔ شادی کی طرح میت کی دعوت جو واقعی بدعت سیئہ ہے ایسی دعوت کھانے کے لئے بات بات پر بدعت کی رٹ لگانے

والے وہابی اور دیوبندی سات مولوی پہلے سے موجود تھے۔
جب میں پہنچا تو قرآن خوانی ہو رہی تھی ہم نے شیرینی منگا کر اس کے ساتھ تلاوت قرآن کا ایصال ثواب کیا تو ان میں کے دو مولوی یہ کہہ کر چلے گئے کہ براؤں کے عالم آئے ہیں اب یہاں نیا فاتحہ ہوگا اور تین مولوی کھانے کے بعد گئے۔ باقی بچے دو مولوی، انہوں نے ہمارے پاس خبر بھجوائی کہ ہم بھی تقریر کریں گے اور ہم لوگوں کا بیان بعد میں ہوگا۔ ہم نے کہلوایا آپ لوگوں کو کھانے کی دعوت تھی۔ جب کھا چکے تو اپنے اپنے گھر جایئے تقریر کے لئے تو صرف ہم بلائے گئے ہیں مگر وہ نہیں گئے اور آخر میں تقریر کرنے پر بضد رہے بڑی گفت وشنید کے بعد ابتداہی میں بیان کرنے پر راضی ہوئے۔
میلاد شریف کا پروگرام زمین پر رہا میں سامنے کی ایک چھت پر ان لوگوں کی تقریر سننے کے لئے چلا گیا اور ان کے خاص خاص جملے نوٹ کرتا رہا۔ دونوں نے اہلسنّت و جماعت کے معتقدات کا سخت رد کیا اور سنی کہلانے والے سب لوگ خاموشی سے سنتے رہے ان میں کا ایک مولوی اپنی تقریر ختم کر کے فوراً چلا گیا اور دوسرے نے اپنے بیان کو بہت طویل کیا۔ غالباً اس لئے تاکہ مجمع تھک کر چلا جائے اور براؤں شریف کے عالم کی تقریر ہی نہ ہو سکے وہ ذلت ورسوائی کے ساتھ یہاں سے واپس ہو جائیں۔
عبداللہ میاں بار بار سیٹھ سے کہتے تھے کہ ان کی تقریر بند کروایئے اور جن کو آپ نے وعظ ہی کے لئے بلایا ہے اب ان کا بیان کروایئے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ رات کے بارہ بج گئے مگر میری تقریر نہیں شروع ہو سکی اور مجمع اٹھتا چلا جا رہا تھا اس لئے اب بیان ہونے کی امید بھی نہیں رہ گئی تھی جس کے صدمہ سے میری حالت عجیب وغریب ہو گئی تھی۔
آخر اس مولوی نے ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ پر اپنی تقریر ختم کی اور کرسی چھوڑ کر بیچ کی بچھی ہوئی چارپائی پر بچوں کی طرح پاؤں پھیلا کر بدتہذیبی سے بیٹھا میں نیچے اتر کر کرسی پر آیا اور حمد وصلاۃ کے بعد خلاف عادت بلند آواز سے ان دونوں کی تقریروں کا رد کرنا شروع کیا۔ وہ درمیان میں بول پڑا اور اپنی تائید میں قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی مگر غلط پڑھی میں نے ڈانٹ کر کہا ٹھیک سے پڑھو تم نے غلط پڑھا تم مجھ کو صرف مولوی مت سمجھنا میں ۳۰

پارہ کا حافظ بھی ہوں جتنی آیتیں تم نے تقریر میں پڑھی ہیں سب غلط پڑھی ہیں پھر سے پڑھو۔ مگر وہ دوبارہ پڑھ نہ سکا اور بہت ذلیل و رسوا ہوا اور اس واقعہ کا وہاں کے سارے مسلمانوں پر بہت اچھا اثر پڑا کہ جب تک براؤں شریف کے مولانا نہیں تھے تمام آیتیں پڑھ کر سنا رہے تھے اور ان کے سامنے ایک آیت بھی صحیح نہیں پڑھ سکے۔

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود جب ہم صبح چلنے لگے تو سیٹھ نے ہمیں ایک روپیہ نذرانہ پیش کیا جو سائیکل کے کرایہ کو بھی کافی نہ تھا مگر ہم نے بلا اعتراض لے لیا اور پھر اس کے بعد بھی جب بلایا ہم اسلام وسنیّت کی خاطر برابر گئے، وہابیوں، دیوبندیوں کے یہاں شادی بیاہ کرنے اور ان کے پیچھے عید وغیرہ کی نماز پڑھنے سے روک دیا۔ کئی لڑکوں کو تعلیم کے لئے فیض الرسول براؤں شریف میں داخلہ کروایا یہاں تک کہ الحمدللہ اب مکھریا میں کئی سنی عالم ہو گئے جس سے وہاں کی سنیّت محفوظ ہو گئی اور ایک اچھا دینی مدرسہ بھی قائم ہو گیا جس میں قرب و جوار اور آبادی کے سارے مسلمان بچے اسلام وسنیّت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

سنڈیلہ کا واقعہ:

ضلع ہردوئی کا سنڈیلہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہاں کے جناب ارشاد حسین صاحب صدیقی اسلام وسنیّت کی خدمت کا بہت اچھا جذبہ رکھتے ہیں لکھنؤ کی ایک اتفاقی ملاقات میں ان پر ظاہر ہوا کہ میں سنی عالم ہوں۔ انہوں نے کہا میں ایک جلسہ کرنا چاہتا ہوں کیا آپ اس میں تقریر کے لئے آ سکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ آ جاؤں گا۔ انہوں نے پوچھا کہ نذرانہ کیا لیں گے؟ میں نے کہا جو بھی آپ دیں گے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا مگر شاید کسی پیشہ ور مقرر سے کبھی ان کو پالا پڑا تھا۔ انہوں نے معاملہ کی صفائی کے لئے کہا کہ ہم کرایہ وغیرہ کچھ نہیں دیں گے جب آپ تشریف لائیں گے تو سو روپے پیش کریں گے۔ ہم نے کہا آپ بالکل مطمئن رہیے ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا آپ جو کچھ پیش کریں گے ہم بخوشی قبول کر لیں گے۔

جلسہ میں ہمارے علاوہ اور کوئی دوسرا عالم نہیں مدعو کیا گیا۔ اسی طرح وہ سال میں تین چار جلسے کرتے ہیں جس میں صرف ایک عالم کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بہت عمدہ ہے کہ

تھوڑے خرچ میں جلسہ ہو جاتا ہے اور سال میں کئی بار اسلام وسنیت کی تبلیغ ہو جاتی ہے اے کاش! چھوٹی جگہوں کے دوسرے لوگ بھی یہی طریقہ اختیار کرتے۔

میں تاریخ معینہ پر سنڈیلہ پہنچ گیا اور عقائد واعمال پر تقریباً دو گھنٹے تقریر کی واپسی کے وقت وعدہ کے مطابق انہوں نے سو روپے پیش کئے۔ وضع تنخواہ اور براؤں شریف سے سنڈیلہ تک آمد و رفت کرایہ میں پوری رقم صرف ہوگئی اور ہم یہ پہلے ہی سے جانتے تھے لیکن اسلام وسنیت کی تبلیغ کے جذبہ سے ہم نے دعوت قبول کی تھی۔

اسی طرح انہوں نے ہمیں کئی بار دعوت دی اور ہم برابر جاتے رہے اور وہ اسی طرح نذرانے پیش کرتے رہے اور ہم بخوشی قبول کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ہمارے حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے مدرسہ کے لئے جو بہت کمزور حالت میں چل رہا تھا ہم سے ایک عالم طلب کیا۔ ہم نے فیض الرسول کے ایک ہونہار فاضل کو وہاں پہنچا دیا جن کی کوششوں نے صدیقی صاحب کے حوصلہ کو اور بلند کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ بہت ترقی کر گیا اور جب میرے ایثار کا ان کو احساس ہوا تو مدرسہ کا پرانا نام بدل کر میری خوشی کے لئے مرشدی صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام پر اس کا نام دار العلوم امجدیہ رکھا۔ اب محلہ کسان ٹولہ میں اس کی شاندار عمارت ہوگئی۔ کئی عالم وحافظ اور کثیر طلبہ تعلیم وتعلم میں مصروف ہیں اور اسلام وسنیت کی خوب اشاعت ہو رہی ہے۔

فالحمدللہ علیٰ ذٰلک

اوجھا گنج کی غلط باتیں اور ان کی اصلاح

ہماری جائے پیدائش اوجھا گنج میں غیر مسلموں کی آبادی زیادہ ہے اور مسلمانوں کے تقریباً ۵۰ گھر ہیں۔ دائمی بازار ہے جہاں ہر وقت ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ دو مسجدیں ہیں اور ایک مدرسہ بھی اچھی حالت میں چل رہا ہے۔ بروقت پوری آبادی میں کل دس فارغ التحصیل مولوی ہیں جہاں سب سے پہلے میں سند یافتہ عالم ہوا باقی میرے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد ہیں۔

اوجھا گنج کی پہلی تعلیمی حالت:

اوجھا گنج میں مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم اپنے گھر ایک مکتب قائم کئے ہوئے تھے اور خالصاً لوجہ اللہ بڑی توجہ سے پڑھاتے تھے قرآن مجید ناظرہ اور کچھ اردو کی تعلیم دیتے تھے لکھنا نہیں سکھاتے تھے اس لئے کہ وہ خود لکھنا نہیں جانتے تھے۔ تین لڑکوں نے ان سے قرآن مجید کا حفظ بھی کیا جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔

اردو میں نور نامہ، عہد نامہ، شان رحمت، شان قدرت اور دلہن نامہ پڑھائی جاتی تھیں۔ فقہ میں دیوبندیوں کی کتابیں راہ نجاۃ اور مفتاح الجنہ داخل درس تھیں کچھ لوگ شرع محمدی منظوم بھی پڑھ لیتے تھے بعض گھروں میں میلاد شریف کی کچھ کتابیں قصص الانبیاء اور محرم کی مجالس میں پڑھنے کے لئے عناصر الشہادتین اور اسی قسم کی دوسری چند کتابیں پائی جاتی تھیں۔ میرے عالم ہونے تک فقہ کی عظیم کتاب بہار شریعت کا ایک حصہ بھی آبادی میں داخل نہیں ہوا تھا غالباً لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں تھا۔

قرب وجوار میں بلکہ ہریا کے پورے تحصیل میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اوجھا گنج ہی کے لوگ مانے جاتے تھے۔ اسی لئے مختلف مقامات پر یہاں کے آدمی عیدین اور جمعہ کو نماز پڑھانے کے لئے جایا کرتے تھے مگر فقہ کی اصطلاح میں سب اُمی تھے یعنی کوئی ان میں مابجوز بہ الصلاۃ قرآن مجید پڑھنے والا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ کسی کو ش س، ق ک اور ف پھ کی تمیز نہیں تھی۔ ایسے ہی ہم کو بھی پڑھایا گیا تھا جس کی اصلاح التفات گنج کے اساتذہ نے بھی نہیں کی جب حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی درسگاہ میں داخل ہوا تو انہوں نے اس طرف توجہ دلائی۔ غلط بولنے پر بار بار تنبیہ کرتے رہے اور درستگی پر زور دیتے رہے ایک بار پرانی عادت کے مطابق فقہا کے بجائے میری زبان سے پھکہا نکلا تو اس قدر ناراض ہوئے کہ میں رونے لگا یہاں تک کہ قرأت سیکھ کر ہم نے صحیح کیا۔ پھر اپنے استاذ مولوی محمد زکریا صاحب کے حروف کو درست کرایا اور اب تو الحمد للہ ہماری کوششوں سے اوجھا گنج میں کئی قاری بھی ہو گئے۔

اوجھا گنج میں شادی کی رسمیں:

اوجھا گنج میں جب کسی کے یہاں شادی ہوتی تھی تو ایک مہینہ پہلے اس کے گھر دفالی کے یہاں سے ڈھول (ڈھولکی) آجاتی تھی اور آبادی بھر کی مسلم عورتیں جمع ہو کر ۱۲ بجے رات تک گاتی بجاتی تھیں اور بعض گھروں میں عورتیں ناچتی بھی تھیں۔ یہاں تک کہ ہمارا گھر بھی گانے بجانے سے پاک نہیں تھا۔ ہماری شادی کے وقت جب ڈھول لانے کی بات آئی تو ہم نے نہایت سختی سے منع کیا اور کہا کہ ڈھول آئے گا تو ہم اسے چاقو سے پھاڑ دیں گے جو لائے گا وہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔ پھر ڈھول نہیں آیا اور اوجھا گنج کی تاریخ میں یہ پہلی شادی ہوئی جس میں گانا بجانا نہیں ہوا پھر ہم دوسروں کو بھی سختی سے منع کرتے رہے یہاں تک کہ پوری مسلم آبادی سے یہ خرابی دور ہوگئی۔ صرف چند آدمی جو نیچ قسم کے ہیں ان کے یہاں رہ گئی ہے امید ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے گھر سے بھی ختم ہو جائے گی۔

باراتوں میں بھی طرح طرح کے باجے لے جاتے تھے اور دوسروں سے بھی منگائے جاتے تھے یہاں تک کہ آبادی کے مسلمانوں نے انگریزی باجا کی ایک غول بنا رکھی تھی جو اوجھا گنج میں اور دوسری جگہوں پر پیسہ لے کر بجانے کے لئے جایا کرتی تھی۔ الحمدللہ ہماری فہمائش سے یہ خرابیاں بھی دور ہوگئیں اور اب یہ مزاج بن گیا ہے کہ بمبئی کا ایک سیٹھ جو اسی علاقہ کا رہنے والا ہے وہ زبردستی بارات میں باجا لانا چاہتا تھا تو ہم نے مسلمانوں کو اس کے خلاف اتنا ابھارا کہ وہ مارنے کے لئے تیار ہوگئے۔ یہاں تک کہ اس کو اوجھا گنج میں باجا لانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

بارات والے دلہن کے لئے جو کپڑا وغیرہ لاتے تھے اسے گھر کے اندر پہنچانے کے لئے باراتیوں کا نائی یا دوسرا کوئی نامحرم جاتا تھا۔ عورتیں پہلے سے کالک وغیرہ تیار کر کے رکھتی تھیں سامان اتارتے ہی اس کو لگانے کے لئے ٹوٹ پڑتی تھیں جس کے جواب میں بسا اوقات وہ بھی عورتوں پر ہاتھ چلا دیا کرتا تھا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

دولہا باراتیوں کے ساتھ دلہن کے دروازہ پر سلام کرنے کے لئے جایا کرتا تھا جس میں دولہا اور گھر کی عورتوں کے درمیان درختوں کی ٹہنیوں سے باقاعدہ مار ہوتی تھی اور بعض عورتیں

چنا، مٹر یا کانٹے دار پھل بھی دولہا کے چہرہ پر مارتی تھیں۔ یہ بے ہودہ رسمیں بھی ختم ہوئیں۔

اوجھا گنج کے لوگ پن پلائی اور بھت پکائی کے نام پر باراتیوں کو پانی پلانے اور ان کو کھانا کھلانے کی مزدوری دولہا کے گھر والوں سے وصول کیا کرتے تھے۔ ہم نے بہت غیرت دلائی اور کہا کہ اسے بند کرو۔ اور اگر اس میں پنچ کا نقصان ہے تو ہر بارات کی پن پلائی اور بھت پکائی جب تک ہم زندہ ہیں ہم سے وصول کیا کرو۔ الحمد للہ یہ غلط طریقہ بھی ختم ہوگیا۔

اور اوجھا گنج کے لوگ دعوت ولیمہ جانتے ہی نہیں تھے۔ البتہ بارات کی روانگی سے پہلے مسلم آبادی کے سارے مردوں کو اور خاندان کے پورے افراد کو کھانا کھلانا ضروری تھا۔ اسے پنچ کا کھانا کہا جاتا تھا اور جو شخص اتنے لوگوں کو کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا اسے پنچ کو جمع کرکے معافی مانگنی پڑتی تھی۔ ہم نے شب زفاف کے بعد دعوت ولیمہ کرنے کو بتایا تو پنچ کا کھانا بند ہوگیا اور سب لوگوں کو کھلانے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں معافی مانگنا بھی ختم ہوگیا اور اب بفضلہٖ تعالیٰ اوجھا گنج میں شادی وغیرہ کی ساری تقریبات اسلامی طور وطریقہ سے ہونے لگیں اور ہماری ساری کوششیں بارآور ہوگئیں۔

بدمذہبوں سے رشتہ:

وہابی اور دیوبندی جو اللہ ورسول جل جلالہ و ﷺ اور اولیائے کرام و بزرگان دین کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں وہ اہلسنّت و جماعت کے یہاں شادی بیاہ کرنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں اس لئے کہ اس طرح وہ اپنے رشتہ دار کے گھر بدمذہبی پھیلانے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہوجاتے ہیں اور وہ سنّی جو اللہ ورسول اور انبیائے کرام و اولیائے عظام سے جھوٹی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کی ظاہری نرمی کو دیکھ کر رشتہ قائم کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ سانپ اوپر سے نرم ہوتا ہے لیکن اس کے اندر زہر قاتل ہوتا ہے بلکہ بدمذہب سے تعلق سانپ سے زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے کہ وہ جان لیتا ہے اور یہ ایمان پر ڈاکہ زنی کرتا ہے۔ اسی لئے سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا:

اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ وَاِنْ

اگر بدمذہب بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو،

لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُصَلُّوْا مَعَهُمْ ۔ (مسلم شریف بحوالہ انوارالحدیث ص ۱۰۳)

ان سے ملاقات ہو تو انہیں سلام نہ کرو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

جو لوگ حقیقت میں اللہ و رسول اور انبیاء و اولیاء کو دوست رکھتے ہیں وہ ان کے دشمنوں کو دشمن ہی سمجھتے ہیں اور ان سے سخت نفرت کرتے ہیں اس لئے کہ دوست کا دشمن دشمن ہی ہوتا ہے۔ اپنے اور اپنے باپ دادا کے دشمن سے شادی بیاہ نہ کرنا اور اللہ و رسول کے دشمنوں سے رشتہ قائم کرنا ایمان والا کبھی گوارا ہی نہیں کر سکتا۔

جو لوگ دنیا کمانے کے لئے مولوی گیریٔ اور پیری مریدی کرتے ہیں اور پیسے کی فکر میں رہتے ہیں سنّیت کی پروا نہیں کرتے وہ صرف ڈرامائی اور رسمی تقریریں کرتے ہیں مگر ایمان کے ڈاکو جس راستہ سے سنیوں کے گھروں میں گھس کر ان کے ایمان پر ڈاکہ زنی کر رہے ہیں اور سنّیت کو بہت زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں اس راستہ کو بند نہیں کرتے، بدمذہبوں سے نفرت نہیں دلاتے اور نہ ان کے یہاں شادی بیاہ کرنے سے روکتے ہیں بلکہ بعض سنی کہلانے والے مولوی اور پیر اس میں خود ہی مبتلا ہو جاتے ہیں جسے سنی عوام سند بناتے ہیں اور ان کے یہاں رشتہ کر کے گمراہ و بدمذہب ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ تالیٰ۔

اوجھا گنج کے بعض مسلمان بھی وہابیوں اور دیوبندیوں کے یہاں شادی کر رہے تھے میں نے ہوش سنبھالتے ہی ان کو منع کیا اور پھر کچھ دنوں بعد اعلان کر دیا کہ خبردار! اب کوئی ان کے یہاں رشتہ نہ کرے۔ اگر کرے گا تو اس پر سختی کی جائے گی اور ہر طرح سے اس کا اسلامی بائیکاٹ کیا جائے گا۔

اس اعلان کو عرصہ گزر گیا مگر الحمد للہ اس وقت سے اب تک اوجھا گنج کے مسلمانوں کی کوئی شادی کسی بدمذہب کے یہاں نہیں ہوئی جس سے اس آبادی کی سنّیت روز بروز نکھرتی ہی چلی گئی۔ البتہ اب کچھ ناعاقبت اندیش جن کے لئے ہماری دعا ہے کہ انہیں دین کی سمجھ

حاصل ہو وہ اپنی بیوقوفی سے اوجھا گنج میں ایک ایسے پیر کو لانا چاہتے ہیں جس نے اپنے لڑکا اور لڑکی دونوں کی شادی بدمذہب کے یہاں کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس معاملہ میں اس پیر کی اتباع کر کے اپنے گھروں میں بدمذہبی کا بیج بو رہے ہیں۔ اگر اوجھا گنج کے لوگ بھی ان سے بیعت ہوئے اور اپنے پیر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بدمذہبوں سے رشتہ قائم کیے تو میری زندگی بھر کا کمایا ہوا دینی مزاج ملیامیٹ ہو جائے گا اور آہستہ آہستہ اوجھا گنج سے سنّیت کا جنازہ نکل جائے گا۔

اس پیر کے بعض ہوا خواہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو سنی بنالیا ہے۔ تو انہوں نے اپنے ہی جیسا سنی بنایا ہے کہ جو بدمذہبوں کے یہاں شادی بیاہ کرنے پر راضی ہو گئے یا اس سے کم؟ یہ تو خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر یہ مشہور کرنا کہ انہوں نے سنی بنالیا ہے سنّیت کے لئے اور زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس لئے کہ پہلے ان کے مرید مولویوں کو بدمذہبوں کے یہاں رشتہ کرنے سے بآسانی روکا جا سکتا تھا اور اب تو وہ یہ کہیں گے کہ جیسے ہمارے پیر صاحب نے سنی بنالیا ہے ہم بھی بنالیں گے اور پھر عوام اس مولوی کے عمل کو سند بنا کر بدمذہبوں کے یہاں رشتہ کریں گے اور اپنے گھر کی سنّیت کو تباہ کر دیں گے۔ عقلمندوں نے کہا ہے جس چیز کا نتیجہ دیر میں ظاہر ہو اس سے غفلت برتنا جہالت کی نشانیوں میں سے ہے۔

اوجھا گنج کی تعزیہ داری:

اوجھا گنج میں بھی مروجہ تعزیہ داری بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ کئی لوگ اپنے ذاتی خرچ سے تنہا تعزیہ بناتے تھے اور دونوں مسجدوں کے دروازوں پر بھی محلہ والوں کے پنچایتی تعزیے رکھے جاتے تھے۔ جن میں ہمارے والد قبلہ مرحوم کے علاوہ سارے مسلمان چندہ دیا کرتے تھے۔ تعزیوں کو امام صاحب کا روضہ کہا جاتا تھا حالانکہ ان میں کوئی آپ کے روضہ مبارکہ کی نقل نہیں ہوتا تھا بلکہ غیر مسلموں کے مندروں کی طرح ہوا کرتا تھا۔

تعزیوں کو ایک ماہ پہلے سے بنانا شروع کرتے تھے اور باجا کے ساتھ نہایت ہی شان سے چوک پر رکھتے تھے۔ دسویں رات کو باجا گاجا اور مردوں عورتوں کے مخلوط مجمع کے ساتھ

بازار میں گشت کراتے تھے پھر ۱۰ محرم کو تعزیہ اٹھنے پر بہت بڑا میلہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے مواضعات کے بھی تعزیئے آتے تھے اور ہر بڑا آدمی یہ چاہتا تھا کہ ہمارا تعزیہ سورج کے مقابل ہوتا کہ اس میں چمک زیادہ ہو اور اس کے لئے ایام جاہلیت جیسے جھگڑے کرتے تھے یہاں تک کہ دسویں محرم کو جب دفن کرنے کے لئے تعزیہ اٹھتا تھا تو بعض عورتیں چوک پر پانی ڈال کر اس کی گیلی مٹی اپنے ماتھے پر لگاتی تھیں اور پھر ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ کر دیر تک بیٹھ کے روتی رہتی تھیں۔

ان خرافات کو دیکھ کر بھلا میں کب خاموش رہ سکتا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ اس طرح کی تعزیہ داری ناجائز حرام اور بدعت سیئہ ہے۔ جن لوگوں کو تعزیہ کے معاملے میں اس قدر غلو تھا بھلا وہ میرے اس بیان کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ سب میرے خلاف ہو گئے اور مجھ کو وہابی کہنے لگے اور بہت سے فرضی قصے بیان ہونے لگے کہ فلاں جگہ ایک آدمی نے تعزیہ رکھنا بند کر دیا تھا اس کا جوان بیٹا مر گیا اور فلاں جگہ تعزیہ نہ رکھنے پر ایسا ایسا واقعہ ہوا۔

مگر میں ان لوگوں کے خوف دلانے سے بالکل نہیں ڈرا ہر سال تعزیہ داری کے خلاف برابر تقریریں کرتا رہا اور ان کے فرضی قصوں کا جواب یوں دیتا رہا کہ اگر تعزیہ داری بند کر دینے پر جوان بیٹا کے مرنے اور بڑے بڑے نقصانات ہونے کا واقعہ صحیح ہوتا تو میں جبکہ اس کا سخت مخالف ہوں اور اسے بند کرواتا ہوں مجھے میرے بیٹوں کے ساتھ زمین میں زندہ دھنس جانا چاہئے حالانکہ میں ہر لحاظ سے روز بروز ترقی ہی کر رہا ہوں اور تعزیہ دار دن بدن پستی ہی میں جا رہے ہیں بلکہ کئی ایک ان میں نربنس (منقطع النسل) ہو کر مٹ گئے اور باقی لوگوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔

تعزیہ، علم اور شدہ یہاں تک کہ ڈھول کا بھی اتنا احترام تھا کہ ان کو مسجدوں میں رکھا جاتا تھا۔ ایک بار چھوٹی مسجد کے رکھے ہوئے علم وشدے میں اس کے چراغ سے نہ معلوم کیسے آگ لگ گئی کہ جس سے مسجد بھی جل گئی کہ اس زمانہ میں وہ کھپریل (سفالہ پوش) تھی۔ مگر آگ بجھانے کے بعد باقی علم وشدے پھر اسی مسجد میں رکھ دیئے گئے۔ میں کہیں باہر تھا۔ آنے کے بعد جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو علم وشدے مسجد کے باہر کیچڑ میں

پھنکوادیا اور ڈھول نکلوا کر پیروں کی ٹھوکروں سے بہت دور کروادیا۔

اس واقعہ سے پوری آبادی کے مسلمانوں میں آگ لگ گئی مگر کوئی میرے قریب نہیں آیا۔ البتہ امام عالی مقام کے جھنڈے کی توہین کا مجھ پر الزام لگایا گیا۔ مولانا نور محمد نے میرے مشورہ پر بریلی شریف سے فتویٰ منگایا۔ مفتی نے جھنڈا پھنکوانے والے کو گنہگار ٹھہرانے کے بجائے ثواب پانے والا قرار دیا۔ میں نے اس فتویٰ پر اہلسنّت کے ۷۵ علماء اور مشائخ وغیرہ سے دستخط لے کر ۱۳۸۸ھ میں پوسٹر کی شکل میں شائع کر دیا جس کی نقل اس کتاب میں بھی حالات مصنف سے پہلے شامل کی جارہی ہے۔

اوجھا گنج میں تعزیہ داری اگرچہ اب بھی جاری ہے مگر پہلے والی باتیں اب نہیں رہ گئیں بہت سی جہالتیں دور ہو گئیں اور زور ٹوٹ چکا ہے۔ امید ہے کہ آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو جائے گی۔

خواجہ خضر کا تہوار:

اوجھا گنج میں خواجہ خضر کا تہوار اس طرح ہوتا تھا کہ دفالی ڈھول اور ربانہ لے کر مسلم آبادی میں آتے اور ایک ایک دروازہ پر گاتے بجاتے۔ پھر جب عورتیں گیہوں کا میٹھا دلیا پکانے کے بعد بن سنور کر تیار ہو جاتیں تو دفالی ہر گھر سے عورتوں کو دلیا سر پر رکھوا کر گاتے بجاتے ہوئے مسجدوں کے دروازے تک پہنچاتے پھر جب پوری مسلم آبادی کا دلیا اکٹھا ہو جاتا تو نوجوان بہو بیٹیاں بے پردہ اپنے اپنے سروں پر دلیا لئے ہوئے بازار سے گزرتیں۔ دفالی قدم قدم پر ٹھہرتے اور خوب گاتے بجاتے اور ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر عورتیں دفالی کو پیسہ دیتیں جبکہ پردہ ہی کے لئے نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت کان تک بھی ہاتھ اٹھانے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔

یہ ساری بے حیائیاں بیچ بازار میں ہوتی تھیں اور غیر مسلم دو رویہ کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے تھے مگر مسلم ذمہ داران جو ساتھ میں ہوتے تھے عورتوں کی یہ حالت دیکھ کر اتنا بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ میلہ بازار کی بجائے باہری راستہ سے ندی تک جائے۔ ہمارے والد صاحب قبلہ مرحوم صرف اتنا کرتے تھے کہ اپنے گھر کی عورتوں کو نہیں جانے دیتے تھے۔ اس

لئے ہمارے گھر یہ تہوار بھی نہیں ہوتا تھا البتہ کبھی وہ اور اکثر مولوی محمد زکریا صاحب مرحوم سال میں ایک بار اسی تہوار کے روز دریا کے قریب شہید بابا کے مزار کے نام پر شیرینی کے لئے چندہ کرتے اور عصر کی نماز پڑھ کر میلہ کے بعد دریا پر جاتے مگر وہاں سب کو مزار کا ہونا تسلیم نہیں تھا۔

جب میں نے ہوش سنبھالا تو لوگوں کو بتایا کہ اگر واقعی وہاں مزار ہو اور ہم زیارت کے لئے نہ جائیں تو گنہگار نہیں ہوں گے کہ مزار کی زیارت ہم پر فرض و واجب نہیں اور اگر مزار نہ ہو تو حدیث شریف لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ زَارَ بِلَا مَزَارٍ کے مطابق زیارت کرنے کے سبب ہم اللہ کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ لہٰذا بھلائی کی صورت زیارت نہ کرنے ہی میں ہے۔ میرے اس بیان پر اس کی زیارت ختم ہو گئی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے ابتدائی دور میں ایک سال اس تہوار کے دن میں گھر ہی پر تھا اور نماز جمعہ کے بعد میلہ نکلنے والا تھا۔ میں نے اس کے خلاف نماز کے پہلے سخت تقریر کی اور لوگوں کو غیرت دلائی کہ آپ کی بہو بیٹیاں بے پردگی اور بے حیائی کے ساتھ بیچ بازار سے گزرتی ہیں مگر آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ بڑے افسوس کی بات ہے خواجہ خضر کی نیاز اپنے گھر دلوائیے اور اگر دریا کے کنارے دلوانا چاہیں تو مرد لے کر آئیں عورتیں ہرگز نہ جائیں۔

میرے اس بیان کو لوگوں نے مان لیا اور اپنے اپنے گھر جا کر عورتوں کو سختی سے منع کر دیا مگر پشتہا پشت کی رسم یکایک بند ہوتی دیکھ کر لیڈر قسم کی عورتیں بہت پریشان ہوئیں اور ہماری بات کو رد کرنے کے لئے بڑی کوششیں کیں لیکن الحمدللہ وہ کامیاب نہ ہوئیں اور یہ حیا سوز طریقہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ماں باپ کا کھانا:

ماں باپ کے مرنے پر اوجھا گنج میں ان کا کھانا شادی بیاہ کی طرح بڑی دھوم دھام سے کیا جاتا تھا جس میں تمام عزیز واقارب اور سارے رشتہ داروں کو جمع کیا جاتا تھا۔ کچھ خاندانی فقیروں کو اور خاص طور سے برادری کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ موت ہی کے دن سے

لوگ اس کھانے کا انتظار شروع کر دیتے۔ اگر کسی کی جانب سے کھلانے میں تاخیر ہوتی تو وہ کہیں بولنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ لوگ اسے فوراً طعنہ دیتے کہ تو کیا بات کرتا ہے تیرا باپ مر گیا اور تو ابھی تک برادری کو کھانا نہیں کھلا سکا۔

اگر کوئی شخص کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو برادری کے دباؤ اور ان کی طعنہ زنی سے بچنے کے لئے مجبوراً اسے قرض لے کر کھانا کرنا پڑتا۔ اور اگر قرض لے کر بھی کوئی آدمی کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا تو مسلمانوں کی بھری پنچایت میں کھڑے ہو کر وہ پنچ سے معافی مانگتا جس پر یہ کہا جاتا کہ معافی نہیں ملے گی۔ لوگوں کے یہاں تم نے کھایا ہے تو تمہیں بھی سب کو کھلانا پڑے گا۔ جب بہت دیر تک ہاتھ جوڑ کر وہ پنچ سے عاجزی منّت کرتا اور اپنی مجبوریاں بیان کرتا تو بادل ناخواستہ اسے معاف کر دیا جاتا مگر وہ پوری آبادی میں نہایت ذلیل ورسوا ہو جاتا۔

چونکہ اس طرح میت کے گھر والوں سے کھانا وصول کرنا حرام وناجائز ہے اس لئے میں نے اس کی سخت مخالفت کی مگر طعنہ زنی کے خوف سے لوگ چھوڑنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ لیکن جب میرے والدین کا انتقال ہوا تو میں نے کھانا نہیں کیا بلکہ ایصال ثواب کے لئے بڑی مسجد میں الیکٹرک لگوائی۔ اس طرح لوگوں کو برادری کے ظلم سے نجات مل گئی۔ اس نے اپنا حق ختم کر دیا معافی مانگنے کا سوال نہیں رہ گیا خود اختیاری ہو گیا اور نہ کھلانے کی صورت میں طعنہ زنی کرنے اور عیب نکالنے کی بات بالکل ختم ہو گئی۔

اب اوجھا گنج کے لوگ اکثر یہ کھانا نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہ ریا وتفاخر اور نام ونمود کے لئے کرتے ہیں اس لئے کہ اگر ثواب مقصود ہوتا تو جس میں زیادہ ثواب ہے وہ کام کرتے پیٹ بھروں کو کھانا نہ کھلاتے بلکہ کسی غریب ولاچار بیوہ کی امداد کرتے۔ صدقہ جاریہ میں خرچ کرتے، تعمیر مسجد میں لگاتے یا طالب عِلمِ دین کو دیتے کہ ایک کے بدلے کم سے کم سات سو کا ثواب ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۰۰۔

لہٰذا اوجھا گنج اور گجرات وبمبئی وغیرہ کے وہ تمام لوگ جو زیادہ ثواب کا کام چھوڑ کر ہزاروں روپیہ کھلانے پر خرچ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ثواب ہی کی نیت سے ایسا

کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ اگران کا مقصد صرف ثواب ہوتا تو وہ پیٹ بھروں کو کھانا نہ کھلاتے بلکہ جس میں زیادہ ثواب ہے وہ کام کرتے۔

اوجھا گنج کی کچھ اور اصلاحیں:

اس آبادی میں پہلے قربانی کا گوشت عام طور پر کافروں کو بھی دیا جاتا تھا جس میں نائی دھوبی اور چمار بھی شامل ہوتے تھے اور اوجھا گنج کے پرانے زمیندار، برہمن جواب بھی آبادی میں بااثر ہیں ان کو خاص طور سے دیا جاتا تھا اس لئے اس کے خلاف کچھ بولنا بڑا مشکل کام تھا مگر اللہ اور رسول کے بھروسے پر ہم نے حکم شرع سنا ہی دیا کہ کافروں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔ اس رکاوٹ سے غیر مسلموں میں بڑی کھلبلی پیدا ہوئی اور جب ہم سے پوچھا گیا کہ آپ نے روکا ہے تو ہم نے جواب دیا کہ ہم نہیں روکتے بلکہ ہمارا مذہب روکتا ہے اور جیسے آپ کا دھرم جتنی اجازت دیتا ہے اتنا ہی برتاؤ آپ ہمارے ساتھ کرتے ہیں۔ ویسے ہی ہمارا مذہب جتنی باتیں جائز ٹھہراتا ہے اس سے زیادہ ہم آپ کے ساتھ کرنے سے مجبور ہیں۔ الحمدللہ اوجھا گنج سے یہ ناجائز طریقہ دور ہو گیا۔

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ کافروں کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے' فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اس کتاب میں صرف ذمی کافروں کو دینا جائز لکھا ہے اور یہاں کے کافر ذمی نہیں حربی ہیں جیسا کہ رئیس الفقہا حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ مغلیہ میں تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۰ پر تحریر فرمایا ان هم الا حربی ومایعقلها الا العالمون۔ اور فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت یہ ہے یهب منها ماشآء للغنی والفقیر والمسلم والذمی کذافی الغیاثیة۔

جامع مسجد کے امام ہونے کی حیثیت سے قربانی کا جانور صرف ہمارے والد صاحب ذبح کرتے تھے اور اس کا سرو پایہ ان کا حق مانا جاتا تھا چونکہ ابتدا ہی سے میرے اندر اصلاح کا جذبہ پایا جاتا تھا تو فارغ التحصیل ہونے سے بہت پہلے ہم نے اعلان کر دیا کہ بہتر ہے اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے آپ لوگ خود ذبح کریں اور خود نہ کر سکیں تو جس سے چاہیں کروا سکتے ہیں۔ امام کا ذبح کرنا ضروری نہیں اور قربانی کا سرو پایہ ذبح کرنے والے کا حق نہیں آپ

جسے چاہیں دے سکتے ہیں اور اپنے کام میں بھی لا سکتے ہیں۔

اس اعلان کے بعد اب قربانی کا جانور جس سے چاہتے ہیں لوگ ذبح کرواتے ہیں اور اس کے سر و پایہ کا حقدار ذبح کرنے والے کو نہیں ٹھہراتے۔

پوری آبادی کے مسلمان اوجھڑی اور آنتیں بلا تکلف کھاتے تھے ہم نے اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کیا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان و دیگر علمائے اہلسنّت کے فتوے ثبوت میں پیش کیے تو جو لوگ حکم شرع کے پیرو ہیں انہوں نے کھانا چھوڑ دیا اور قربانی کے جانور کی اوجھڑی اور آنتیں زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور کوئی بھنگی لے جانا چاہتا ہے تو اسے منع نہیں کرتے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۶۷ پر ہے مگر جو لوگ کہ شرع کے بجائے اپنے باپ دادا کے پیرو ہیں وہ اب بھی پوشیدہ طور پر کھاتے رہتے ہیں۔

شب قدر میں عشاء کی نماز کے لئے سات اذان کہی جاتی تھیں اور عیدین کی بھی اذان ہوتی تھی جس میں نہیں معلوم کیا کیا الفاظ کہے جاتے تھے ہم نے شب قدر کی عشاء کی بھی ایک اذان جاری کی اور عیدین کی اذان کو بھی بند کروا کے صرف دو بار اَلصَّلٰوۃُ جامعۃ کہنے کی اجازت دی۔

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ مبارکہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے باہر دروازہ ہی پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث کی معتبر و مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲ پر حدیث موجود ہے لیکن کچھ زمانہ کے بعد یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے پاس ہونے لگی۔ پھر اسے حدیث شریف کے مطابق مسجد کے باہر لانے میں جگہ جگہ فتنے و فساد ہوئے مگر ہم نے اوجھا گنج میں ایسی ترکیب اختیار کی جس سے بغیر کسی اعتراض و فساد کے نہایت آسانی کے ساتھ یہ اذان بھی مسجد کے باہر ہونے لگی۔

آج سے ۲۵۔۳۰ سال پہلے ہم نے جہاں بھی پوچھا کہ مردہ کو لنگی کہاں سے کہاں تک دی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ ناف سے پیر تک یہاں تک کہ یہی حال براؤں شریف میں بھی تھا اور جب ہم نے فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے سے بتایا کہ مردہ کی لنگی سر کی چوٹی سے پیر تک ہونی چاہئے تو لوگ سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور پھر ہم نے انوار الحدیث میں کفن کی عام

غلطیوں پر انتباہ لکھا جس سے بہت لوگوں نے اصلاح کی۔

اوجھا گنج میں بھی مردہ کو لنگی ناف ہی سے دی جاتی تھی اور میت کے دونوں ہاتھ کروٹوں میں رکھنے کے بجائے کافروں کی طرح سینہ پر رکھے جاتے تھے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی غلطیاں کفن ودفن کے بارے میں رائج تھیں جن کو ہم نے درست کیا۔ چھوٹے بچہ کی قبر میں تختہ کی جگہ پر پکا ہوا کھپڑ ا رکھا جاتا تھا ہم نے اسے منع کیا کہ پکی اینٹ کی طرح اس میں بھی آگ کا اثر پایا جاتا ہے اور بعد دفن کے سرہانے اذان کہنا جاری کیا۔

اوجھا گنج میں عام طور پر لوگوں کا وضو اور سجدہ صحیح نہیں تھا کہ دھوئے جانے والے اعضا کا کچھ حصہ دھوتے تھے اور کچھ صرف بھگا کر چھوڑ دیتے تھے اس پر پانی نہیں بہاتے تھے اور سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے کسی کا پیٹ زمین پر نہیں لگتا تھا جبکہ ایک انگلی کا پیٹ لگنا فرض اور دونوں پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب ہے۔ ہم نے ان خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا اور صحیح طریقے سے وضو کرنے و نماز پڑھنے کا ڈھنگ بتایا۔ اسی لئے ہمارے حفظ و ناظرہ کے استاذ مولوی محمد زکریا مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کے استاذ نہیں ہیں بلکہ آپ ہمارے استاد ہیں کہ وضو اور نماز وغیرہ کا صحیح طریقہ ہم نے آپ ہی سے سیکھا ہے۔

ملک کے بہت سے بڑے بڑے شہر کہ جہاں سال میں کئی شاندار جلسے ہوتے ہیں اور بے شمار علماء کی تقریریں ہوتی ہیں وہاں کی عورتیں اس مسئلہ سے بے خبر تھیں کہ مردوں کی طرح ان کو بھی بلاعذر ساری نمازیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں فرض و واجب تمام نمازیں بیٹھ ہی کر پڑھتی تھیں اور سخت گنہگار ہوتی تھیں۔ ہم نے جگہ جگہ اپنی تقریروں میں اس مسئلہ کو بیان کیا جس سے دیندار طبقہ بہت ممنون ہوا اور پھر انوارالحدیث و انوار شریعت میں اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ لکھا جس سے اللہ کی بہت سی نیک بندیوں نے اپنی فرض نمازوں کو برباد ہونے سے بچایا۔ دیگر مقامات کی طرح اوجھا گنج میں بھی یہ خرابی پائی جاتی تھی الحمدللہ اس کی بھی درستگی ہوئی۔

اوجھا گنج کا مذہبی معیار بلند کرنے کے لئے جو کام ہم نے کئے ہیں ان میں سے دونوں مساجد کی پختہ تعمیر بھی ہے۔ چھوٹی مسجد علم وشدہ کی آگ سے جل جانے کے بعد

۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں تعمیر ہوئی جس میں زیادہ سے زیادہ اپنی طرف سے رقم لگانے اور خالصاً لوجہ اللہ احمد آباد اور بمبئی و بھیونڈی وغیرہ سے چندہ فراہم کرنے کی ذمہ داری ہم نے لی اور حساب و کتاب، میٹریل کی فراہمی اور مزدوروں کی نگرانی وغیرہ کا کام ملا محمد حسین اور محمد یٰسین نے انجام دیا۔

بڑی مسجد جو ابھی تک کھپریل (سفالہ پوش) تھی وہ بھی بہت بوسیدہ ہوگئی تھی اس کو شہید کرنے سے چار پانچ سال قبل آبادی میں چندہ کا آغاز کیا اور ہم نے تکمیل تک ہر سال ایک ماہ کی تنخواہ دینے کا وعدہ کیا جو الحمدللہ اب تک پورا کیا بمبئی کے کچھ اہل خیر حضرات سے بھی امداد حاصل کی آبادی کے لوگوں نے بھی کافی دلچسپی لی۔ چھت لگنے تک کا انتظام عرفان احمد اور ان کے باپ رمضان علی نے کیا پھر صفائی کروانے اور خوبصورت منارہ وعمدہ فرش بنوانے کا کام مولوی صلاح الدین نے انجام دیا اور عزیز گرامی حضرت مولانا سیّد محمد انور چشتی زید مجدہم صاحبزادہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ پھپھوند شریف ضلع اٹاوہ نے تعمیر جدید کے تاریخی مادے یہ استخراج کیے:

قَالَ اِمَامُ الْاُمَمِ مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ

۰۵ ـــــــــــ ھج ـــــــــــ ۱۴

جامع مسجد اوجھا گنج بسعی وکوشش مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی

۸۵ ـــــــــــ ء ـــــــــــ ۱۹

پرانی رسمیں:

باپ دادا سے پرانی رسمیں جو چلی آتی ہیں جاہل عوام کو ان سے باز رکھنا اور انہیں بند کروانا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے اوجھا گنج کی بہت ساری غلط رسموں کی اصلاح میں ہمیں بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ طرح طرح کی اذیتیں اٹھانی پڑیں اور قسم قسم کے دل خراش جملے سننے پڑے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں جب بھی اوجھا گنج میں کسی غلط بات سے منع کرتا تو پیٹھ پیچھے یہ کہا جاتا کہ نئے نئے مولوی اور نیا نیا مسئلہ۔ پہلے میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں سننے کے بعد پیچ وتاب کھا کے رہ جاتا۔ آخر میں

نے اس کا جواب تلاش کرلیا اور تقریروں میں بیان کیا کہ نئے نئے مولوی نیا نیا مسئلہ۔ پیٹھ پیچھے یہ کہنا عورتوں کا کام ہے۔ اگر آپ واقعی مرد ہیں تو ٹانڈہ یہاں سے قریب ہے وہاں چلے جائیں اور جس بات کو میں ناجائز کہتا ہوں اس کو کسی مولوی سے جائز لکھوالائیں یا بریلی شریف سے فتویٰ منگالیں اور گھر میں بیٹھ کر عورتوں کی طرح بات کرنا چھوڑ دیں۔

میرے اس بیان کے بعد پھر اس قسم کی باتیں سننے میں نہیں آئیں۔ مگر عوام جو پشتہا پشت سے غلطیوں میں مبتلا تھے انہیں ان باتوں کا چھوڑنا بہت شاق گزرا۔ اس لئے ان کے دلوں میں ہماری طرف سے تکلیف پیدا ہوگئی اور مسلم آبادی کے ذمہ داران ہماری اصلاح سے اپنی توہین محسوس کئے اور پھر ہر طرح کی ترقی دیکھ کر ہمارے حسد میں مبتلا ہو گئے۔

حسد:

کسی کی نعمت دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس کی بجائے یہ بات مجھے حاصل ہو اسے حسد کہتے ہیں۔ حدیث شریف کے مطابق حسد ایسا گناہ ہے جو حاسد کی نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

(ابوداؤد شریف ص ۳۱۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کچھ ایسا فضل عظیم ہوا کہ دور ونزدیک کے بہت سے لوگ میرے حسد میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ تقویٰ و پرہیزگاری کا دعویٰ رکھنے والے بھی اس میں گرفتار ہوگئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں لیکن ان میں اوجھا گنج والوں کو سب سے زیادہ حسد ہوا۔ انہوں نے میرے ایک پڑوسی کو (جس سے اس کے گھر والے بھی اکثر پریشان رہتے ہیں) ابھار دیا تو اس نے ہمیں خوب ستایا۔

اور ہمارے مکان کے بالکل متصل ایک خالی پڑی ہوئی زمین تھی جسے غیر مملوکہ سمجھ کر ہم نے قبضہ کرلیا اور دیوار کھڑی کر کے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پھر جب بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ زمین اوجھا گنج کے مشہور خاندان دھاکڑ کی ہے تو ہم نے اپنا قبضہ ہٹانا چاہا۔ ان لوگوں نے کہا یہ ہمارے کوئی خاص کام کی نہیں ہے جب دیوار کھڑی ہوگئی تو اس کو نہ گرایئے ہم زمین کی مناسب قیمت لے لیں گے۔

یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ زمین کی زیادہ قدر نہیں تھی اور اوجھا گنج میں پانچ سو روپیہ بیگھہ میں مزروعہ زمین فروخت ہوتی تھی۔ یہ بھی مزروعہ زمین کا چھوٹا ہوا حصہ تھا ہم نے کہا آپ لوگ ہزار روپیہ بیگھہ کے حساب سے پیسہ لے لیجئے گا۔ اس لئے کہ کل ایک ہی بسوا (ایک بیگھہ کا بیسواں حصہ) زمین تھی۔ ان لوگوں نے کہا ٹھیک ہے لے لیا جائے گا۔

پھر جب ہم نے قیمت لینے کے لئے بار بار تقاضا کرنا شروع کیا تو اس خاندان کے لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اچھا ہو جائے گا آپ پریشان نہ ہوں۔ آخر میں ان کو ایک شخص نے یہ سمجھا دیا کہ زمین کی قیمت مت لو۔ اس لئے کہ تم گیارہ بارہ حصے دار ہو تھوڑا تھوڑا پیسہ پاؤ گے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ عالم دین ہیں بغیر قیمت ایسے ہی بطور نذر دے دو۔ ان لوگوں نے یہی کیا اور ہم نے ان کی نذر قبول کر لی۔ لیکن لکھایا نہیں اور یہ بھول ہم سے اس بنیاد پر ہوئی کہ ان لوگوں کے مورث اعلیٰ دھاکڑ ہمارے والد صاحب اور دوسرے پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کے ساتھ بڑا حسن اعتقاد رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میں بہت گنہگار آدمی ہوں مجھے قبرستان میں راستہ پر دفن کرنا مجھ کو یقین ہے کہ کوئی اللہ کا متقی پرہیزگار بندہ میرے اوپر سے کبھی گزر جائے گا تو میری بخشش ہو جائے گی۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ ان کی قبر کے نشانات مٹنے سے پہلے جس راستہ پر وہ دفن کئے گئے وہ راستہ ہی بند ہو گیا۔

مجھے یقین تھا کہ بغیر قیمت زمین دے دینے کے بعد اس خاندان کا کوئی فرد اس کے بارے میں پھر کوئی بات نہیں کرے گا۔ میں نے آیت کریمہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن) (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) کے مطابق ان لوگوں کے ساتھ ہر ممکن طریقہ سے بھلائی کرنا شروع کی اور بہت دنوں تک ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات خوشگوار رہے لیکن جب ہم نے اپنا مکان پختہ بنا لیا تو کچھ شریفوں کے تن بدن میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے دھاکڑ خاندان کو بہکا دیا تو وہ لوگ جو کہ ان میں غلط ہیں انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری زمین پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ ہم نے ان سے کہا کہ جب تم اپنی کہی ہوئی بات سے پھر گئے تو اب زمین کی

قیمت موجودہ بھاؤ سے لے لو مگر حاسدین نے انہیں لینے نہیں دیا اور بنے ہوئے پختہ مکان کے ڈھانے میں ہمارا بہت نقصان تھا اس لئے یہ معاملہ ایسا ہی پڑا رہ گیا۔

لوگوں کے حسد کی ہمارے پاس کوئی دوا نہیں ہے اس کا علاج صرف وہی ہے جو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا ہے کہ:

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست

کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

یعنی اے حسد کرنے والے تو مر جا اس لئے کہ حسد ایسی بیماری ہے کہ اس کی تکلیف سے موت کے بغیر تم چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ (گلستاں)

مزاج میں شدت:

میرے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مزاج میں شدت ہے۔ غالباً اس لئے کہ میں طلبہ پر سختی رکھتا ہوں۔ عذر معقول کے بغیر مکان پر زیادہ روز ٹھہرنے والوں کو مناسب سزا دیتا ہوں۔ ہر طالب علم کو اپنی باری پر عبارت پڑھنے کے لئے مجبور کرتا ہوں اور محنت نہ کرنے والوں کو بہت سخت وسست کہتا ہوں۔ قبلہ کی سمت پیشاب کرنے والے، داہنے ہاتھ سے استنجا کا ڈھیلا سکھانے والے، لوگوں کے سامنے پاجامہ کا پائچہ اٹھا کر پیشاب کرنے والے، کھڑے ہو کر پانی پینے والے، بائیں ہاتھ سے کھانے پینے والے یا داہنے ہاتھ سے ناک صاف کرنے والے کسی طالب علم کو دور سے بھی دیکھ لیتا ہوں تو اسے بلا کر تنبیہ کرتا ہوں اور اگر جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو کچھ نہ کچھ اسے ضرور سزا دیتا ہوں۔ ناسمجھ طلبہ کی نظر میں محبوب بننے کے لئے ان کی غلطیوں سے صرف نظر نہیں کرتا ہوں بلکہ پہلے نرمی سے انہیں سمجھاتا ہوں اور نہیں مانتے تو پھر سختی کرتا ہوں مگر اتنی نرمی نہیں اختیار کرتا کہ جو سستی سے تعبیر ہو اور نہ اتنی سختی کرتا ہوں کہ جسے ظلم کہا جائے۔ اسی لئے فیض الرسول کی ۳۲ سالہ تدریسی زندگی میں کبھی طلبہ نے میرے خلاف محاذ نہیں بنایا اور نہ کبھی اسٹرائک کی جبکہ بعض دوسرے لوگ کہ جن کے مزاج کی شدت نہیں مشہور ہے ان کے خلاف کئی بار طلبہ کی اسٹرائک ہو چکی ہے۔

میری سختی سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچا کہ اچھی تعلیم اور عمدہ تربیت سے آراستہ ہوکر کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر میرے اندر زیادہ نرمی ہوتی تو ہمارے لڑکے بھی برباد ہوجاتے۔ نہ باصلاحیت عالم بنتے اور نہ کسی درسگاہ میں پڑھانے کے قابل ہوتے صرف نام کے مولانا بنتے۔

اور میرے مزاج کی سختی ہی کا نتیجہ ہے جو اوجھا گنج کے مسلمانوں کی اصلاح ہوئی دہریت کا خاتمہ ہوا اور بدمذہبیت سے محفوظ رہا ورنہ اس آبادی میں بھی اب تک وہابیت گھس گئی ہوتی۔

کچھ اور باتیں:

ملکی سیاست بلکہ اوجھا گنج کی سیاست سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ایم ایل اے، ایم پی اور پردھان وغیرہ کسی کو ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک میں نے کبھی ووٹ نہیں دیا اور نہ اپنے گھر والوں کو دینے دیتا ہوں کہ ان کے غلط کاموں کی ذمہ داری ہمارے اوپر بھی آجائے گی۔

ریڈیو خریدنا میرے نزدیک ناجائز نہیں ہے اس کا غلط استعمال ناجائز ہے اور صحیح استعمال بہت کم لوگ کرپاتے ہیں اس لئے آج تک میں نے اسے اپنے گھر میں نہیں داخل ہونے دیا۔ نہ خود خریدا اور نہ شادی بیاہ میں لڑکی والے کو دینے دیا بلکہ ٹیپ ریکارڈر بھی نہیں لیا۔ اس خوف سے کہ میں ٹیپ ریکارڈر خریدوں گا تو میرے لڑکے ریڈیو لاکر گانا سنیں گے اور میں ریڈیو خریدوں گا تو میرے لڑکے ٹیلی ویژن اور وی ڈی او لاکر امجدی منزل کو سینما گھر بنادیں گے۔

میں نے خوشحالی کے باوجود اپنے کسی لڑکے کو انگریزی نہیں پڑھائی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کسی کو پڑھاؤں گا بلکہ ہر ایک کو نائب رسول ہی بنانے کی کوشش کروں گا اور ان لوگوں کی راہ کبھی نہیں اختیار کروں گا کہ جو دس سال تک زکوۃ و خیرات کھا کر علم دین حاصل کئے اور پورے زمانہ طالب علمی میں ایک ایک پیسے کے محتاج رہے۔ پھر عالم ہونے کے بعد جب کسی مسجد یا مدرسہ کے ملازم ہوکر خوشحال ہوگئے تو اپنے گھر والوں کو انگریزی پڑھا کر کافروں کی وضع قطع کا دلدادہ بنایا۔ انہیں فاسقوں کا لباس پہنایا اور اپنے گھر سے اسلامی طور

طریقہ نکال کر اسے مغربی تہذیب کا گہوارہ بنادیا۔

اگر کوئی اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت اور مذہبی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی نیت سے انگریزی زبان پڑھے تو ہم اس کے مخالف نہیں ہیں کہ حدیث شریف اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیَّاتْ۔ کے مطابق اس نیت سے کسی بھی زبان کو حاصل کرے گا تو ثواب پائے گا۔

ہم موجودہ انگریزی کورس کے مخالف ہیں جس سے عموماً پڑھنے والوں کا ذہن خراب ہوجاتا ہے۔ مذہبی آزادی پیدا ہوجاتی ہے۔ ماحول بدل جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایک دو پشت کے بعد گھر میں دہریت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

جس راہ پر چلنے والے اکثر ہلاک ہوجائیں ایسا راستہ بنانے والے اور اس پر چلنے والے دونوں بیوقوف ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ مبارکہ میں رومی اور ایرانی وغیرہ کی سنہ رائج تھے مگر انہوں نے ان میں سے کسی کو نہیں اختیار کیا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے سنہ ہجری کو جاری کیا جسے آج کا مسلمان مٹانے پر تلا ہوا ہے اور اس کو دنیا سے نیست ونابود کردینا چاہتا ہے کہ عوام تو عوام اکثر علماء ومشائخ بھی انگریزی ہی تاریخ وسنہ لکھتے وبولتے ہیں اور صرف گورنمنٹ کے کاغذات میں نہیں بلکہ اپنے نجی معاملات شادی بیاہ اور مخصوص خطوط میں بھی اسلامی تاریخ وسنہ کو چھوڑ کر صرف انگریزی پر اکتفا کرتے ہیں میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔

اور مسلمانوں کے وہ خطوط کہ جن کے پتے اردو سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور وہ بیجک (مال کی فہرست جس میں ہر چیز کا نرخ، قیمت اور میزان درج ہو) کہ جن میں انگریزی گنتیاں استعمال کی جاتی ہیں انہیں بھی دیکھ کر مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لئے کتب خانہ امجدیہ براؤں شریف اور مدرسہ امجدیہ ارشد العلوم اوجھا گنج کا سارا حساب وکتاب اسلامی تاریخ وسنہ اور اردو کی گنتیوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

خدائے عزوجل سارے مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ تمام باتیں جو اسلام و مسلمان کی انفرادیت کو باقی رکھنے والی ہیں انہیں ہمیشہ جاری رکھیں اور اپنی غفلت ولاپروائی

سے ان کو مٹانے کی کوشش نہ کریں، آمین۔

فیض الرسول سے مجھے بہت محبت ہے اسی لئے میں اکثر براؤں شریف میں ہی رہتا ہوں بقدر ضرورت اپنے مکان پر جاتا ہوں اور گھر کا انتظام دیکھ کر فوراً واپس آجاتا ہوں۔

ہر پندرہ دن پر جمعرات کو تدریس سے فرصت پاکر جاتا ہوں اور جمعہ کو صبح ۹-۱۰ بجے براؤں شریف کے لئے روانہ ہو جاتا ہوں جبکہ میرے تمام اہل وعیال وطن ہی میں رہتے ہیں اور ۳۲ برس میں کبھی ایک دن کے لئے بھی براؤں شریف نہیں آئے اور اوجھا گنج سے براؤں شریف کے لئے ۵ سواریوں سے ۹۴ کلومیٹر کا سفر کرنا پڑتا ہے۔

موسلادھار بارش، لُو کے تھپیڑے اور سخت سے سخت سردی بھی ہمیں اب تک اپنے پروگرام کے مطابق سفر کرنے سے نہیں روک سکی۔ میں اپنے ارادہ پر بہت سختی سے عمل کرتا ہوں یہاں تک کہ میری اہلیہ بیمار تھیں اور حالت بہت زیادہ نازک تھی مگر میں اپنے پروگرام کے مطابق وطن سے چل پڑا اور ابھی راستہ ہی میں تھا براؤں شریف نہیں پہنچا تھا کہ انتقال ہو گیا اور میری والدہ سخت علیل تھیں ان کے دم ٹوٹنے کا انتظار کیا جا رہا تھا مگر میں اپنے ارادہ کے مطابق گھر سے نکل پڑا اور ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

اور ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ میں ہمارا سب سے چھوٹا لڑکا جو میرے اوجھا گنج پہنچنے کے دن تھوڑی دیر پر گھر سے نکل کر میرا راستہ دیکھتا ہے وہ چیچک کے بخار میں مبتلا تھا اور بے ہوشی جیسی کیفیت طاری تھی کہ میرا گھر پر پہنچنا بھی وہ نہیں جان سکا مگر میں اپنے ارادہ کے مطابق دوسرے دن گھر والوں کو یہ تسلی دے کو چلا آیا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اچھا ہو جائے گا اور جب براؤں شریف پہنچ کر سخت الجھن ہوئی تو ایک طالب علم کو اوجھا گنج بھیج کر خیریت معلوم کی۔

اسی ارادہ کی پختگی کے سبب زندگی بھر میں کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں ہوئی۔ میں نے جب بھی کسی سے وعدہ کیا تو وقت پر کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ گیا اور براؤں شریف ہمیشہ تعطیل و رخصت کے مطابق ہی حاضر ہوا۔ ۳۲ برس میں کبھی ایک دن کی تاخیر سے نہیں

پہنچا۔ بہت سے لوگ تعطیل کلاں میں دو ماہ اپنے وطن میں رہنے کے باوجود وقت پر براؤں شریف نہیں پہنچ پاتے اور میں پورے ماہ رمضان میں بمبئی تراویح پڑھا کر دارالعلوم کھلنے سے ایک روز پہلے ہی براؤں شریف حاضر ہو جایا کرتا تھا ایک بار بمبئی سے ریزرو ٹکٹ ملنے میں دشواری ہوئی تو ختم تعطیل کے دن اوجھا گنج پہنچا اور ایک گھنٹہ مکان پر رہ کر شام تک براؤں شریف آ گیا۔

اراکین فیض الرسول کا حال یہ ہے کہ جو لوگ ایک ہفتہ کی رخصت لے کر جاتے ہیں اگر وہ دو تین ہفتہ پر آتے ہیں تو ان سے بھی احتراماً یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ آپ اتنی تاخیر سے کیوں آئے؟ تو میں اراکین کے دباؤ سے وقت پر نہیں حاضر ہوتا ہوں بلکہ نگاہ میں وقت کی قدر اور اس کی پابندی ہے اس لئے ایسا کرتا ہوں۔

کبھی جھوٹے بیمار بن کر رخصت علالت نہیں لی۔ اسی لئے دارالعلوم کے قانون کے مطابق ۳۲ سالہ خدمات کی تقریباً چودہ ماہ کی رخصت علالت محفوظ ہے بعض لوگوں نے بارہا سمجھایا کہ ہر سال کی پوری رخصت علالت لے کر ختم کر دیا کرو لیکن ہم کبھی اس کی جرأت نہیں کر سکے اور ہمیشہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتے رہے کہ جھوٹا بیمار بننے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حقیقت میں بیمار کر دے اور عاقبت خراب ہونے کا خوف الگ سے دامن گیر رہا۔ حدیث شریف میں ہے:

لَا تَمَارَضُوْا فَتَمَرَّضُوْا فَتَمُوْتُوْا فَتَدْخُلُوا النَّارَ ۔ — جھوٹے بیمار مت بنو کہ حقیقت میں بیمار ہو جاؤ گے اور مر جاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

(الملفوظ حصہ چہارم ص ۳۵)

البتہ ساڑھے دس سال کی عمر سے پہلے حفظ کرنے کے زمانہ میں ایک مرتبہ ہم بھی بیمار بنے تھے۔ اس لئے کہ ہمارے بعض ساتھی اکثر دردسر کا بہانہ بنا کر گھر بیٹھ رہتے اور پھر کھیلتے رہتے تو انہیں دیکھ کر ہم بھی ایک دن مکتب میں نہیں گئے اور دردسر کا بہانہ بنا کر بیٹھ رہے مگر پھر ایسی الجھن پیدا ہوئی کہ گھر ہی پڑھنا شروع کر دیا اور جب تک والد صاحب کو سنا کر سبق نہیں لے لیا چین نہیں آیا۔

نماز کے لئے غیبی تائیدیں:

میں دیندار گھر میں پیدا ہوا اور میرے والدین نماز کے سخت پابند تھے اس لئے میں بہت بچپن ہی سے نماز پڑھنے لگا تھا اور شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان جن کی نماز تو نماز، جماعت تو جماعت سفر وحضر میں ۴۸ سال تک تکبیر اولیٰ بھی نہیں فوت ہوئی ان کی چودہ سالہ صحبت نے مجھ کو نماز کا پابند بنا دیا۔ پھر ۱۳۹۶ھ میں حج بیت اللہ اور سرکار اقدس ﷺ کے آستانہ مبارکہ کی حاضری کے بعد نماز کا مزید اہتمام ہو گیا کہ احتیاطاً سفر میں اول وقت نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لوٹا مصلیٰ اور قطب نما ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں حتی المقدور نماز کے وقت میں سفر کرنے سے پرہیز کرتا ہوں۔ اگر بحالت سفر نماز پڑھنے میں زیادہ پریشانی کا خوف ہوتا ہے تو اسے کئی ٹکڑے کر دیتا ہوں۔ کئی موقعوں پر نماز پڑھنے کا امکان نہ رہا تو فضل خداوندی سے غیبی تائیدیں ہوئیں اور ہم نے وقت پر نمازیں پڑھ لیں۔

فیروز آباد ضلع آگرہ میں ہم تقریر کے لئے گئے اور وعظ سے فارغ ہو کر رات ہی میں واپس ہو گئے جلسہ والوں نے ہمیں ایسی ٹرین میں بٹھا دیا کہ جس میں رش بہت زیادہ تھا۔ فجر کا وقت ہو گیا۔ اٹاوہ سٹیشن پر ٹرین کھڑی ہوئی مگر اس کے اندر کوئی صورت نماز پڑھنے کی نہیں تھی اور نہ گیٹ سے نکل کر کسی طرح باہر پڑھنا ممکن تھا میں بہت پریشان تھا کہ اب کیا کروں خدائے تعالیٰ سے دعا کی کہ نماز کے لئے کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ ٹرین کا انجن خراب ہو گیا اور دیر تک گاڑی سٹیشن پر کھڑی رہی۔ بہت سے لوگ نیچے اتر پڑے گیٹ خالی ہو گیا ہم نے وضو کر کے جب آرام سے نماز پڑھ لی تب انجن درست ہوا اور ٹرین وہاں سے روانہ ہوئی۔

میں ایک مرتبہ اپنے وطن جانے کے لئے براؤں شریف سے روانہ ہو کر بانسی پہنچا۔ سردی کا زمانہ تھا میں نے اول وقت ساڑھے بارہ بجے ظہر کی نماز پڑھ لی مگر بس بہت تاخیر سے آئی جس کے سبب رش بہت زیادہ ہوا۔ ساڑھے تین بجے وہ بانسی سے روانہ ہوئی اور جب رودھولی پہنچی تو عصر کا وقت آدھا گزر چکا تھا اور بھیڑ کے سبب بس سے نکل کر نماز پڑھنا ممکن نہ تھا میں سوچنے لگا کہ کیا کروں یہیں بس چھوڑ دوں یا کہیں آگے جا کر اتر جاؤں۔

ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ بس وہاں سے روانہ ہوگئی مگر آبادی سے نکل کر پنکچر ہوگئی۔ ہم نے خدا کا شکرادا کیا سارے پسنجر اتر گئے۔ ہم نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر دوسری بس ملی جس سے بستی پہنچ کر مغرب کی نماز ادا کی۔

گرمیوں کا زمانہ تھا، ہمیں لکھنؤ سے بس کے ذریعہ فیض آباد پہنچ کر ٹانڈہ جانا تھا ہم نے وقت سے پہلے وضو کر لیا کہ بھڑیا میں بس کھڑی ہوگی تو ہم نماز پڑھ لیں گے مگر وہ بھڑیا میں کھڑی نہیں ہوئی اور ڈرائیور اور کنڈیکٹر دونوں سادھوؤں کی شکل میں بڑی بڑی جٹا رکھائے ہوئے ٹیکہ دھاری تھے ان سے یہ قطعی امید نہیں تھی کہ وہ کہنے پر نماز پڑھنے کے لئے بس روک دیں گے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر فیض آباد پہنچنے سے پہلے سورج کے غروب ہونے کا اندیشہ ہوا تو میں بس چھوڑ دوں گا پھر نماز پڑھ کر ٹیکسی سے چلا جاؤں گا بس چلتی رہی یہاں تک کہ عصر کا وقت بالکل آخر ہوگیا مگر فیض آباد دور رہا اور اب میں ڈرائیور سے کہنے ہی والا تھا کہ بس روک دو میں اتروں گا کہ اتنے میں اے جی ایم کی کار نے بس کے سامنے آ کر اسے روک دیا۔ میرے دل کی مراد بر آئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا فوراً اتر کر عصر کی نماز پڑھی بس دیر تک کھڑی رہی پھر جب مغرب کی نماز بھی ہم نے پڑھ لی تو اس کے بعد وہ چل کر فیض آباد پہنچی۔

ایک مرتبہ ہمیں الہ آباد سے صبح چار بجے والی پسنجر ٹرین کے ذریعہ فیض آباد آنا تھا اور ٹرین کی بوگیوں میں پانی نہیں تھا۔ سردی کا زمانہ تھا ہم نے وقت سے پہلے چار بجے اسٹیشن ہی پر وضو کر لیا۔ ٹرین روانہ ہوئی ہم اوپر کی برتھ پر لیٹ گئے آنکھ لگ گئی اور پھر اس وقت بیدار ہوئے جبکہ ٹرین ایک بہت معمولی اسٹیشن پر کراسنگ کے سبب کھڑی تھی اور فجر کا وقت آخر ہو رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر پانی کا انتظام نہیں ہے ضرورت پر کچھ دور سے آتا ہے۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اگر میں پانی کے پاس وضو کرنے کے لئے جاؤں تو ہوسکتا ہے ٹرین چل پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑی رہے تو اب میں کیا کروں۔

اللہ کا فضل ہوا کہ سامنے کی برتھ پر لیٹے ہوئے مسافر نے پوچھا کہ آپ پریشان کیوں نظر آ رہے ہیں۔؟ میں نے اس کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا آپ گھبرائیے نہیں میں انجن سے پانی لا کر دیتا ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ہم نے سورج نکلنے سے پہلے

بڑے آرام سے وضو کر کے نماز پڑھ لی پھر ٹرین روانہ ہوئی۔

بمبئی کے ایک سفر میں ہم گارڈ کی بوگی کے قریب تھے۔ ٹرین سے اُتر کر جیسے ہی ہم نے نماز کی نیت باندھی اس نے سیٹی بجادی اور پھر وہ بار بار سیٹی بجاتا اور جھنڈی ہلاتا رہا مگر ٹرین چلی نہیں حالانکہ ڈرائیور ہمیں دیکھتا بھی نہیں رہا اس لئے کہ اسٹیشن کی بھیڑ کے بعد ہم ٹرین کے آخری حصہ کے سامنے تھے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو کر ٹرین پر آ گئے تب وہ روانہ ہوئی۔

شعیب الاولیاء حضرت شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص نماز سے محبت رکھتا ہے اور پابندی سے اس کو پڑھنا چاہتا ہے تو خدائے تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتا ہے۔ حضرت کی اس بات کا مجھے زندگی میں بارہا تجربہ ہوا جن میں سے یہ چند واقعہ ان لوگوں کی نصیحت کے لئے لکھ دیا گیا جو سفر میں نماز پڑھنے کے لئے موقع نہ ملنے کا بہانہ کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

شاگردوں کو وصیت

(۱) خلوص کے ساتھ خدمت دین کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دو۔ حصول زر کو مقصد زندگی نہ بناؤ۔

(۲) مسجد یا مدرسہ کی ملازمت کے معنی میں عالم نہ رہو نائب رسول کے معنی میں عالم بنو کہ رسول کی طرح ہر وقت اسلام و سنّیت کی تبلیغ و اشاعت کی فکر رکھو اور ہر ممکن طریقے سے اس کے لئے کوشش کرتے رہو۔

(۳) قرآن مجید اور حدیث پڑھنے کے ساتھ فقہ کا زیادہ مطالعہ کرو کہ اللہ و رسول کے نزدیک سب سے بڑا عالم وہی ہوتا ہے جو فقہ میں زیادہ ہوتا ہے اگرچہ دوسرا احدیث و تفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ج چہارم ص ۵۲۲)

(۴) صحیح معنی میں عالم دین بننے کے لئے علمائے اہلسنّت خصوصاً حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرو۔

(۵) عالم کی سند مل جانے کو کافی نہ سمجھو بلکہ زندگی بھر تحصیل علم میں لگے رہو اور یقین کرو کہ زمانہ طالب علمی میں صرف علم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور حقیقت

میں علم حاصل کرنے کا زمانہ فراغت کے بعد ہی ہے۔

(۶) خود بھی باعمل رہو اور دوسروں کو بھی باعمل بنانے کی کوشش میں دن رات لگے رہو۔

(۷) بدمذہب اور دنیادار مولوی سے دور بھاگو جیسے شیر سے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ وہ جان لیتا ہے اور یہ ایمان برباد کرتا ہے۔

(۸) الحاق کہ جس سے اکثر دینی مدارس دنیادار ہو گئے اور ان کی تعلیم برباد ہو گئی۔ اس سے بچو اور مکر و فریب سے گورنمنٹ کا بھی پیسہ نہ حاصل کرو کہ غدر و بدعہدی مطلقاً سب سے حرام ہے۔

(۹) دین میں کبھی مداہنت نہ اختیار کرو، حق گوئی و بیباکی اپنی زندگی کا شعار بناؤ۔

(۱۰) اپنے روپے کو بینک میں رکھنے اور دوسرے کاروبار میں لگانے کے بجائے دینی کام میں لگاؤ۔ کتابیں تصنیف کرو اور انہیں چھپوا کر اسلام و سنیت کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کرو اور یقین رکھو کہ جو لوگ دین کا کام نہیں کرتے بلکہ جو اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں جب انہیں بھی کھانے کو ملتا ہے تو کبھی تم بھوکے نہ رہو گے۔

(۱۱) اساتذہ کے حقوق کو تمام مسلمانوں کے حقوق سے مقدم رکھو اور کسی طرح کی ایذا ان کو نہ پہنچاؤ ورنہ علم کی برکت سے محروم ہو جاؤ گے۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل ہمارے شاگردوں کو ان وصیتوں پر عمل کرنے کی توفیق رفیق بخشے، ہماری دینی خدمات کو قبول فرمائے، ایمان پر خاتمہ ہو اور قیامت کے دن حضور پُرنور شافع یوم النشور جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو، آمین۔

وصلی اللّٰہ تبارك و تعالٰی وسلم علٰی سیّدنا محمد النبی الکریم وعلٰی آلہٖ واصحابہ افضل الصلوات واکمل التسلیم ۔

جلال الدین احمد امجدی

خادم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی

۱۱ر جمادی الاخری ۱۴۰۸ھ

۳۱ جنوری ۱۹۸۸ء

خطباتِ محرم مندرجہ ذیل ۷۰ کتابوں سے تیار کی گئی ہے

۱-قرآن مجید
۲-تفسیر کبیر
۳-تفسیر روح البیان
۴-تفسیر خازن
۵-تفسیر معالم التنزیل
۶-تفسیرات احمدیہ
۷-تفسیر خزائن العرفان
۸-بخاری شریف
۹-مسلم شریف
۱۰-ترمذی شریف
۱۱-ابوداؤد شریف
۱۲-مشکوٰۃ شریف
۱۳-مؤطا امام محمد
۱۴-انوار الحدیث
۱۵-عینی شرح بخاری
۱۶-مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
۱۷-اشعۃ اللمعات
۱۸-شرح فقہ اکبر
۱۹-شرح عقائد نسفی
۲۰-دُرِمختار
۲۱-ردالمحتار
۲۲-شرح وقایہ
۲۳-عمدۃ الرعایہ
۲۴-مراقی الفلاح
۲۵-فتاویٰ عالمگیری
۲۶-فتاویٰ عزیزیہ
۲۷-فتاویٰ رضویہ
۲۸-بہارِ شریعت
۲۹-تنزیہ المکانۃ الحیدریہ
۳۰-حک العیب
۳۱-اعجب الامداد
۳۲-الانتباہ
۳۳-حجۃ واہرہ
۳۴-نسیم الریاض
۳۵-مدارج النبوۃ
۳۶-شواہد النبوۃ
۳۷-اسد الغابہ
۳۷-اصابہ فی تمییز الصحابہ
۳۸-خصائص کبریٰ
۳۹-حجۃ اللہ علی العالمین
۴۰-الشرف المؤبد
۴۱-برکاتِ آل رسول
۴۲-عشرۂ مبشرہ
۴۳-کراماتِ صحابہ
۴۴-سیر الصحابیات
۴۵-تحفۂ اثناء عشریہ
۴۶-الدولۃ المکیہ
۴۷-الناہیہ
۴۸-امیر معاویہ پر ایک نظر
۴۹-غنیۃ الطالبین
۵۰-کشف المحجوب
۵۱-مکتوبات امام ربانی
۵۲-محبوب یزدانی
۵۳-مثنوی مولانا روم
۵۴-کامل ابن اثیر
۵۵-بدایہ نہایہ
۵۶-تاریخ طبری
۵۷-وفاء الوفاء
۵۸-تاریخ الخلفاء
۵۹-الصواعق المحرقہ
۶۰-نور الابصار
۶۱-نزہۃ المجالس
۶۲-روضۃ الشہداء
۶۳-سوانح کربلا
۶۴-شامِ کربلا
۶۵-نقش وفا
۶۶-شرح الصدور
۶۷-فضائل مدینہ
۶۸-الملفوظ
۶۹-عشق کی سرفرازی
۷۰-استقامت